إنّ من الشعر لحكمة وإنّ من البيان لسحرا

الحمد للہ والمنۃ کہ دیوان معجز بیان فصاحت عنوان المسمّٰی باسم تاریخی

گفتارِ بیخود

۲۳ ف ۱۳

یعنی وحید العصر فرید الدہر حضرت منشی سید وحید الدین احمد صاحب بیخود

جانشین حضرت داغ دہلوی کا پُر لطف و دلچسپ معانی خیز و ولولہ انگیز

کلام دہلی کی مستند اور ٹکسالی زبان کا مخزن فصاحت و بلاغت محاورات

و تشبیہات کا گنجینہ جسکے ہر ایک لفظ سے سخن کی خوبی بندش کی خوش اسلوبی ظاہر ہے

حسب فرمایش جناب مفتی مسعود حسین عرف مفتی ظہور الاسلام صاحب کیرتپوری

بماہ جنوری [illegible]ء باہتمام لالہ ٹھاکر داس صاحب مالکان

دلی پرنٹنگ ورکس دہلی میں چھپا

تعداد طبع یکہزار بار اول

قیمت فی جلد [illegible]

Supplied by
Mirza Law House
ETAWA

K UNIVERSITY LIB.
Acc No 1041125
Date 27.3.74

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰہی حمد سے بڑھ جائے یہ حسن رقم میرا
بنا دے مہر عالمتاب نقطے کو قلم میرا

اُڑائے ہے کہیں اُڑتا ہی انداز رقم میرا
پر روح الامیں ہی حمد خالق میں قلم میرا

شہیدوں میں خدایا نام ہو جائے رقم میرا
قلم کی طرح سجدے کیلئے سر ہو قلم میرا

قدم راہ حقیقت میں کچھ ایسا جم کے پڑتا ہی
کہ آندھی سے بھی مٹ سکتا نہیں نقش قدم میرا

ازل میں کچہ لکھا تھا وصف اُس شمع تجلی کا
ہوا ہی زیب گردوں کہکشاں بنکر قلم میرا

نہ تہا میں جن کے لائق تو نے وہ وہ نعمتیں بخشیں
علم دست کرم تیرا سر تسلیم خم میرا

زباں پر خضر کی صحرا میں میرا ذکر جاری ہی
مسیحا چرخ پر بیٹھے ہوئے بھرتے ہیں دم میرا

الٰہی عشق صادق جذب صادق مجھکو حاصل ہو
رہے مشتاق میری طرح سے بیت الحرم میرا

مری گمگشتگی سب کو بتا دے گی پتہ اُس کا
بنے گا جادہ مقصود ہر نقش قدم میرا

دل پُر داغ سے کچھ جی بہل جاتا ہی فرقت میں
رہے آباد دنیا میں یہ گلزار ارم میرا

تری حسرت ترا ارماں تری خواہش تری الفت
رہے گا گرد میرے حشر میں خیل و حشم میرا

ہوا ہوں جب سے میں پابند احکام شریعت کا
رہا کرتا ہی اپنے نفس پر اکثر ستم میرا

Supplied by
Mirza Law House

یہ ساری مشکلیں دارین کی آسان ہوجائیں
اگر ہو جائے دم بھر کیلئے تیرا کرم د...

مئے الفت سے سیری عاشقوں کو ہو نہیں سکتی
نہ ہو گا **بیخودِ** بدمست ہرگز ذوق کم میرا

قائل ہر اک بشر ہے بے قیل و قال تیرا
کافر کے دل میں پایا ہم نے خیال تیرا

کب تک رہیگی آخر یہ نزع کی سی حالت
کس دن نصیب ہو گا دیکھیں وصال

دنیا کی کچھ خبر ہے ہم کو نہ دین کی ہے
ہر وقت دھن ہی تیری ہر دم خیال تیرا

اتنا تو ہم سے کہہ دے ملتا کہ تو نہ ملتا
روز ازل جو تجھ سے کرتے سوال تیرا

ڈھونڈا ہے جس کسی نے پایا ہی تجھکو یارب
موسے نے کیا نہ دیکھا نور جمال تیرا

پوشیدہ تجھکو رکھنا منظور تھا جو اپنا
کھلتا نہیں کسی پر دنیا میں حال تیرا

ہر شے میں جلوہ گر ہے لاشئے ہی ذات تیری
دیکھا ظہور تیرا دیکھا کمال تیرا

بچھڑے ہوؤں کو تجھ سے کس بات کی ہی حسرت
بھٹکے ہوئے دلوں کو ملنا محال تیرا

رگ رگ میں تو بسا ہی تجھ سے گریز کیسی
پھیلا ہوا ہے دل پر عاشق کی جال تیرا

کاشف کی رہنمائی ضرب المثل ہوئی ہے
بیخود کو کر دکھایا محوِ جمال تیرا

عالم فراق میں نظر آیا وصال کا
اللہ رے عروج ہمارے خیال کا

باغ النعیم رنگ ہی اس کے جمال کا
نار جحیم ایک شرارہ جلال کا

رہتا ہے دم لبوں پہ اسی انتظار میں
وعدہ وفا ہو دیکھئے کس دن وصال کا

جنت کی ہے کبھی کبھی کوثر کی ہی طلب
لپکا پڑا ہوا ہے زباں کو سوال کا

ہر سنگ سنگِ طور بنا اپنی آنکھ میں
موسے کی طرح شوق تھا اس کے جمال کا

Supplied by

انساں بنا کے تاجِ کرامت عطا کیا
بندہ کے حال پر ہی کرم ذوالجلال کا

بے شبہ بے نموں ہی وہ بیچون و بیچگوں
امکان کیا کہ وصف ہو اُس بےمثال کا

ہے فیض عام اُس کا غلاموں کے واسطے
بالا ہے بادشاہوں سے رتبہ بلال رض کا

ہم تو زباں کو روک بھی سکتے ہیں حشر میں
رحمت سے انتظار نہ ہوگا سوال کا

بیخود تو اپنے وقت کا منصور بن گیا
آتا ہے ایک رنگ نظر حال و قال کا

والہ و شیدا ہی یہ دل صاحبِ لولاک کا
رات دن پڑھتا ہوں میں کلمہ رسولِ پاک کا

المدد اے الفتِ گیسوئے احمد المدد
حال اب دیکھا نہیں جاتا دلِ غمناک کا

میری وحشت لیکے جائیگی مدینہ تک مجھے
خوف کیا گردش زدہ کو گردشِ افلاک کا

عشق احمد نے ہمارے دل کو روشن کیا
بنگیا ہے نور کی قندیل کوزہ خاک کا

حیطۂ تقریر سے باہر ہے وصفِ ذوالجناح
دل میں مضموں پھر رہا ہی توسن چالاک کا

الاماں اے سوزشِ داغ جدائی الاماں
آفتاب حشر ہے ہر ذرہ میری خاک کا

عشق حضرت سے گلستان بھی نہیں خالی رہا
رنگ ہر گل میں نظر آیا دل صد چاک کا

ذاتِ باری کی طرح یکتا ہی ذاتِ مصطفےٰ
در حقیقت نور تھا سایہ بھی جسم پاک کا

آپ کے دامن سے محشر میں لپٹ جاؤں گا میں
قول تھا یہ مرتے دم تک **بیخود** غمناک کا

پنہاں ہے دل میں عشق حبیب اِلٰہ کا
دینے لگا ہے کام تصور نگاہ کا

بادِ صبا جو روضۂ انور پہ ہو گذر
کرنا بیان سب مرے حالِ تباہ کا

کہتے ہوئے سُنا نہیں کیا جبرئیل کو
خادم ہوں بارگاہ رسالت پناہ کا

غافل نہیں وہ امت عاصی کے حال سے
ہر وقت سامنا ہی کرم کی نگاہ کا

نیزہ کرن کا لیکے جو نکلا ہے آفتاب
اک لشکری ہی یہ بھی اُس انجم سپاہ کا

مختار کارخانۂ قدرت ہیں مصطفےٰ
ہے اُن کو اختیار سپید و سیاہ کا

اُٹھ جائے پردۂ رُخ اسرار معرفت
سرمہ ملے جو آنکھ کو اُس گرد راہ کا

گستاخیاں معاف ہوں ہاں اے حبیب رب
اس دل کو پڑ گیا ہے مزا تیری چاہ کا

مجھکو وہاں ہے جلوۂ دیدار کی تلاش
بے نور ہے چراغ جہاں مہر و ماہ کا

اللہ رے تمہاری غلامی کا مرتبہ
ہے عرشیوں کو رشک مرے عز و جاہ کا

بیخود کی لاج شافع محشر تجھی کو ہے
تیرے سوا نہیں کوئی اس روسیاہ کا

نہ ہوا ہائے پشیماں وہ ستمگر نہ ہوا
کھیل ٹھہرا یہ کوئی عرصۂ محشر نہ ہوا

عشق کے درد سے آگاہ ستمگر نہ ہوا
اُس کے پہلو میں تمہارا دلِ مضطر نہ ہوا

اشک وہ اشک ہے جو آنکھ سے باہر نہ ہوا
دل وہی دل ہے جو بیداد سے مضطر نہ ہوا

عجز سے گردن تسلیم ہوئی خم ایسی
حشر کے روز بھی دیدار میسر نہ ہوا

ضبطِ فریاد پہ میں داد طلب ہوں کس سے
وہ تو الزام یہ رکھتے ہیں کہ مضطر نہ ہوا

کوئی پہلو دل بیتاب کی تسکیں کا نہیں
تو نے وعدہ وہ کیا جو مجھے باور نہ ہوا

آج چاہا تھا کسی نے کہ مجھے قتل کرے
ہاتھ میں خوبیٔ تقدیر سے خنجر نہ ہوا

آنکھ وہ خیرہ ہے جس آنکھ نے دیکھا نہ تجھے
دل وہ پتھر ہے کہ جس دل میں ترا گھر نہ ہوا

کیا کہا آپ نے انصاف تمہارا کیسا
آپ کی بزم ہوئی عرصۂ محشر نہ ہوا

دل کا سودا تو نگاہوں میں پٹا رکھا تھا
وہ خریدار ہی کچھ دل میں سمجھکر نہ ہوا!

پاسِ خاطرِ دلِ بیتاب کا ملحوظ رہا
خط نہ بھیجا کبھی لوٹن جو کبوتر نہ ہوا

دیکھ تو کون یہ بیٹھا ہی مری پہلو میں
یہ وہ دن ہی کہ جو تجھکو بھی میسّر نہ ہوا

چشم بد دور وہ بھولے بھی ہیں نادان بھی ہیں
ظلم بھی مجھپہ کبھی سوچ سمجھکر نہ ہوا

طول کھینچا ہے بہت عشق کے افسانہ نے
تھک گئے ہونٹ مگر ختم یہ دفتر نہ ہوا

مضطرب ہو کے ستمگر نے کہا خیر تو ہے
دل ہمارا کبھی بیتاب جو دم بھر نہ ہوا

بن نہ آتی کسی کافر کو بھی بے بوسہ دئیے
سنگ اسود تیری دہلیز کا پتھر نہ ہوا

رازداں حالِ شب وعدہ کہیں کیا تجھسے
ہم تو جاگا کئے بیدار مقدر نہ ہوا

کس نے لکھی ہے غزل داغ سے بڑھکر بیخود
اُس کا شاگرد ہوں جس کا کوئی ہمسر نہ ہوا

دل ہے مشتاق جدا آنکھ طلبگار جدا
خواہش وصل جدا حسرت دیدار جدا

کچھ کھڑے جھومتے ہیں طالب دیدار جدا
اینڈتے پھرتے ہیں کچھ خلد میں میخوار جدا

زاہدوں سے نہ بنی حشر کے دن بھی یا رب
وہ کھڑے ہیں تیری رحمت کے طلبگار جدا

جی جلانے کو ستانے کو مٹانے کو مجھے
وہ جدا غیر جدا چرخِ ستمگار جدا

تیغ و خنجر بھی ہیں انداز و ادا بھی موجود
سر کے گاہک ہیں الگ دل کے خریدار جدا

کعبہ ہو آتے ہیں دل تک ہی رسائی مشکل
سارے رستوں سے ہی یہ منزل دشوار جدا

باغ میں یاد نے اُس کی مجھے ٹکنے نہ دیا
چٹکیاں لینے لگے پھول جدا خار جدا

ہر قدم پر ہے مری خاک سی کھٹکا اُن کو
ہاتھ دامن سے نہ ہوگا دم رفتار جدا

بجلیاں حضرت موسیٰ پہ گریں دو اک بار
شعلۂ شوق جدا شعلۂ دیدار جدا

ہمسری قال سے کب حال کی ہو سکتی ہی
خانقاہوں سے بنے خانۂ خمار جدا

دستِ صیاد میں ہوں خاک اُڑوں کیا بو یوں
قینچی گردن میں جدا چٹکی میں منقار جدا

ہو گئے وہ سحرِ وصل یہ کہکر رخصت
تجھسے کرتا ہے مجھے چرخ ستمگار جدا

دل میں الفت بھی رہی شک کے کانٹے بھی رہے
اُن سے سو بار ملے ہم ہوئے سو بار جدا

قتل کرتے ہی مجھے جلوہ نمائی بھی ہوئی
در پہ ہنگامہ الگ ہے پسِ دیوار جدا

سختیاں عشق کی جھیلوں کہ سنوں میں دل کی
کہائے جاتا ہے محبت میں یہ غمخوار جدا

حالِ یعقوبؑ کی کیونکر ہو خبر یوسفؑ کو
کوچۂ عشق سے ہے حُسن کا بازار جدا

زاہدوں کی تیری رحمت پہ چڑھائی ہے الگ
ٹولیاں باندھ کر آئے ہیں گنہگار جدا

وضع کا پاس بھی ہے **بیخود** میخوار ضرور
کاک بوتل سے نہ کیجے سر بازار جدا

ارمان اگر نکلے ارمان کا کیا کہنا
احسان کرو دل پر احسان کا کیا کہنا

معشوق سہی پریاں مشہور سہی حوریں
انسان سے کیا نسبت انسان کا کیا کہنا

اُس بات کی ضد کیسی جو سُن نہ سکے کوئی
ارمان ہی چڑ اُن کی ارمان کا کیا کہنا

پوشیدہ رہا دل میں اللہ رے ترا پردہ
ہر شئے میں نظر آیا اس شان کا کیا کہنا

ہے جان کا غم زاہد اُس بت کی محبت میں
ایمان سلامت ہے ایمان کا کیا کہنا

میں خاک میں مل کر بھی پاتا ہوں اُسی دل میں
اُجڑے ہوئے گھر میں ہے مہمان کا کیا کہنا

خط میں مجھے لکھا ہے دشمن سے ملو جا کر
قسمت کا نوشتہ ہے فرمان کا کیا کہنا

میں اُن سے شب وعدہ دیوانہ بنوں کیکر
جب پاس گلا گھونٹے ارمان کا کیا کہنا

کیا بات ہے اُس دل کی تجھ جس میں سما جائے
قربان ہو جو تجھ پر اُس جان کا کیا کہنا

چٹکی میں ہے تیر اب تک چٹکی سے نہیں چھوٹا
آنکھوں میں کھٹکتا ہے پیکان کا کیا کہنا

بیخود کی دلبری سے گُم ہوش ہیں قاتل کے
قدموں ہی پہ دم توڑا اوسان کا کیا کہنا

نہ پہنچا عرش تک بے بالؔ و پر کیا
رہے دب کر فرشتوں سے بشر کیا

حیا کیا بزم میں دشمن کا ڈر کیا
جو مجھ تک بھی نہ آئے وہ نظر کیا

تمہیں ہم چاہتے تو ہیں مگر کیا
محبت کیا محبت کا اثر کیا

یہ سوجھی ہے تجھے اے چشم تر کیا
پسیجے گا بھلا وہ فتنہ گر کیا

یہ سب ہیں تجھسے بڑھکر دل کے طالب
ادا کیا ناز کیا ترچھی نظر کیا

مری قسمت تو پلٹو دل تو پھیرو
کروگے تم اکیلے روٹھ کر کیا

یہ چھری جب پھیردی گردن پہ میری
وہ اب کرتے ہیں پھر پھر کر نظر کیا

نہ سمجھے ہم تو راز کعبہ و دیر
خدا جانے ادھر کیا ہے اُدھر کیا

وفا کا نام تو سیکھے لیا ہے
کہا تھا تم نے اِس سے پیشتر کیا

ہزاروں بار بگڑے رات بھر میں
نبھے گی تم سے اپنی عمر بھر کیا

نظر آتا نہیں اب اُن کا ثانی
وہیں ٹھہرے گی ہر پھر کر نظر کیا

جلاؤ چھین لو ٹکڑے کرو تم
ہماری جان کیا دل کیا جگر کیا

محبت چار دن کی چاندنی ہے
رہیگی یاد تیری عمر بھر کیا

نظر ملتی نہیں اُٹھتی نہیں آنکھ
کوئی پوچھے کہ ہے بدنظر کیا

یہ پتلی انگلیاں نازک کلائی
بندھے گی قتل دشمن پر کمر کیا

زباں کا قول کیونکر سچ سمجھ لیں
کسی کے دل میں ہو اب کیا خبر کیا

اُدھر تصویر رکھی ہے عدو کی
وہ اب دیکھیں ادھر منھ پھیر کر کیا

چھپے رہتے ہیں جلوے تیرے دل میں
اگر ے گی دیکھ کر تجھکو نظر کیا

شکایت سُن کے وہ بیخود سے بولے
تجھے اے بے خبر میری خبر کیا

ترے ستم کا مرے ضبط کا جواب نہ تھا
چھری گلے پہ چلی دل کو اضطراب نہ تھا

نہ تھی تمہاری محبت تو کچھہ عذاب نہ تھا
جگر میں درد نہ تہا دل کو اضطراب نہ تھا

بنی تھی دل پہ کچھہ ایسی کہ اضطراب نہ تھا
غشی کو آپ نے سمجھا تھا خواب خواب نہ تھا

یہ حُسن ظن ہے کہ بیخود کبھی خراب نہ تھا
کسر تھی اتنی کہ آلودہ شراب نہ تھا

سوال وصل کا پہلو تہا شکوہ دل میں
جواب دیجے وہ سمجھے کہ یہ جواب نہ تھا

ہماری آنکھ سے تم دیکھتے تو کھل جاتا
کہ آئینہ میں بھی اس شکل کا جواب نہ تھا

جناب شیخ نے کیا وجہ کیوں بنایا موتھ
شراب ناب کا مذکور کچھہ شراب نہ تھا

نشانہ مجھکو بنایا تہا چشم ساقی نے
کہ چور دل کی طرح ساغر شراب نہ تھا

غشی نے جان بچالی جناب موسیٰ کی
حجاب اُٹھنے نہ پائے وہ بے حجاب نہ تھا

عدو کی بزم میں یوں سرنگوں وہ بیٹھے تھے
کہ دیکھنے کو کہیں آنکھ میں حجاب نہ تھا

شرر کی طرح سے اک حسبت میں تہا قصہ پاک
کشش یہ موت کی تھی مجھکو اضطراب نہ تھا

جو کچھہ گذرنی تھی ظالم گذر گئی دل پر
ہمارے پاس کھانے کا اضطراب نہ تھا

مزے اڑائے جوانی میں وصل کے زاہد
تمہاری طرح اچھوتا مرا شباب نہ تھا

ہمارے چہرہ کو کیوں تم نے غور سے دیکھا
یہاں تو ڈھلتی ہوئی دھوپ تھی شباب نہ تھا

تمھاری وعدہ خلافی کی وجہ بھی تو کھلے
اندھیری رات نہ تھی گرم آفتاب نہ تھا

سحر کو جیسے ستارے نظر نہیں آتے
نقاب اُس نے الٹ دی تو آفتاب نہ تھا

عدو سے روٹھ کے تم مجھ سے مل گئے ہوتے
یہ انقلاب زمانے کا انقلاب نہ تھا

شمار بوسہ لب میں مغالطہ کیسا
وہاں تو گالی کا دینا بھی بے حساب نہ تھا

ہوئی ہے ذبح کے ہمراہ نعش بھی پامال
کہ صرف قتل ہی کرنا مرا ثواب نہ تھا

ہزاروں اس دل بے آرزو نے ڈھائے ستم
بھلے کو اور مرے ساتھ کچھ عذاب نہ تھا

نہ پوچھیئے دل بریاں کی ہم سے کیفیت
زباں جس کے مزے لے یہ وہ کباب نہ تھا

یہ بے ثباتی باغ جہاں تماشا ہے
جب آنکھ کھل گئی غنچہ کی پھر شباب نہ تھا

تڑپ تڑپ کے گذاری ہیں ہجر کی راتیں
زمانہ چین سے سوتا تھا ہمکو خواب نہ تھا

شب فراق کی بیتابیوں کو سن کے کہا
مرے خیال میں تو تجھکو اضطراب نہ تھا

اک آئینہ کے سوا اُن کے حسن دلکش کا
کہیں جواب نہ نکلا کہیں جواب نہ تھا

مجھے یہ رشک کہ دشمن کا ذکر کیوں آئے
اُنھیں یہ ناز مری بات کا جواب نہ تھا

نقاب اٹھنے نہ پائی جھپک گئیں آنکھیں
کسی کا جلوہ رخسار کیا نقاب نہ تھا

یہ بت سمجھتے تھے بیخود کو بار خاطر کیوں
کسی کے دل میں تو وہ خانماں خراب نہ تھا

شب فرقت میں آجاتی اجل تو اُسکا کیا جاتا
وہ کیا منہ کا نوالہ تھی جو کوئی اُسکو کھا جاتا

چرائی جان مرنے سے یہ طعنہ کب سنا جاتا
نہ کھاتا زخم خنجر کا تو کیا میں زہر کھا جاتا

نہ جاتا ساتھ میت کے مگر مجھکو مٹا جاتا
مری بالیں پہ وہ میری طبیعت بن کے آجاتا

ستاکر آسماں مجھکو بڑے چکر میں آجاتا
وہ کیا معشوق تھا خالی جو یہ تیر دعا جاتا

قیامت تک نہ جاتا پھر کہیں رنگ حنا جاتا
حنا کیسا تھا ہاتھوں میں جو میرا دل ملا جاتا

نہ دیتا دل تجھے تو جیتے جی تو مجھکو کھا جاتا
کوئی تیرا گلا مٹتا کوئی شکوہ بڑا جاتا

نہ کیونکر نذرِ دل ہوتا نہ کیوں کر دم مرا جاتا
اکیلا بھیجتا اُس کو وہ خالی ہاتھ کیا جاتا

شباہت حور کی پتھر کا دل شعلہ کی صحبت
اگر وہ آدمی ہوتا تو کچھ اُس سے کہا جاتا

مٹا دی مٹ کے داغِ آرزو نے عشق کی دولت
کوئی دن اور رہ جاتا تو یہ دل کو بنا جاتا

وہ دم بھر کو چلے آتے مسیحائی دکھا جاتے
انہیں تنہا عذر آنے میں پلٹ کر دم تو آجاتا

خدا نے شرم رکھ لی مر گیا میں ضبطِ الفت میں
بھڑک اُٹھتا جو یہ شعلہ کلیجہ مونھ کو آجاتا

خبر سُن کر مرے مرنے کی ہک دک وہ بھی ہو جاتے
اڑاتا خاک سر پر جب وہاں پیکِ صبا جاتا

تمہارے عہدِ فردا نے تو برسوں جاں بلب رکھا
قیامت کا تو وعدہ میرا جھگڑا ہی چکا جاتا

کہاں تک تم جلاتے تم کہاں تک سر جدا کرتے
قیامت تک نہ یہ اندازِ تسلیم و رضا جاتا

جنازہ پر بھی وہ آتے تو مُنہ کو ڈھانک کر آتے
ہماری جان لے کر بھی نہ اندازِ حیا جاتا

نزاکت اسقدر اتنی نقاہت اور پھر ایسی
جو وہ آتا تو کیا آتا جو میں جاتا تو کیا جاتا

تمہاری یاد میرا دل یہ دونوں چلتے پرزے ہیں
جو ان میں سے کوئی مٹتا مجھے پہلے مٹا جاتا

تیری چتون کے بل کو ہم نے قاتل تاک رکھا تھا
کدھر مقتل میں بچکر ہم سے یہ تیرِ قضا جاتا

نہ آیا وہ ادھر شرمِ ستم سے خیر ہی گذری
قیامت میں کوئی مل کر قیامت اوڑھا جاتا

پیامی جمع کر لینے تھے اے دل تجھکو پہلے سے
وہاں جب ایک مر رہتا یہاں سے دوسرا جاتا

وہ کافر بد زباں ہیں وضع کا پابند دل مضطر
نہ مجھ سے کچھ سنا جاتا نہ مجھ سے کچھ کہا جاتا

لڑا کی اِن بتوں سے آنکھ دنیا میں رہا جب تک
خدا کے سامنے کیا خاک بنکر پارسا جاتا

مرا جب تھا قیامت تک نہ آتا ہوش بیخود کو
پلائی تھی جو مے ساقی نے اتنی تو پلا جاتا

حجاب دور تمہارا شباب کر دے گا
یہ وہ نشا ہے تمہیں بے حجاب کر دیگا

مرا خیال مجھے کامیاب کردے گا
خدا اِسی کو زلیخا کا خواب کردے گا

مری دعا کو خدا مستجاب کردے گا
ترا غرور مجھے کامیاب کردے گا

یہ داغ کھائے ہیں جسکے فراق میں ہمنے
وہ اک نظر میں انہیں آفتاب کردے گا

کیا ہے جس کے لڑکپن نے دل مرا ٹکڑے
کلیجہ خون اب اُس کا شباب کردے گا

سُنی نہیں یہ مثل گھر کا بھیدی لنکا ڈہائے
تجھے تو دل کی خبر اضطراب کردے گا

نہ دیکھنا کبھی آئینہ بھول کر دیکھو
تمہارے حُسن کا پیدا جواب کردے گا

کسی کے ہجر میں اس درد سے دعا مانگی
ندائیں آئیں خدا کامیاب کردے گا

غم فراق میں گریہ کو شغل سمجھا تھا
خبر نہ تھی مری مٹی خراب کردے گا

کسے خبر تھی ترے ظلم کے لئے اللہ
مجھی کو روز ازل انتخاب کردے گا

اٹھا نہ فتنۂ محشر کو چال سے ناداں
تیرے شہید کا بے لطف خواب کردے گا

وہ گالیاں ہمیں دیں اور ہم دعائیں دیں
خجل اُنہیں یہ ہمارا جواب کردے گا

جوابِ صاف نہ دے مجھکو یہ وہ آفت ہے
مرے سکون کو بھی اضطراب کردے گا

کہیں چھپائے سے چھپتا ہے لعل گدڑی میں
فروغ حُسن تجھے بے نقاب کردے گا

تیری نگاہ سے بڑھکر ہے چرخ کی گردش
مجھے تباہ یہ خانہ خراب کردے گا

ڈبوئیگی مجھے یہ چشم تر محبت میں
خراب کام مرا اضطراب کردے گا

رقیب نام نہ لے عشق کا جتا دینا
یہ شعلہ وہ ہے جلا کر کباب کردے گا

وفا تو خاک کرے گا مرا عدو تم سے
وفا کے نام کی مٹی خراب کردے گا

عجیب شخص ہے پیر مغاں سے مل زاہد
نشے میں چور تجھے بے شراب کردے گا

بڑوں کی بات بڑی ہے ہمیں نہیں باور
جو آسماں سے نہ ہوگا جناب کردے گا

بھلائی اپنی ہے سب کی بھلائی میں **بیخود**
کبھی ہمیں بھی خدا کامیاب کردے گا

عدو دوست بنکر رہے رہ چکا
وہ تیرے بھلے کی کہے کہہ چکا

بُرا مجھکو دشمن کہے کہہ چکا
یہ چوٹیں وہ نازک سہے سہ چکا

وہ کہتے ہیں یہ ہے ہماری جگہ
بغل میں تیری دل رہے رہ چکا

بیاں کچھ وفا کا ادا ہو رہا
وہ کیوں اس سے آگے کہے کہہ چکا

یہی عادتیں ہیں تو ممکن نہیں
تجھے کوئی اچھا کہے کہہ چکا

مجھے رشک دشمن گوارا نہیں
ستم آج تک جو سہے سہ چکا

دوبارہ شب وصل زلفیں نہ کھول
کہ اب چاند پھر کیوں گہے گہ چکا

نظر رخنہ گر اُس پہ برق جمال
سلامت یہ پردہ رہے رہ چکا

وہ جھوٹی خوشامد سے پگھلے گا گیا
جو شکوہ پہ ہنسکر کہے کہ چکا

ہوائی ہے دیدہ تر سے تیر کا
یہ کیا دل میں ٹک کر رہے رہ چکا

زباں ایک ہے دل میں ارمان سو
کوئی تم سے کیا کیا کہے کہ چکا

تیرے جور تیرے ستم تیرے ظلم
جو ہوں گے سہوں گا سہے سہ چکا

بہ اندازِ تمکیں پہ طرزِ حیا
رقیبوں سے مل کر رہے رہ چکا

نگاہوں میں مطلب ادا کر دیا
جو کہنا تھا میں نے کہے کہ چکا

وہ میری مصیبت وہ دشمن کا راز
سُنے سُن چکا کچھ کہے کہ چکا

زمین غزل اتنی **بیخود** کہاں
کہ مضموں کا دریا بہے بہہ چکا

Supplied by
Mirza Law House
ETAWAH

یہ کیا کہا کہ شب وصل بے قرار نہ تھا
زبان کہنے میں تھی دل پر اختیار نہ تھا

اب اس سے کیا تمہیں تھا یا امیدوار نہ تھا
تمہارے وصل کا تم سے تو خواستگار نہ تھا

نہ تھا وہ دوست تو دشمن بھی زینہار نہ تھا
کہا وہ اُس نے کہ جو دل کو ناگوار نہ تھا

عدو کی بزم میں وہ شوخ زینہار نہ تھا
ہمارے پاس تھا گو ہم سے وہ دوچار نہ تھا

تمہارے کوچہ میں کس دن یہ جاں نثار نہ تھا
ہوا تھا دفن جہاں وہ مرا مزار نہ تھا

وہ کوئی اور تھا بندہ دغا شعار نہ تھا
جو آپ سمجھے تھے دل میں وہ زینہار نہ تھا

تمہارے تیر کی جلدی نے دل کو تڑپایا
یہ جب قرار سے بیٹھا تو بے قرار نہ تھا

مرے کہے سے وفادار وہ مجھے سمجھے
کچھ اعتبار کے قابل یہ اعتبار نہ تھا

یہ اُس کے وعدۂ دیدار نے ستم ڈھایا
جب آنکھ ہم کو ملی تھی تو انتظار نہ تھا

جھکا کے سر مرے پہلو میں وہ جو آ بیٹھے
یہ اک غرور کا پہلو تھا انکسار نہ تھا

ہر ایک کام پہ تھی شرط اُس کی منظوری
یہ اختیار کی تہمت تھی اختیار نہ تھا

وہ اُس کا روٹھ کے جانا تھا جان کا جانا
پلٹ کے اُس نے جو دیکھا یہ جاں نثار نہ تھا

شب وصال بھی دل اُن سے بدگمان رہا
یہ لطف دیکھ رہا تھا پھر اعتبار نہ تھا

خیال یار نے دھوکا دیا ہمیں کیسا
جسے سمجھتے رہے یار ہم وہ یار نہ تھا

سُنا زبان سے اُس بت کی بارہا ہم نے
وہ دل کا راز جو ہم پر بھی آشکار نہ تھا

اٹک اٹک کے بڑی مشکلوں سے دم نکلا
گلا بھی خشک تھا خنجر بھی آبدار نہ تھا

شراب پیتے ہی وہ کُھل گئے وہ کُھل کھیلے
شب وصال میں کچھ لطفِ انتظار نہ تھا

یہ شوخیوں کی ادائیں تو بڑھ گئیں مجھ سے
یہ بے قرار بھی اتنا تو بے قرار نہ تھا

گئے تھے آپ جہاں شب کو فاتحہ پڑھنے
وہ حسرتوں کا مری ڈھیر تھا مزار نہ تھا

وہ حشر تک مجھے زندہ نہ چھوڑتا ظالم
یہ خیر تھی مری الفت کا اعتبار نہ تھا

نہ چھپکی جب شب وعدہ پلک تو ہم سمجھے
یہ کوئی اور بلا تھی یہ انتظار نہ تھا

وہ تیر آپ کے ترکش میں کونسا نکلا
جو بے چلے بھی ہمارے جگر کے پار نہ تھا

پڑے ہیں اپنی ہی انکھوں پہ پردے غفلت کے
نظر سے دور تو رہنا ترا شعار نہ تھا

جو بن پڑی تو یہ سمجھے کہ ہم ہی سب کچھ ہیں
بگڑ گئی تو یہ جانا کچھ اختیار نہ تھا

تیرے کرم نے قیامت میں ڈال دی ہلچل
وہ کون تھا جو کرم کا امیدوار نہ تھا

وہ مر گیا ہے تو کیا ہے ہمیں بھی مرنا ہے
خدا گواہ ہے **بیخود** شراب خوار نہ تھا

بیوفا کہنے سے کیا اے بیوفا ہو جائیگا
تیرے ہوتے اس صفت کا دوسرا ہو جائیگا

شرط کر لو پھر مجھے برباد ہونا بھی قبول
خاک میں مل کر تو حاصل مدعا ہو جائیگا

سر نہ ہوگا دوش پر تو کیا نہ ہوگی گفتگو
ہچکیوں سے شکر قاتل کا ادا ہو جائیگا

سینہ توڑا دل میں چٹکی لی جگر زخمی کیا
کیا خبر تھی تیر بھی تیری ادا ہو جائیگا

میرے کہنے میں ہے دل جبتک مرے پہلو میں ہے
آپ لے لیجئے اسے یہ آپ کا ہو جائیگا

ساتھ اُن کے جان بھی ارمان بھی جائینگے آج
صبح سے پہلے روانہ قافلہ ہو جائیگا

میں ملوں تلوؤں سے آنکھیں وہ کہیں سمجھونگا میں
یا ورکھ پھیکا اگر رنگ حنا ہو جائیگا

پھر وہی جھگڑے کا جھگڑا ہے اگر تم کہہ دیا
تیغ کا منسوخ سارا فیصلا ہو جائیگا

کس خوشی میں ہائے کیا رنج پھیلا کیا کروں
کیا خبر تھی ہنستے ہنستے وہ خفا ہو جائیگا

حشر تک کیوں بات جائے کیوں پڑے بیچ غیر منہ
گھر میں سمجھوتا ہمارا آپ کا ہو جائیگا

آنکھ سے ہے وصل کا اقرار دل تو گدا میں ہے
تم زباں سے اپنی کہدو گے تو کیا ہو جائیگا

ظلم سے گر ذبح بھی کر دو مجھے پروا نہیں
لطف سے ڈرتا ہوں یہ میری قضا ہو جائیگا

اُس نے چھیڑا تھا بہا مجھے تم جان دو گے کب ہمیں
کہدیا میں نے بھی جب وعدہ وفا ہو جائیگا

یوں سوال وصل پر ٹالا کیا برسوں کوئی
صبر کر مضطر نہ ہو تیرا کہا ہو جائیگا

لاکھ دنیا میں حسیں ہوں لاکھ حوریں خلد میں
مجھکو جو تو ہے وہ کوئی دوسرا ہو جائیگا

توبہ بھی کر لی تھی یہ بھی نشہ کی تھی اک ترنگ
آپ سمجھے تھے کہ بیخود پارسا ہو جائیگا

فیض ساقی سے کوئی خالی نہ میخانے میں تھا
چشم حاسد کے لئے بھی بال پیمانے میں تھا

ہجر ساقی میں دھرا کیا خاک میخانے میں تھا
خون میری حسرتوں کا میرے پیمانے میں تھا

تم نے دیکھا شمع کے دل میں لگا دی جس نے آگ
عشق کا وہ شعلہ اس کمبخت پروانے میں تھا

زندگی کا لطف زاہد عمر رفتہ کا نشاں
تیری قسمت میں نہ دیکھا میرے پیمانے میں تھا

میں تو سر پھوڑا کیا تڑپا کیا وعدہ کی شب
اُس کی مجھکو کیا خبر وہ اپنے کاشانے میں تھا

دم نکلنے تک رہی اک آگ دل میں مشتعل
قبر میں جب رکھدیا پھر میں تو تہ خانے میں تھا

اپنی قیمت خود گھٹا دی تو نے اس کا کیا علاج
دل بھی کوئی مال تھا جو تیرے بیعانے میں تھا

موت سے بدتر تھی مجھکو تو قفس میں زندگی
دانہ کیا کھاتا بھلا میں زہر ہر دانے میں تھا

عمر بھر میں تو نے دیکھا بھی اُسے زاہد کبھی
جس کی قدرت کا تماشا روز میخانے میں تھا

تم عیادت کو نہ آتے تو دھرا کیا تھا یہاں
کوئی دم کا اور وقفہ دم نکل جانے میں تھا

تیر اُن کا آگھٹا دل سے جگر کھٹکا رہا
اُنس اپنے میں نہ پایا وہ جو بیگانے میں تھا

فصل گل کیسی کہاں کی سیر کس کی دل لگی
باغ میں بھی کوئی ہو گا میں تو ویرانے میں تھا

وہ کہیں سے آئے ہونگے میں نے دیکھا تھا نہیں
منہ بھی کچھ جھٹکا ہوا تھا در بھی شانے میں تھا

میں جہاں سمجھا تھا دل میں وہ وہیں نکلا مقیم
وہ نہ کعبہ میں نظر آیا نہ بتخانے میں تھا

بیخود میخوار کی دیکھی کرامت تو نے شیخ
صبح کو مسجد میں نکلا شب کو میخانے میں تھا

غم میں ڈوبے ہی رہے دم نہ ہمارا نکلا
بحر ہستی کا بہت دور کنارا نکلا

آ کے چٹکی میں نہ دامن کا کنارا نکلا
دم بھی قدموں ہی پہ قاتل کے ہمارا نکلا

ہجر میں موت بھی آئی تو برے وقت آئی
جان کب نکلی ہے جب صبح کا تارا نکلا

کیا سبب دل کے تڑپنے کا ہی میں بھی تمھوں
تو نے دیکھا تیری آنکھوں کا اشارا نکلا

نہ عیادت نہ مداوا نہ جنازہ کی نماز
جاؤ بھی تم سے نہ کچھ کام ہمارا نکلا

چار عنصر سے ہے انساں کی تخلیق غلط
میرے تو دل کی جگہ سینہ میں پارا نکلا

موت آتی ہی نہ تھی جان کو قربان کیا
وصل اُس کا مرے مرنے کا سہارا نکلا

کان ہیں میرے گنہگار سنا تھا میں نے
میکدہ سے کوئی اللہ کا پیارا نکلا

آگ بھر دی ہے محبت نے مری رگ رگ میں
میرا تو خون بھی دوزخ کا شرارا نکلا

میں فقط دل ہی پہ سمجھا تھا تمہارا قبضہ
خط تقدیر میں بھی نام تمہارا نکلا

بیکسی میری قیامت میں قیامت ہو گی
داور حشر اگر وہ ستم آرا نکلا

نہ دبا غیر سے باتوں میں بڑی بات رہی
گو وہ نازک ہے مگر دل کا کرارا نکلا

تیرا صدقہ ہے جو دنیا میں ہوا ہے مشہور
فتنۂ حشر ترے قد کا اتارا نکلا

اپنی زلفوں کے تصور کا اثر دیکھ لیا
میری آہوں کا دھواں عنبر سارا نکلا

چار غیروں میں تو **بیخود** اُسے بدنام نہ کر
پھر وہی نام تیرے منہ سے دوبارا نکلا

اجل کا خوف شب وصل یار میں بھی تھا
خزاں کا رنگ ہماری بہار میں بھی تھا

نصیب داغ جگر لالہ زار میں بھی تھا
فسردہ غنچۂ خاطر بہار میں بھی تھا

ملے وہ جھک کے مگر ہٹ کے دور جا بیٹھے
غرور و کبر وہاں انکسار میں بھی تھا

ترے کرم کے بھروسہ پہ زندگی گذری
ترے کرم کا بھروسہ مزار میں بھی تھا

ہجوم حسرت و ارماں و فور یاس و امید
فراق میں بھی رہا انتظار میں بھی تھا

نہ آیا تو تو قیامت کی ٹھوکریں کھائیں
مٹا ہوا کوئی تجھپر مزار میں بھی تھا

عجیب چیز ہے یادش بخیر درد ترا
کبھی یہ میرے دل بیقرار میں بھی تھا

قرار کب دل مشتاق دید کو آیا
اُدھر زمین سے پہلو مزار میں بھی تھا

اٹھا نہ کب مرے سیل سرشک سے طوفاں
یہی نصیب کا رونا بہار میں بھی تھا

ہمیں وفا سے نہ تھے شرمسار کچھہ دل میں
حجاب چشم تغافل شعار میں بھی تھا

اُنہیں خیال کچھہ اپنا نہ پاس کچھہ میرا
یہ بات بات پہ غصہ ہزار میں بھی تھا

ہر ایک پھول میں اُسکی جھلک نظر آئی
جمال یار کا پرتو بہار میں بھی تھا

جگہ ملی مجھے مر کر جوار رحمت میں
نسیم خلد کا جھونکا مزار میں بھی تھا

کیا جو قتل بھی اُس نے تو دم نہیں مارا
وہی سکوت کا عالم مزار میں بھی تھا

گرا جو آنکھ سے آنسو وہ بن گیا موتی
یہ ضبط گریہ بے اختیار میں بھی تھا

وہ دل کو لے کے یہ فرماتے ہیں دیا تو نے
یہ نامراد ترے اختیار میں بھی تھا

کسی کے قہر میں بھی تھی لحاظ کی شرکت
عتاب کچھہ نگہ شرمسار میں بھی تھا

یہ جور تم نے کیا تھا کرم نما کیسا
حساب میں بھی نہ تھا پھر شمار میں بھی تھا

نہ تھا جوانی و پیری میں فرق کچھہ بیخود
یہاں تو نشۂ غفلت خمار میں بھی تھا

مے پلا کر آپ کا کیا جائے گا
جائیگا ایمان جس کا جائے گا

میرے گھر تک اُن سے آیا جائے گا
درد دل کیونکر خدایا جائے گا

دیکھکر مجھکو وہ شرما جائے گا
یہ تماشا کس سے دیکھا جائے گا

جلوہ اُس کا خود نظر آجائے گا
دل سے جب اپنا پرایا جائے گا

روز لڑتا مجھکو کیا معلوم تھا
منتوں سے یوں منایا جائے گا

موت سے رہتا ہی دل کھٹکا ہوا
دیکھئے کس دن یہ کھٹکا جائے گا

جاؤں بتخانہ سے کیا کعبہ کو میں
ہاتھ سے یہ بھی ٹھکانا جائے گا

رہنے بھی دو دل ابھی کہتے ہیں وہ
ایسی کیا جلدی ہے دیکھا جائے گا

بات بھی اس ڈر سے ہم کرتے نہیں
وہ ہمارا مدعا پا جائے گا

پی بھی لے دو گھونٹ زاہد پی بھی لے
میکدہ سے تو پیاسا جائے گا

وعدہ دیدار کی مدت ہو کم
حشر تک ہم سے نہ جاگا جائے گا

قتل کی دی اُس نے جب دھمکی مجھے
کہدیا میں نے بھی دیکھا جائے گا

بوسہ دیکر جان کے طالب ہیں وہ
اب کوئی اُن کا تقاضا جائے گا

دیکھنا اُس کا قیامت ہو گیا
کیا خبر تھی ہم کو دل آجائے گا

داغ الفت کی چمک مٹتی نہیں
قبر تک اِس کا اجالا جائے گا

یہ سمجھ کر گالیاں دیتے ہیں وہ
بھولی صورت پر پیار آجائے گا

دخت رز کو منہ لگاتا ہی نہ تھا
اب کہیں **بیخود** یہ چسکا جائے گا

Supplied by
Mirza Law House
ETAWAH

دونوں طرف نظر کا اثر ایک سا ہوا
میں گر پڑا وہ دیکھ رہا ہے جھکا ہوا

دھرا رہا تھا میں تو عدو کا کہا ہوا
اُلٹے وہ مجھسے روٹھ گئے فیصلا ہوا

جھجکا نظر چرائی ڈرا یا خفا ہوا
کن شوخیوں سے وصل میں بوسہ عطا ہوا

میری تو ایک بات کا اتنا گلا ہوا
کچھ آپ کو بھی یاد ہے اپنا کہا ہوا

غصہ ہے بات بات پہ کیا خاک کچھ کہوں
کل تک تو یہ مزاج نہ تھا آج کیا ہوا

تیرے گلے کے ہار سے آئی وفا کی بو
پھولوں میں کوئی دل تو نہیں ہو گندھا ہوا

یوں آپ مجھ سے وصل میں روٹھیں ہزار بار
میری خوشی سے رنج ہوا یہ بُرا ہوا

ہے دل کے ساتھ دل کی تمنا کا خاتمہ
چھوڑے گی تیغِ یار نہ تسمہ لگا ہوا

باہم ہنسی مذاق میں کیا کام رنج کا
بھولے سے کہدیا جو کوئی لفظ کیا ہوا

جب دیکھتے ہیں آپ کن انکھیوں سے غیر کو
کہدیتی ہے نگاہ نشانہ خطا ہوا

اے چارہ ساز یہ تو بتا اس کا کیا علاج
آنسو تھمے تو درد جگر میں سوا ہوا

جھیلے سہے اٹھائے وہ صدمے فراق میں
ناخن سے گوشت گوشت سے ناخن جدا ہوا

ہستی کا اپنی وہم بھی دل سے مٹا دیا
جب جا کے آشنا کوئی نا آشنا ہوا

چٹکی بھی دل میں لیتے ہیں پھر پوچھتے بھی ہیں
فرمایئے بتایئے کہدیجے کیا ہوا

کوئی تو بیکسی میں ہو پرسانِ حال بھی
اُن کو ملال ہے تو قیامت کو کیا ہوا

دنیا سے ہاتھ اٹھا کے اٹھائی ہیں ہم نے ہاتھ
مر جائیں گے جو تیرِ دعا نارسا ہوا

حسرت کو غم کو رنج کو کب تک رکھیں عزیز
یہ ہم سے پھیر لیجیے اپنا دیا ہوا

مشکل ہے التفات ادھر ہو اُدھر نہ ہو
بیٹھا ہے غیر بھی تو برابر لگا ہوا

میں صلح کل ہوں مجھکو عداوت سے واسطہ
دشمن تو مدعی کا مرا مدعا ہوا

یہ کہکے اپنی بزم سے دشمن کو ٹالیے
آیا تھا کوئی شخص تجھے پوچھتا ہوا

مجھکو تو بزم یار بھی خلوت سے کم نہیں
مدفن میں اپنی خاک سے آئی صدا مجھے

بیٹھا ہوں دور سب کی نظر سے بچا ہوا
میں نقش پائے یار ہوں لیکن مٹا ہوا

بیخود کو اب نصیب کہاں بادۂ طرب
برسوں میں مل گیا کوئی ساغر تو کیا ہوا

قیامت تک تو اب صدمہ بچھڑنے کا نہیں جاتا
اکیلا بزم دشمن میں اُسے چھوڑا نہیں جاتا
بھری محفل میں ہوتا ہی تماشا رقص بسمل کا
پڑے گی آنکھ بھی اچھوں پہ واعظ عشق بھی ہوگا
ذرا چتون پہ بل آیا کہ ہم سمجھے اجل آئی
ستم ڈھائیگا دل لیکر بھلا کیونکر یقیں آئے
ہزاروں مٹ گئے لاکھوں چلے ناکام دنیا سے
تجلی ہوش کھو دیتی ہی موسےٰ کیطرح اپنے
دئے ہیں کیسے کیسے امتحاں اک مرنے والے نے
وہ اپنے گھر سدھارے صبر و طاقت ہوگئے رخصت
نہ ہو کافر اگر ای جذب دل ہوتا اثر تجھ میں
تمنا قتل کی۔ ارمان تیرا۔ شوق جنت کا
جدائی شاق ہی ایسی تری تصویر کو تیری
وہ جب قائل ہوئے غصہ میں بھر کر مجھ سے فرمایا
اجل یوں کیا جدائی میں نہیں آتی نہیں آتی

ہماری جان جاتی ہو دل شیدا نہیں جاتا
چھپا کر لیچلا ہوں دل میں میں تنہا نہیں جاتا
جدہر وہ دیکھ لیتے ہیں ادہر دیکھا نہیں جاتا
نظر روکی نہیں جاتی ہی دل باندھا نہیں جاتا
ہمیں تو وصل میں بھی موت کا کھٹکا نہیں جاتا
کسی کی بھولی صورت سے تو یہ پایا نہیں جاتا
جفا تیری نہیں مٹتی ستم تیرا نہیں جاتا
وہ جب بے پردہ ہوتے ہیں تو پھر دیکھا نہیں جاتا
مگر اب تک تمہارا ہیو فا کہنا نہیں جاتا
گئے سب جانیوالے درد ہی دل کا نہیں جاتا
اُسے تو ہے نہیں آتا وہ اب تک آ نہیں جاتا
ہمارے ساتھ دنیا سے کوئی اپنا نہیں جاتا
کہ ظاہر میں تو اچھی ہے مگر بولا نہیں جاتا
کہ اس جھوٹی زباں کو کاٹ کر پھینکا نہیں جاتا
مناتے بھی تو کیا وہ گھر نہیں جاتا نہیں جاتا

غشی سے ہوا افاقت بھی تو آنکھیں بند کر لیتے ہیں
ہمارا حال خود ہم سے بھی اب دیکھا نہیں جاتا

منا لو چل کے بیخود کو نہیں وہ جان کھووے گا
بُری حالت میں ہے کمبخت پہچانا نہیں جاتا

گناہ کرنے میں اکثر قصور میں نے کیا
بڑا گناہ یہ ربِ غفور میں نے کیا

سلوک غیر سے اتنا ضرور میں نے کیا
کہ اُس پہ تھوپ دیا جو قصور میں نے کیا

جتا جتا کے تری خوبیاں بگاڑی خو
تجھے تو حسن کے نشہ میں چور میں نے کیا

یہاں تو دم پہ بنا دی ہے رشک دشمن نے
وہ جانتے ہیں اسے ناصبور میں نے کیا

ہر ایک ذرے میں سو سو تجلیاں دیکھیں
جلا کے خاک تجھے کوہِ طور میں نے کیا

کسی کے عشق کو الزام دے بلا تیری
تجھے تو خوار دلِ ناصبور میں نے کیا

نگاہ غیر کی جانب خطاب ہی مجھ سے
تری قسم کا یقیں اب ضرور میں نے کیا

عدو سے راز کہا مجھ سے چپ رہا نہ گیا
یہ چوک تم سے ہوئی یہ قصور میں نے کیا

وہ صبح سوتے سے اُٹھے تو بدگماں اُٹھے
کبھی جو خواب میں بھی ذکرِ حور میں نے کیا

فلک کے شکوہ پہ کس رشک سے کہا اُس نے
ذلیل و خوار تجھے اب کے دور میں نے کیا

جفائیں تم نے تو کیں تم نے تو غضب ڈھائے
اب اس سے کیا نہ کیا یا قصور میں نے کیا

لگاؤ آگ مرے دل میں تم خدا نہ کرے
مچل مچل کے اسے ناصبور میں نے کیا

یہاں تو تاب نہ تھی غم سے لب ہلانے کی
وہ خامشی سے یہ سمجھے غرور میں نے کیا

کہیں سراغ نہ پایا کہیں پتا نہ ملا
تلاش اُنکو بہت دور دور میں نے کیا

مٹائی داغِ محبت نے تیرگی دل کی
اس آفتاب سے سایہ کو نور میں نے کیا

عدو کی بزم میں بیخود نہ چھیڑنا تھا انہیں
جو پوچھیے تو بڑا یہ قصور میں نے کیا

کبھی خون جگر پایا کبھی لخت جگر پایا
غم الفت نے اِس گہر سے وظیفہ عمر بہر پایا

خزاں آتے ہی گلشن کو بہ انداز دگر پایا
لگا کر گل سے دل کو تونے بلبل کیا ثمر پایا

اشارے بھی ہوئے آپس میں نظریں بھی لڑیں باہم
تری تصویر کو تجھہ سے بھی ہمنے شوخ تر پایا

گئے ناکام دنیا سے ہزاروں ڈھونڈنیوالے
وہ کب پایا کسے پایا کہاں پایا کدہر پایا

عدو کے حال کی تفتیش ہمدم ہم نہیں کرتے
فقط اتنا بتا دے ہم کو اُس کا رُخ کدہر پایا

نئی یہ بات دیکھی ہم نے اُسکے رازداروں میں
جنہیں آگاہ کچھہ سمجھا انہیں کو بے خبر پایا

نہ دیکھا چشم گردوں نے بھی ایسا چاند سا چہرہ
بلا کا حُسن کچھہ تونے تو اے رشک قمر پایا

مری بربادیاں اکثر رہیں مدِ نظر تجھکو
مری خانہ خرابی نے تری آنکھوں میں گھر پایا

اُدہر سے کوئی آئے پوچھ لینا فرض ہی ہمکو
کہیں جاتا ہوا تم کو ہمارا نامہ بر پایا

اُسے دشمن کی چاہت بدگمانی ہو تری قاصد
جواب صاف جس کے مُنہ سے ہمنے عمر بھر پایا

ہزاروں خوبیوں کیساتھ تجھ میں یہ برائی ہی
ترے وعدوں کو جھوٹا ہمنے ظالم بیشتر پایا

لڑائی آنکھ کیا اُن سے صفائی ہوگئی سب کی
نہ دل پہلو میں پھر نکلا نہ سینہ میں جگر پایا

وفا بھی جرم ٹھیری قدر دانی اسکو کہتے ہیں
یہی اس کا صلا تہا بندہ پرور ہمنے بھر پایا

مٹائے سے کوئی مٹتا ہی قسمت کا لکھا بیخود
دُعا ہو یا بکا ہم نے تو سب کو بے اثر پایا

بیاں ہم سے تو اپنا حال پورا ہو نہیں سکتا
کہے گا اُس سے قاصد وہ سنے گا ہو نہیں سکتا

ہوا جو وقف غم وہ دل کسی کا ہو نہیں سکتا
تمہارا بن نہیں سکتا ہمارا ہو نہیں سکتا

غلط ہی افترا ہے جھوٹ ہی بے اصل ہی قاصد
کسی کا خط مری قسمت کا لکھا ہو نہیں سکتا

سنا پہلے تو خواب وعمل پھر ارشاد فرمایا
ترے رسوا کئے سے کوئی رسوا ہو نہیں سکتا

تمنا میں ہے دل یا تمنا آپ کے دل میں
ہمارے فیصلہ سے طے یہ جھگڑا ہو نہیں سکتا

وفا کا امتحاں دوگے ہٹو جاؤ چلو بیٹھو
تمہارے جھوٹے وعدے کی سند کیا ہو نہیں سکتا

دعائے وصل سے ہم ہاتھ کھینچیں یہ نہیں ممکن
کہے جائیں زباں سے آپ ایسا ہو نہیں سکتا

لگاوٹ اُس کی نظروں میں بناوٹ اُس کی باتوں میں
سہارا مٹ نہیں سکتا بھروسا ہو نہیں سکتا

تسلی دردمندوں کو ستمگر دے نہیں سکتے
لب پیماں شکن تیرا مسیحا ہو نہیں سکتا

جوانی ساتھ لیکر آئی ہے شرم و نزاکت کو
تیری رفتار سے اب حشر برپا ہو نہیں سکتا

اجازت ہو ہماری بندگی لیجے ہمیں رخصت
ملا کر دل اگر ملنا گوارا ہو نہیں سکتا

بگڑ کر منہ بنا کر ذکر لیلے پر وہ کہتے ہیں
بشر دنیا میں کوئی ہم سے اچھا ہو نہیں سکتا

مجھے اُس کی طلب زاہد تجھے جنت کی خواہش ہی
مثال داغ دل ہاتھے کا گٹا ہو نہیں سکتا

دعائیں جس قدر دی ہیں وہ قیمت تھی نگاہوں کی
گران پیار کی باتوں کا بدلا ہو نہیں سکتا

عدو جھوٹا ہے ہم جھوٹے ہیں نیچی نظر جھوٹی
تمہارے سامنے کوئی بھی سچا ہو نہیں سکتا

خیال غیر کو دل میں مقید کر کے رکھا ہے
رہیں ہم آپ کی فرقت میں تنہا ہو نہیں سکتا

تمنا میں تری مٹ جائے دل ہاں یہ تو ممکن ہے
مرے دل سے مٹے تیری تمنا ہو نہیں سکتا

نکل کر آپ پردے سے ذرا باہر تو آجائیں
قیامت ہیں جو کل ہوگا وہ اب کیا ہو نہیں سکتا

وفا کے عہد و پیماں سے پھریں ہم پھر نہیں سکتے
تمہیں قول و قسم کا پاس ہوگا۔ ہو نہیں سکتا

نہ فرصت ہے نہ راحت ہے نہ بیخود وہ طبیعت ہے
غزل کیا خاک لکھیں شعر اچھا ہو نہیں سکتا

سر گرا ضعف سے قابو سے چلا دل اپنا
آپ کے کوچے میں تھما ہو امشکل اپنا

جلوہ دیکھے کوئی اب حور شمائل اپنا
آئینہ بن گیا جب صاف ہوا دل اپنا

آئینہ دیکھ کے لڑتے ہیں لڑکپن دیکھو — اپنے ہی عکس کو سمجھے ہیں مقابل اپنا

کبھی کچھ پیار کی باتیں کبھی کچھ ذکر وفا — اپنا معشوق ہے فرقت میں ترا دل اپنا

ناز و انداز زمانے کے اڑائے تو نے — اک نہ اک ان میں نکل آتا ہے قاتل اپنا

کر گئے چال قیامت کی قیامت ہیں یہ ہم — کر لیا غیر کو فریاد میں شامل اپنا

اب نہ وہ جوش تمنا ہے نہ وہ شوق وصال — تو نے اے عہد شکن توڑ دیا دل اپنا

اک جھلک داغ جگر کی جو دکھا دیں کبھی ہم — اس طرف منہ نہ کرے پھر مہ کامل اپنا

ہاتھ لا خوب کہی نفس کشی کی زاہد — مجھکو سودا نہیں نچاؤں جو قاتل اپنا

سرمگیں چشم میں ظالم غضب آلودہ نگاہ — کر لیا فتنہ کو اس فتنہ نے شامل اپنا

دم نکلتے ہی ہوئے حسرت و ارماں رخصت — قافلہ لٹنے لگا پہلی ہی منزل اپنا

جب پڑی روز ازل جور و جفا کی بنیاد — ظلم و بیداد کے سہنے کو بنا دل اپنا

سچ کہا ہے نہیں ہوتا کوئی بگڑی کا شریک — سانس بھی ہجر میں آتا ہے بمشکل اپنا

ہمتو خود چاہتے ہیں یہ کہ نچاہیں تجھکو — مانتا ہی نہیں سنتا ہی نہیں دل اپنا

کچھ خوشامد بھی ہے کچھ ظلم کا اندیشہ بھی — کبھی اس شوخ کا بنتا ہے کبھی دل اپنا

کر گئی ناقہ میں بیتابیٔ مجنوں تاثیر — دل سنبھالے رہے اب لیلی محمل اپنا

خوب ہی ان کو لیا بزم میں آڑے ہاتھوں — ہو گیا آج تو میں آپ بھی قائل اپنا

ترچھی ترچھی وہ نگاہیں وہ ادائیں بانکی — دیکھتے ہی نہیں بس لوٹ گیا دل اپنا

فرد ہے ایک ہے بے مثل ہے یکتا ہے وہ شوخ — جسکا ہر ناز ہے ہر انداز ہے قاتل اپنا

آپ کے سر کی قسم ہم ہیں وفا کے بندے — آپ فرمائیں تو آنکھوں سے دیں دل اپنا

ہم کو دشمن کی بھی ایذا سے ہے ایذا بیخود — صاحب درد ہے بیدرد نہیں دل اپنا

تم ہمارے دل شیدا کو نہیں جانتے کیا
اور غیروں کی تمنا کو نہیں جانتے کیا

آپ طول شب یلدا کو نہیں جانتے کیا
میری تکلیف کو ایذا کو نہیں جانتے کیا

ایسے بھولے نہیں وہ ایسے بھی نادان نہیں
ٹھنے والے کی تمنا کو نہیں جانتے کیا

ہم کو انداز تجاہل میں مزا آتا ہے
ورنہ ہم آپ کی اس کیا کو نہیں جانتے کیا

کہیں ہوتا بھی ہے جان بخش لب عہد شکن
تیرے اس جھوٹے مسیحا کو نہیں جانتے کیا

حرف مطلب سے وہ آگاہ نہیں جھوٹ ہے یہ
دل میں ہیں دل کی تمنا کو نہیں جانتے کیا

بوسہ لیتے ہوئے کیوں جان نہ نکلے اپنی
آپ کے نقش کف پا کو نہیں جانتے کیا

سرو اس طرح سے گلشن میں اکڑتے کیوں ہیں
یہ تمہارے قد زیبا کو نہیں جانتے کیا

پہلے دل تھام لو پھر آئینہ تم ہاتھ میں لو
اپنے حسن رخ زیبا کو نہیں جانتے کیا

کل کا وعدہ تو قیامت کا پتا دیتا ہے
ہم ترے وعدۂ فردا کو نہیں جانتے کیا

آنکھ سے آنکھ ملا کر بھی تغافل کیا خوب
اس اشارے کو اس ایما کو نہیں جانتے کیا

کر نہ دیں اس کو مکدر کہیں آہیں **بیخود**
آپ اس آئینہ سیما کو نہیں جانتے کیا

غیر سے ملکر بگڑ جانے کا خوگر ہو گیا
کیا مزاج یار بھی میرا مقدر ہو گیا

جو نہ ہوتا عمر بھر دشمن سے پھر کر ہو گیا
اے نگاہ یار اب دل میں ترا گھر ہو گیا

ٹوٹنے سے اور پیدا دل میں جوہر ہو گیا
قیمتی شیشہ ہمارا بال پڑ کر ہو گیا

دوست دشمن بن گیا دل بر ستمگر ہو گیا
ہر اشارہ غیر کی محفل میں خنجر ہو گیا

کیا اسی کا نام الفت ہے کہ جب دیکھا اسے
خود بخود اک جوش پیدا دل کے اندر ہو گیا

کیا غضب ڈھائے ہیں آتے ہی جوانی نے تری
دل بھی پتھر ہو گیا سینہ بھی پتھر ہو گیا

دوستی کا آپ کو برتاؤ کیا آتا نہیں
یہ ہمارے ساتھ بھی بھولے سے اکثر ہو گیا

رو چکے بس غیر کو اپنی طرف بھی دیکھیے
دشمنوں کا حال کیا غم سے پنجر ہو گیا

اس گرانبار محبت کو سبکدوشی کہاں
اُس نے مارا غیر کو احسان مجھ پر ہو گیا

ہے سوال وصل کچھ اُلجھا ہوا مضموں نہیں
سوچتے ہی سوچتے تم کو پہر بھر ہو گیا

ناپ لیجیے اپنے گیسو کی درازی قد سے آپ
اٹھو یہ فتنہ قیامت کے برابر ہو گیا

عمر بھر کے واسطے کچھ صبر کا ٹھیکہ نہیں
مجھ سے تو یہ بھی غنیمت ہی جو دم بھر ہو گیا

لوگ کرتے ہیں بسر فرقت میں کیونکر زندگی
ایک دن بھی کاٹنا ہم کو تو دوبھر ہو گیا

اے نگاہ حسرت آگیں تو نے کیا جادو کیا
تھام کر ہاتھوں سے دل وہ شوخ مضطر ہو گیا

ایسے ہی تو صاف دل ہو کیوں بناتے ہو مجھے
غیر نے جو کہدیا وہ تم کو باور ہو گیا

وضع کا پابند ہو اُس کی بلا کو کیا غرض
دو گھڑی کے بعد ہر انداز دوبھر ہو گیا

آپ کی اُلفت کہاں دشمن کا اتنا دل کہاں
یہ تو مجھ سے ہی قصور اے بندہ پرور ہو گیا

آنکھ کہتی ہے کہ اب برباد کرتے ہیں تجھے
مُنہ سے یہ ارشاد ہی دل میں تیر اُگھر ہو گیا

کر لیا رندوں نے اُس کو بھی مسلماں کر لیا
آج **بیخود** بھی شریک دور ساغر ہو گیا

جب یہ کہا کہ ہم نے تمہارا ادب کیا
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بولے غضب کیا

وعدہ پر آپ آ گئے یہ کیا غضب کیا
احسان جو کبھی نہ کیا تھا وہ اب کیا

قاصد کا کیا قصور جو چپ سادھ لے کوئی
جو کچھ پڑھا دیا تھا ادا اُس نے سب کیا

چھٹ کے جو اُن کو راز محبت جتا دیا
بھولے جو اُن سے شکوۂ رنج و تعب کیا

دل ہم کو دیجیے یہ تمہارا سوال تھا
ہمنے خدا کے واسطے اقرار کب کیا

طاعت ہی کیا مری وہ عبادت ہی کیا مری
میں جانتا ہوں تو نے کرم بے سبب کیا

قسمت کو ہم تو روتے ہیں روئینگے عمر بھر
دشمن کا شکوہ کس نے کیا تم سے کب کیا

اے دل اگر وہ شوخ قیامت میں بھی ملے
یہ جاننا کہ وعدہ وفا اُس نے اب کیا

واعظ نے پہلے زہر یہ اُگلا نہ تھا کبھی
کیا زہر مار ساغر بنت العنب کیا

دل کانپتا ہے یار سے ملتی ہے جب نگاہ
میں جانتا ہوں وار کوئی اُس نے اب کیا

درباں کی یہ مجال کہ یوں روک لے ہمیں
ہمنے تمہارا پاس تمہارا ادب کیا

اعجاز لب میں آپ کے جادو شریک ہو
دشمن کو زندہ کرکے مجھے جاں بلب کیا

تیری عطا کا تیری عنایت کا کیا شمار
تو نے وہی دیا ہے جو ہمنے طلب کیا

بیخود کہیں خلل تو نہیں ہے دماغ میں
آپ اور پہلے عذر جفا اُس نے جب کیا

کیوں پریشاں اس قدر دل ہو گیا
سوچتا ہوں کس پہ مائل ہو گیا

حُسن میں جب ناز شامل ہو گیا
ایک پیدا اور قاتل ہو گیا

تھا بہت نادر مرا حرف سوال
وعدہ کرنا اُن کو مشکل ہو گیا

میرے سینہ سے نکلتا ہی نہیں
ناوک سفاک بھی دل ہو گیا

سامنے سے اب نہیں ہٹتا کبھی
آئینہ بھی اُس پہ مائل ہو گیا

کہتے ہیں عاشق نہیں گر کچھ کہے
بات کا کرنا بھی مشکل ہو گیا

قید ہے زنداں میں ضبط عشق کی
نالہ پابند سلاسل ہو گیا

تھی نگاہ حسرت آلودہ غضب
میں تو بے بسمل سے بسمل ہو گیا

عشق سے پہلے نہ تھا میں بے خبر
آنکھ لگ جانے سے غافل ہو گیا

اُن سے نازک پر نہ رحم آیا اسے — سخت کیسا وصل میں دل ہو گیا

چاہنے والوں میں اُسکے دہوم ہے
ہم میں **بیخود** بھی شامل ہو گیا

ہر وقت مزاج اُن کا ہم نے تو نیا دیکھا — دنیا سے الگ پایا عالم سے جدا دیکھا

شرمانے میں ظالم کے شوخی کا مزا دیکھا — خالی نہ شرارت سے انداز حیا دیکھا

فریاد جو کی میں نے دل تھام کے ہو بیٹھے — عاشق کے ستانے کا کچھ تم نے مزا دیکھا

پہلے تو میرے آگے بے پردہ چلے آنا — منہ پھیر کے پھر کہنا کچھ کیئے تو کیا دیکھا

جب صاف کیا دل کو عکس اُس کا نظر آیا — اس آئینہ کو ہم نے تصویر نما دیکھا

الفت اسے کہتے ہیں یہ جذب محبت ہے — بے آئے مرے گھر میں تو رہ نہ سکا دیکھا

اس پر بھی نہ رحم آیا اُس کو بھی غلط جانا — حالت بھی دکھا دیکھی قصہ بھی سُنا دیکھا

کیوں پھر تو نہ پوچھو گے کچھ حال جدائی کا — افسانۂ غم سُنکر رونا ہی پڑا۔ دیکھا

مطلب ہی نہیں کھلتا ہر لفظ ہے بے معنی — خط آپ کا کیا دیکھا قسمت کا لکھا دیکھا

سب اُسکے ہوئے ساتھی اپنا نہ ہوا کوئی — دُنیا میں بھی آ دیکھا محشر میں بھی جا دیکھا

کیوں خیر تو ہے **بیخود** کس فکر میں بیٹھا ہے
ایسا نہ کبھی تجھکو اے مرد خدا دیکھا

ہر ایک حسیں دیکھا ہر ماہ لقا دیکھا — انداز مگر سب سے کچھ تیرا جدا دیکھا

کیوں حضرت دل اُس پر مرنے کا مزا دیکھا — آغاز ستم دیکھا انجام وفا دیکھا

کچھ اُن کی تسلی سے تسکیں نہ ہوئی دل کی — درد اور سوا پایا غم اور سوا دیکھا

ناکامئ عاشق نے مقتل میں کھلایا گل — چاہا تھا جو کچھ تم نے وہ بھی نہ ہوا دیکھا

میں نزع میں ہوں کل سے لی تمنے خبر جبھی
آئے بھی تو کیا آئے دیکھا بھی تو کیا دیکھا

تجھپر نہ کریں نالے تاثیر تو حیرت ہے
بیٹھوں کو اٹھا دیکھا سوتوں کو جگا دیکھا

پھر اپنی طبیعت کا زاہد ہے خدا حافظ
کعبہ میں کسی بت کو گرجا وہ نما دیکھا

جب آنکھ پڑی اپنی اک بات نئی پائی
ان دیکھنے والوں نے تجھکو ابھی کیا دیکھا

پیتا ہے خدا جانے دن رات میں یہ کتنی
میخانہ کے در پر ہی **بیخود** کو پڑا دیکھا

کون سا ظلم اُس کا اے شور فغاں باقی رہا
تو ہی جانے گا اگر اب آسماں باقی رہا

اب زمانے میں نہ کوئی خستہ جاں باقی رہا
ہو چکا یا اور بھی کچھ امتحاں باقی رہا

ہم نے کیوں پوچھا ستم باقی رہا کچھ اور بھی
اُن کو کہنا ہی پڑا مجبور ہاں باقی رہا

صاف میدان کرکے قاتل پھر بھی ہے برہم مزاج
اس صفائی پر بھی رنجش کا گماں باقی رہا

خوب گلشن کو کیا آراستہ صیاد نے
دیکھنے کو بھی نہ کوئی آشیاں باقی رہا

جان لیکر بھی وہ کہتے ہیں غضب تو دیکھئے
بیوفائی کا ابھی تجھپر گماں باقی رہا

ہم تو بچنے کے نہیں اب تم کمی کرتے ہو کیوں
ہو چکے وہ بھی کہیں جو امتحاں باقی رہا

آج یہ کہکر مرے قاتل نے کھینچی تیغ تیز
تجھسے سمجھوں گا جو کوئی سخت جاں باقی رہا

دل میں جو کچھ تھا ہمارے آپ سب کہدیا
اب فقط کہنے ہی کو راز نہاں باقی رہا

اک ہماری سخت جانی نے کئے کیا کیا ستم
وہ تھکے شمشیر ٹوٹی امتحاں باقی رہا

لوگ کہتے ہیں یہاں پہلے کسی کی قبر تھی
مٹ مٹا کر بھی مرا اتنا نشاں باقی رہا

اب کسو تا کیں کسے جھانکیں جوانی ڈھل گئی
وہ دلِ پُر آرزو **بیخود** کہاں باقی رہا

تری گلی میں ہمیں دن تمام کرلینا
قدم قدم پہ ٹھہرنا مقام کرلینا

ہماری آنکھوں میں پھرنے سے تم جو تھا ب خفا
یہ دل بھی گھر ہے تمہارا قیام کرلینا

بگاڑ میں بھی تو انداز ہے لگاوٹ کا
نظر چرا کے وہ اُن کا سلام کرلینا

گئے وہ صبح شب وصل مجھ سے یہ کہکر
مرے خیال میں رو رو کے شام کرلینا

ہمیں نے تم کو سکھایا ہمیں سے سیکھے ہو
یہ بات بات میں کچھ اپنا کام کرلینا

دل رمیدہ ہوا وہ ہوئے یہ چرخ ہوا
ہنسی نہیں ہے کچھ ان سب کا رام کرلینا

شراب پینے میں عذر نماز کیا زاہد
پڑا ہے وقت بہت یہ بھی کام کرلینا

ہمارا خط انہیں دینا پیام بر پیچھے
ادا زبان سے پہلے پیام کرلینا

ملا کے خاک میں مجھکو فلک ہوا بدنام
نشاں مٹا کے مرا تم بھی نام کرلینا

دیا جواب یہ اُس بُت نے آرزو کا مجھے
خدا سے طور پہ جاکر کلام کرلینا

سنبھال لینگے دل مضطرب کو ہم اپنے
نگاہ شوخ کی تم روک تھام کرلینا

رہے نہ حضرت بیخود کبھی بغیر پیئے
گرہ میں دام نہ نکلیں تو وام کرلینا

کیوں سنیں حال اہل مطلب کا
جانتے ہیں وہ مدعا سب کا

دوست دشمن پہ کچھ نہیں موقوف
اک زمانہ ہے اپنے مطلب کا

بزم عشاق میں تغافل کیا
اک نظر میں ہے فیصلہ سب کا

شکوۂ جور پر کہا اُس نے
ذکر کرتے ہیں آپ یہ کب کا

دل کے لینے میں ہم کو عذر نہیں
آدمی مل گیا اگر ڈھب کا

کیوں کسی پر کسی کو رشک آئے
ایک سا حال ہو اگر سب کا

آج بنتی ہے دم پہ کیا دیکھیں
وعدہ اُن سے ہوا ہے پھر شب کا

سحر بابل جو ہو گیا مشہور
چٹکلا تھا یہ اک ترے لب کا

جو گذر جائے دم غنیمت ہے
حال کیا پوچھتے ہو تم اب کا

آئینہ دیکھنا نہ آتا تھا
کشتۂ ناز ہوں ترا جب کا

عیب پوشی اُسی کو زیبا ہے
نام ستّار ہے مرے رب کا

کل قیامت بھی آنے والی ہے
کیجئے آج فیصلہ سب کا

اپنے معشوق کو خدا سمجھے
ذکر کیا عاشقوں کے مذہب کا

ہے جو ہجو کو دعوئے اسلام
کیا یقیں آئے رند مشرب کا

معشوق ہمیں بات کا پورا نہیں ملتا
دل جس سے ملائیں کوئی ایسا نہیں ملتا

دنیا میں اگر ڈھونڈیئے تو کیا نہیں ملتا
سب ملتے ہیں اک چاہنے والا نہیں ملتا

عشاق سے یوں آنکھ تمہاری نہیں ملتی
اغیار سے دل جیسے ہمارا نہیں ملتا

رہتی ہے کسر ایک نہ اک بات کی سب میں
ہم کو تو ان اچھوں میں بھی اچھا نہیں ملتا

کچھ حال سُنے کچھ ہمیں تدبیر بتائے
غمخوار تو کیسا کوئی اتنا نہیں ملتا

کیا مفت میں تم دل کے خریدار بنے ہو
بے خرچ کئے دام یہ سودا نہیں ملتا

جب دیکھیئے ہمراہ ہے دشمن کا تصور
ہم سے تو وہ خلوت میں بھی تنہا نہیں ملتا

دل کوئی ملاتا نہیں ٹوٹے ہوئے دل سے
دنیا میں ہمیں جوڑ ہمارا نہیں ملتا

برباد کیا یاس نے یوں خانۂ دل کو
ڈھونڈے سے بھی اب داغ تمنا نہیں ملتا

جو بات ہے دنیا سے نرالی ہے نئی ہے
انداز کسی میں بھی تمہارا نہیں ملتا

آنکھیں کہے دیتی ہیں کہ دل صاف نہیں ہے — ملتا ہے وہ اس رنگ سے گویا نہیں ملتا

کہتے ہیں جلانے کو ہم اغیار کے منہ پر — ایسوں سے تو وہ رشک مسیحا نہیں ملتا

ظاہر میں ملاقات ہے باطن میں جدائی — تم ملتے ہو دل ہم سے تمہارا نہیں ملتا

افسوس تو یہ ہے کہ تمہیں قدر نہیں ہے — عاشق تو زمانے میں بھی ڈھونڈا نہیں ملتا

کہنا وہ شرارت سے ترا دل کو چرا کر — کیا ڈھونڈتے ہو ہم سے کہو کیا نہیں ملتا

بیخود نگہ لطف پہ ڈالے لیے دل کو — جو ملتا ہے سرکار سے تھوڑا نہیں ملتا

یہی نقشہ رہا کچھ دن اگر چشم ستمگر کا — نگاہ شرم بھی دینے لگے گی کام خنجر کا

یہ گردش ہے نصیبہ کی یہ چکر ہے مقدر کا — کسی کو یاد کیوں ہے نے لگا رستہ مری گھر کا

لہو پانی ہوا کیا کیا دل بیتاب و مضطر کا — مگر ارمان ابتک بھی نہ نکلا دیدۂ تر کا

بہت حسرت نصیبوں کا گلا کاٹا ہی قاتل نے — مجھے بھی دیکھنا ہی آج جوہر اس کے خنجر کا

نہ جھپکی ہے پلک اپنی قیامت تک نہ جھپکے گی — ترا زانو بھی بنجائے اگر تکیہ مرے سر کا

کبھی مجھسے بھی خلوت میں ہوا کرتی تھیں کچھ باتیں — کبھی مجھپر بھی لطف خاص تھا اک بندۂ پرور کا

شب وعدہ مرے پہلو میں کیوں بیقراری ہے — پڑا تم پر بھی پرچھانواں دل بیتاب و مضطر کا

جفا سے ہے کبھی عبرت وفا پر ہی کبھی حیرت — دکھا کر حال دل ہمنے بنایا اُن کو پتھر کا

تمہاری چال سے کچھ آج بوئے رشک آتی ہے — عدو سے پوچھکر آئے ہو کیا رستہ مری گھر کا

نکل سکتی نہیں آواز بھی اب دادخواہوں کی — کسی کی بیقراری نے مٹایا رنگ محشر کا

کہاں قاصد کدھر پیغام سر نامہ رساں کیسا — کبوتر بھی ملا تقدیر سے ہم کو تو بے پر کا

سماتا ہی نہیں جلوہ کوئی اپنی نگاہوں میں — تماشا جب سے دیکھا ہے کسی کے روزنِ در کا

تجسس اُن کو میری چوٹ پر دن رات رہتا ہے
کسی اچھے سے اچھے کا کسی بہتر سے بہتر کا

ابھی تقریرِ واعظ کا اثر ہوتا ہی رندوں پر
چلے ہمراہ دورِ جام کے گر ذکر کوثر کا

مزا دینے لگا ہی ہجر میں بھی وصل کا مجھکو
سما جانا نگاہوں میں کسی کے روئے انور کا

ادھر دل ہے ادھر پیکانِ تیرِ یار سینہ میں
یہ دشمن اور پیدا کر لیا ہم نے برابر کا

دکھایا چاہتی ہے اب مزا راہِ طلب مجھکو
قدم پیچھے کو کچھ پڑنے لگا ہی میرے رہبر کا

کیا ہے اُسنے وعدہ تو وفا بھی ہو ہی جائیگا
بدلتے ہی بدلتے رنگ بدلے گا مقدر کا

یہ شوخی تھی شرارت تھی کہ اُس کو وہم تہا کیا تہا
بٹھا کر مجھکو پہلو میں وہ دشمن کیطرف سر کا

مجھے انجام الفت پر نظر ہو بھی تو کیونکر ہو
نہیں معلوم بیخود آدمی کو حال دم بھر کا

دوں جگہ تیر کو سینہ میں مری جان ہی کیا
دل میں رہ کہوں جو اُسے آپکا ارمان ہی کیا

آپ کے دم میں جو آجائے وہ نادان ہی کیا
واقفِ راز ہی بیخود کوئی انجان ہی کیا

مجھکو جنت کا نمونہ تو دکھا دیں واعظ
جو زمانہ سے نرالا ہو وہ سامان ہی کیا

خون بہتا نہ ہو جس آنکھ سے وہ آنکھ نہیں
درد کی جسکو نہ لذت ہو وہ انسان ہی کیا

جس نے دیکھا ہو اُسے وہ بتا دے مجھکو
کیسی ترکیب ہے انداز ہی کیا شان ہی کیا

ہم نے اک بت کا جو انداز نرالا دیکھا
منہ سے بیساختہ نکلا کہ تری شان ہی کیا

بندگی کا بھی سلیقہ نہ ہو جس کافر کو
وہ خدائی کرے اللہ تری شان ہی کیا

غیر دبتا ہے دبے میری بلا دبتی ہے
میرے سر پر بھی کوئی آپکا احسان ہی کیا

اک ذرا میری طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھو
غیر سے بات نہ کی تم نے یہ بہتان ہی کیا

آپ کے وصل کا ارمان کسی کو ہوگا
میں تو واقف بھی نہیں اس سے کہ ارمان ہی کیا

ساتھ دل کا نہ چھٹے گا غم الفت سے کبھی
جان کی طرح سے یہ بھی کوئی مہمان ہو گیا

دست وحشت کو بھی آتی ہی عجب قطع و برید
خوشنما دیکھیے دامن میں گریبان ہو گیا

آپ پروانہ کے جلنے پہ نظر کرتے ہیں
شمع کو دیکھیے پروانے پہ قربان ہو گیا

اُن کی محفل میں جو **بیخود** کو کیا میں نے سلام
کس تعجب سے وہ بولے یہ مسلمان ہو گیا

اب مجھے عشق آپ کا نہ رہا
اس سے پہلے جو دل میں تھا نہ رہا

میرے پہلو میں تو ہی کیا نہ رہا
بیوفا دل کا بھی پتا نہ رہا

ذکرِ دشمن پہ کھوئے جاتے ہو
بات میں چھیڑ کا مزا نہ رہا

دلِ بیتاب نے کیا یہ خجل
کوئی پہلو جواب کا نہ رہا

داغ بنکر جو دل میں رہتا تھا
وہ کسی کا خیال تھا نہ رہا

جی قفس میں لگے لگے نہ لگے
اب ٹھکانا ہی دوسرا نہ رہا

دید کو چاہیے ہے دل کی آنکھ
کام کچھ اس نگاہ کا نہ رہا

کہتے ہیں مجھ سے پوچھکر مرنا
اب قضا کا بھی آسرا نہ رہا

دل میں تھی اک خلش تمنّا کی
وصل کے بعد وہ مزا نہ رہا

کیوں تمنا ہوئی اجل کی مجھے
کیا کوئی اور مدّعا نہ رہا

خوب بدلے ہو بزم دشمن میں
ڈھنگ ہی وہ نگاہ کا نہ رہا

کہیں دشمن کا سر نہ کاٹا ہو
آبِ خنجر میں وہ مزا نہ رہا

اُس کی شہرت ہوئی زمانے میں
حُسن پردہ میں بھی چھپا نہ رہا

جوش دیکھا شباب کا **بیخود**
چار دن بھی وہ اتقا نہ رہا

آپ سے ملنے میں جو کہچتا رہا / منتظر میں دل کے آنے کا رہا

دل میں چھپکر وہ ستم آرا رہا / حال میرا اب مجھسے بھی اخفا رہا

زندگی بہر عشق کا چسکا رہا / نام پر مرنے کے میں مرتا رہا

ہجر میں مانگی تھی مرنے کی دُعا / وصل کی شب موت کا کھٹکا رہا

رات بہر ناصح نے کہائے میری کان / منہ میں جو کچھ آگیا بکتا رہا

نزع میں بھی تہا اُسی کا انتظار / ہر طرف حیرت زدہ تکتا رہا

کینہ و بغض و حسد شرم و حیا / دیدہ و دل میں ترے کیا کیا رہا

عشق کی نا اتفاقی دیکھنا / مجھسے وہ میں غیر سے کھٹکا رہا

سختیاں دل نے نہ دیکھیں ہجر کی / خون ہو کر بہ گیا اچھا رہا

کی نہ تھی شوق شہادت نے کمی / ہاتھ قاتل کا ذرا اوچھا رہا

سامنے ہوتے تو کھُلتا راز عشق / اُن کے پردے میں مرا پردا رہا

بے حجابانہ وہ دل میں آ گئے / اب فقط آنکھوں ہی کا پردا رہا

ساتھ میرا کون دیتا راہ میں / مجھ سے پیچھے دو قدم سایا رہا

کچھ سُنا تمنے جو کچھ میں نے کہا / فیصلہ پھر کیا ہوا پھر کیا رہا

ہو چکی تعریفِ دشمن یا نہیں / کہہ چکے یا اور کچھ کہنا رہا

شُکریہ میری وفا کا وصل میں / کن اداؤں سے ادا ہوتا رہا

موت بیخود کی فسانہ ہو گئی / شہر میں برسوں یہی چرچا رہا

وعدہ جو برسوں کا تہا وہ آج ایفا ہو گیا / اب کسی سے کیا غرض مطلب ہمارا ہو گیا

دل جگر سب مٹ گئے اُن کی کدورت گیا مٹی
اس صفائی میں بھرے گھر کا صفایا ہو گیا

دل میں آجاؤ کہ ہے یہ گھر تو پردے کا مکاں
ہمنے آنکھیں بند کرلیں آؤ پردا ہو گیا

بوسہ دیکر وصل میں کس ناز سے کہتے ہیں وہ
اب خوشامد کس لئے جو تمنے چاہا ہو گیا

تھا بھروسہ مجھکو دل کا دو گھڑی کی بات ہے
دیکھکر اُس کو یہ ظالم بھی اسی کا ہو گیا

دوست کے دھوکے میں اُس نے دیدیا دشمن کو خط
نامہ بر ایسا مرا آنکھوں کا اندھا ہو گیا

پہلے تو مجھکو اشارے سے بلایا پھر کہا
خوش نہ ہونا اپنے جی میں مجھکو دھوکا ہو گیا

وہ عیادت کرکے اُٹھے تھے کہ نکلا دم مرا
وقت پر آئی اجل بیمار اچھا ہو گیا

کر دیا شوق شہادت نے مجھے ایسا لوٹ پوٹ
میرے مرجانیکا قاتل کو اچنبھا ہو گیا

اس طرح غش کھا کے کل میں اُنکی چوکھٹ پر گرا
وہ بھی گھبرا کر نکل آئے کہ یہ کیا ہو گیا

اُٹھ گیا دنیا سے تم سنتے ہی مرنا تھا مجھے
مفت میں بدنام اعجاز مسیحا ہو گیا

تمنے دیکھی ہو کسی میں تو بتا دو تم مجھے
اس زمانے میں وفا کا نام عنقا ہو گیا

مجھکو دشمن سے لڑا دینا تجھے اک کھیل تھا
دو گھڑی کے واسطے یہ بھی تماشا ہو گیا

پھیر کر خنجر مری گردن پہ یہ ارشاد ہے
اب تو حسرت مٹ گئی ارمان پورا ہو گیا

آج مجھکو مل گئی میری وفاداری کی داد
ان بتوں کے عہد میں انصاف میرا ہو گیا

وصل میں مجبور ہیں وہ کیا کریں ہم کیا کریں
ایک ارماں دل سے نکلا اور پیدا ہو گیا

عشق نے بھی اُس کے کیا کیا رنگ بدلے دیکھنا
اشک آنکھوں میں بنا دل میں تمنا ہو گیا

رشک بھی کیا چیز ہے وہ بدگمان ہونے لگے
اب اُنہیں بھی کچھ مری جانب سے کھٹکا ہو گیا

یادگار خلق ہے بیخود ہماری سرگذشت
چار دن کی زندگانی میں بھی کیا کیا ہو گیا

تیشے سے کوئی کام نہ فرہاد سے ہوا
جو کچھ ہوا وہ عشق کی امداد سے ہوا

ایجاد جو ستم ستم ایجاد سے ہوا
پورا ادا نہ خنجر فولاد سے ہوا

آنے تو دو اُسے کہیں آئے تو روز حشر
تم دیکھنا کہ کیا مری فریاد سے ہوا

نکلی ہے تیغ شوق شہادت کو دو نوید
نامہرباں وہ شکوہ بیداد سے ہوا

میری طرف جو زلف سے پھینکا نکال کر
ایسا قصور کیا دل ناشاد سے ہوا

اپنے خرامِ ناز کی اُن کو خبر نہیں
کہتے ہیں حشر تیری ہی فریاد سے ہوا

بے حکم یوں کسی کو ستاتا نہیں فلک
مجھ پر یہ ظلم آپ کے ارشاد سے ہوا

اب اُن کی بات بات پہ جاتی ہے میری جاں
جو لطف سے ہوا نہ وہ بیداد سے ہوا

اِس ظلم پر نباہ ہمارا ہی کام تھا
یہ قیس سے ہوا ہے نہ فرہاد سے ہوا

بیچین کرکے غیر کو تم کیوں خجل ہوئے
جو کچھ ہوا وہ میری ہی فریاد سے ہوا

کافر بھی اُس کی شان پر ایمان لائے ہیں
کس کس کو فیض حسنِ خداداد سے ہوا

جب آگیا خیال مجھے روزِ وصل کا
اک درد سا جگر میں تیری یاد سے ہوا

بیخود کی طرح کون تمہیں جان دے سکا
یہ کام عشق میں اُسی ناشاد سے ہوا

دل چُرا لے گئی دزدیدہ نظر دیکھ لیا
ہم نہ کہتے تھے کہ اِس چور نے گھر دیکھ لیا

بندہ پرور غمِ فرقت کا اثر دیکھ لیا
داغِ دل دیکھ لیا داغِ جگر دیکھ لیا

دم ہے باقی نہ تغافل کا گلا ہے باقی
قہر کی آنکھ سے یہ کس نے ادھر دیکھ لیا

قد بھی کم عمر بھی کم مشق ستم اور بھی کم
کر چکے قتل مجھے جائیے گھر دیکھ لیا

غیر کی بزم میں میری تو خبر کیا لوگے
ابھی اپنی بھی نہیں تم کو خبر دیکھ لیا

اپنی باتیں تو یہ گھبرائی ہوئی رہنے دو
یہ تو کہہ دو مرے نالوں کا اثر دیکھ لیا

وہ فقط میرے دکھانے کے لئے چھپتا تھا
میں نے بے پردہ اُنہیں غیر کے گھر دیکھ لیا

شکوہ کے ساتھ لگاوٹ بھی چلی جاتی ہے
جب کہا کچھ تو کنکھیوں سے ادھر دیکھ لیا

دادخواہوں پہ نئی حشر میں آفت آئی
صف کی صف لوٹ گئی اُسنے جدھر دیکھ لیا

وہ نظر آ گئے دامن پہ لہو کے دھبے
غیر کے قتل سے لے اور مکر دیکھ لیا

مانگ کر حضرتِ دل بات بھی کھوئی اپنی
نہ ہوا ساقیِ کمظرف خبر دیکھ لیا

قتل عشاق پہ لوا اور اُٹھاؤ خنجر
جھک گئی بارِ نزاکت سے کمر دیکھ لیا

نہ چھٹا تم سے یہ میخانہ کا رستہ بیخود
مُنہ چھپائے ہوئے جاتے ہو کدھر دیکھ لیا

حسب منشا غیر کے کیوں فیصلا ہونے لگا
حشر کے دن آپ جیسا کیوں خدا ہونے لگا

اک ستمگر سے جو اپنا سامنا ہونے لگا
حال دل کیا کیا نگاہوں میں ادا ہونے لگا

وصل کی شب وا جو وہ بند قبا ہونے لگا
اُس نے شرما کر کہا سنبھلو یہ کیا ہونے لگا

پھر وہ کہائیگی مزے مجھکو یہ نادانی مری
پھر کسی بدعہد سے عہدِ وفا ہونے لگا

بات بھی کرتا نہ تھا جب تک خفا مجھ سے رہا
مہرباں جب سے ہوا مجھ پر خفا ہونے لگا

اور بھی اک باوفا پر جان اب جانے لگی
لو مبارک ہو تمہارا ہی کہا ہونے لگا

کھینچکر خنجر وہ کہتے ہیں تمہیں دعویٰ ہے کیا
حشر سے پہلے ہمارا فیصلا ہونے لگا

جلوہ گر ہے عشق کے پردے میں حسن دلفریب
مجھکو دیکھا جس نے وہ اُس پر فدا ہونے لگا

وہ قسم کے بعد بھی شکوے سے باز آتے نہیں
چپکے چپکے مُنہ ہی مُنہ میں پھر گلا ہونے لگا

یاد آیا وصل کی شب کیا کوئی اُن کا ستم
لب تک آ کر حرف مطلب بھی گلا ہونے لگا

کیا بگاڑا ہے کسی نے اس دلِ بیتاب کا
کس لئے روزِ جزا روزِ جزا ہونے لگا

بھر گیا بابِ قبول ایسا مری فریاد سے
اب رقیبوں کا بھی نالہ نارسا ہونے لگا

وصل کا ارمان کیسا وصل کی کیسی خوشی
جب کوئی نظروں ہی نظروں میں خفا ہونے لگا

تھا فقط میرے دکھانے کے لئے شرم و لحاظ
رفتہ رفتہ سامنے وہ مہ لقا ہونے لگا

عاشقوں پر ظلم کرنا بھی تو کچھ آساں نہیں
خود ادھر سے اب تقاضائے جفا ہونے لگا

کچھ نہ کچھ تو دل کی بھی میری خطا ہوگی ضرور
بے سبب بیوجہ کوئی کیوں خفا ہونے لگا

تھا دکن کے ہر گلی کوچہ میں اک ماتم بپا
داغ کے قدموں سے جب **بیخود** جدا ہونے لگا

عیاں نگاہ سے رنج و ملال کس کا تھا
ابھی ابھی ترے دل میں خیال کس کا تھا

یہ نام **بیخود** آشفتہ حال کس کا تھا
یہ ذکر لب پہ ترے مہ جمال کس کا تھا

شبِ فراق میں چمکی ہے رات بھر بجلی
فلک پہ جلوہ فگن یہ جمال کس کا تھا

وہ یک بیک مری آواز سنکے چونک پڑے
خدا ہی جانے کہ دل میں خیال کس کا تھا

تمام عمر رہا آئینہ کو سکتا سا
یہ دل فریب الٰہی جمال کس کا تھا

نظر کہیں ہے مخاطب کسی سے ہیں دل میں
جواب کس کو ملا ہے سوال کس کا تھا

سمجھ لیا تھا تمہیں دل میں یہ وفا کس نے
بتا تو وہ سب مجھے تم یہ خیال کس کا تھا

عدو کے دھوکے میں آکر وہ مجھسے پوچھتے ہیں
فریب کس نے دیا تھا یہ جال کس کا تھا

یہ چال حشر کی کس نے تمہیں سکھائی تھی
قدم قدم پہ یہ دل پائمال کس کا تھا

چمک چمک کے دکھاتا رہا مجھے جلوے
یہ ذرے ذرے میں نور جمال کس کا تھا

وہ ہونٹ خشک وہ رخ پر عرق وہ دل پہ ہاتھ
عجیب حال یہ روزِ وصال کس کا تھا

وہ بوسے زلف میں اُلجھا ہوا جو دیکھا دل	ہمارے سر جو پڑا یہ وبال کس کا تھا
یہ کیا کہا کہ تجھے پہچانتے نہیں ہم تو	وہ اب سے دور بُرا اب میں حال کس کا تھا

ملا کے خاک میں سرمایۂ دلِ بیخود
وہ پوچھتے ہیں بتاؤ یہ مال کس کا تھا

اُن کے آگے دلِ ناشاد تجھے دیکھ لیا	میرے دشمن مرے جلاد تجھے دیکھ لیا
آنکھ کہتی ہے وفادار سمجھتے ہیں تجھے	مُنہ سے ہوتا ہے یہ ارشاد تجھے دیکھ لیا
اب تو یہ جی میں سمائی ہے وفا ترک کریں	خوب ہم نے ستم ایجاد تجھے دیکھ لیا
یاد آتا ہے وہ مُنہ پھیر کے کہنا اُن کا	ہمسے ہے شکوۂ بیداد تجھے دیکھ لیا
امتحاں اس سے بھی بڑھکر ہی زمانے میں کوئی	جان دیکر ستم ایجاد تجھے دیکھ لیا
نالہ کیا سانس بھی سینہ کا رہا سینے میں	حشر میں جب دمِ فریاد تجھے دیکھ لیا
دل میں پھرتا ہے مرا نام زباں پر نہ سہی	بھول جانا بھی نہیں یاد تجھے دیکھ لیا
گل میں ہے جلوہ نما رنگ ترا بو تیری	بُلبلیں کرتی ہیں فریاد تجھے دیکھ لیا

ضبطِ الفت کا اسی مُنہ پہ کیا تھا دعوےٰ
بیٹھ بھی بیخود ناشاد تجھے دیکھ لیا

ڈھنگ بدلا اُس ستم ایجاد کا	رنگ کچھ جمتا چلا فریاد کا
کُنجِ عزلت کا مزا جاتا رہا	ہو بُرا اس عالمِ ایجاد کا
بیخودی میں بھی نہیں بھولے اُسے	واہ کیا کہنا ہماری یاد کا
کہہ تو کچھ سکتے نہیں وہ حشر میں	دل میں دھڑکا ہے مری فریاد کا
کھینچنے کو آئے ہیں تصویرِ یار	مُنہ تو دیکھو مانی و بہزاد کا

آئے ہو تھامے ہوئے ہاتوں سے دل
تم نے کچھہ دیکھا اثر فریاد کا

ہے مری زنجیر کی جھنکار میں
شور پیدا ہر چہ بادا باد کا

سر سے پا تک چھا رہی ہے بیکسی
دل نہ بھر آئے مرے جلاد کا

آپ کا دشمن وہ ایسا کون ہے
نام تو لیجے کسی ناشاد کا

دعوئ عشق خدا کرنے لگا
حوصلہ دیکھو تو آدم زاد کا

وہ لئے جاتے ہیں دل کو چھین کر
بیکسی یہ وقت ہے امداد کا

کچھ پر و بازو کے کہلنے میں تھی دیر
رعب بھی کچھہ چھا گیا صیاد کا

طور کا قصہ ہے سب پیش نظر
ذکر ہے یہ تو ہماری یاد کا

اے تمنائے شہادت دم تو لے
پیٹنا کیوں پڑ گیا جلاد کا

اور بلجائیگا کوئی جاں نثار
مشغلہ جاری رہے بیداد کا

بات وہ بیخود وہی کے دم تک ہی
ذکر کیا اُس خانماں برباد کا

حال دل کا بہت خراب رہا
قبر میں بھی تو اضطراب رہا

دل کو پہلو میں اضطراب رہا
زندگی بھر یہی عذاب رہا

دیکھیے کیا قیامت آتی ہے
اور کچھہ دن اگر شباب رہا

راز الفت نہ چھپ سکا ہمسے
صبر کے ساتھ اضطراب رہا

دل میں جب تک رہا وہ پردہ نشیں
مجھکو اپنے سے بھی حجاب رہا

وصل میں وہ کچھے رہے ہمسے
مہربانی میں بھی عتاب رہا

دل میں رکھا چھپا کے توبہ کو
لب پہ ساقی پلا شراب رہا

خوب دل کھول کر اُڑا زاہد	میرے ذمّے ترا حساب رہا

ہوئے جسکے ہوئے **بیخود**
یار اپنا تو یہ حساب رہا

میں تصور میں جو اُس کا روئے انور لیچلا	اُس نے دی آواز مجھکو کیا چُرا کر لیچلا
اُس کی محفل میں دلِ بیتاب و مضطر لیچلا	یہ فرشتہ موت کا مجھکو پکڑ کر لیچلا
حسرتوں کی پوٹ سر پر داغ دل پر لیچلا	آپ کے کوچے سے کیا کیا بندہ پرور لیچلا
یہ نظر ہے یا قیامت یہ ادا ہی یا غضب	کھینچکر دل کو کوئی سینے سے باہر لیچلا
دیکھیے ہونا ہے کیا اغیار کی محفل میں آج	شوق اُن کو لیچلا مجھکو مقدر لیچلا
جب نہ ہاتھ آیا کوئی قاصد تو جوشِ اشکِ یاس	اُس کے کوچے کی طرف خط کو بہا کر لیچلا
اور تو سامان نہ کچھ مجسے فراہم ہو سکا	نذر دلبر کے لئے دل لیچلا سر لیچلا
موت لکھی ہے شبِ وعدہ مری تقدیر میں	مجھکو اُن کے گھر میں دشمن کا مقدر لیچلا
تیغ کھچکر رہ گئی خنجر نکل کر رہ گیا	پھیر کر مقتل سے اُن کو خوف محشر لیچلا
پھر کوئی جا کر مرے غمخوار کو کرنا خبر	پھر دلِ بیتاب مجھکو اُس کے در پر لیچلا
ایک تو دل مضطرب اُس پر گراں بارِ الم	تجھسے یہ کیونکر چلا تو اُس کو کیونکر لیچلا
عمر بھر اشکِ ندامت سے جو تر دامن رہا	ہم کو جنت میں ہمارا دامنِ تر لیچلا

اُن کے آگے مجھ سے **بیخود** کچھ کہا جاتا نہیں
حال اپنا آج میں کاغذ پہ لکھکر لیچلا

وہ شرما کے گردن جھکانا کسی کا	وہ رہ رہ کے پھر مسکرانا کسی کا
وہ چھپ چھپ کے راتوں کو آنا کسی کا	وہ نقشِ قدم کو مٹانا کسی کا

نگاہوں میں وہ تاڑ جانا کسی کا
مجھے دیکھکر مسکرانا کسی کا

رہا داغ اُن کا پس ترکِ الفت
نہیں کھیل دل سے بُھلانا کسی کا

وہ غیروں کے چلکے وہ یاروں کے چھینٹے
لگانا کسی کا بجھانا کسی کا

وہ باتوں میں اک چھیڑ ذکرِ عدو کی
وہ ہنس ہنس کے مجھکو رُلانا کسی کا

وہ دم بھر بھی پہلو میں میری نہ تھمنا
وہ دل میں سما کر نہ جانا کسی کا

وہ دشمن کے گھر کی طرف تیز چلنا
مجھے راہ میں چھوڑ جانا کسی کا

وہ ارمان وحسرت کی تازہ مصیبت
وہ پہلے پہل دل لگانا کسی کا

وہ غصے کی صورت بنا کر بگڑنا
وہ آنکھیں دکھا کر ڈرانا کسی کا

وہ غرفہ سے جھک کر کبھی جھانک لینا
وہ چلمن سے جلوہ دکھانا کسی کا

رہیگی دہن میں زباں اپنے جبتک
زباں پر رہیگا فسانا کسی کا

رقیبوں سے کھل مل کے باتیں نہ کیوں ہوں
کہ منظور ہے دل جلانا کسی کا

نہ کر یاد **بیخود** وہ عیش گذشتہ
ہمیشہ رہا ہے زمانا کسی کا

عمر بھر میرے ستانے سے سروکار رہا
وصل کے بعد بھی اُن کو وہی انکار رہا

یہ تو تم کہہ چکے تجھسے نہ سروکار رہا
یہ بتا دو کہ مجھے اب کون وفادار رہا

ہائے وہ شخص کہ جو محوِ رخِ یار رہا
حیف اُس دل پہ کہ جو طالبِ دیدار رہا

دل مرا حشر میں اُس کا جو طرفدار رہا
دو قدم مجھ سے بھی آگے وہ ستمگار رہا

ہجر کی شب دلِ مضطر کی خبر کیا لیتا
میں تو اپنی ہی مصیبت میں گرفتار رہا

میں گرا خاک پہ اُس کو کبھی گرنے نہ دیا
میری آنکھوں میں ترا سایۂ دیوار رہا

مجھکو صیاد کی مٹھی سے رہائی نہ ملی
طائر رنگ حنا بن کے گرفتار رہا

شرط ہو جائے کہ ہم پھر نہ چھپینگے ہرگز
اپنے آپے میں اگر طالب دیدار رہا

اُٹھکے جانے نہ دیا ہاتھ لگانے نہ دیا
مُنہ سے انکار رہا آنکھ سے اقرار رہا

اُن کے چھپنے کی ہوئے اُن سے گلا سوتے میں
رات بھر بخت مرا خواب میں بیدار رہا

اپنی کہنی نہ کسی سے نہ کسی کی سُننی
کچھہ عجب دہن میں ترا طالب دیدار رہا

دل دُکھانے کے ستم سے تو ہوئے ہیں پیماں
لطف کے ساتھ اگر کوئی دل آزار رہا

دل میں قاتل کی طرف سے جو کدورت آئی
دل سے کھٹکا ہوا کچھ تیر کا سوفار رہا

بے خطا دیجے جو چاہیے مجھکو تعذیر
کوئی تقصیر نہ کی اس کا گنہگار رہا

فتنۂ حشر ترا نقشِ قدم تھا گویا
پائمالِ روشِ شوخیِ رفتار رہا

نازِ دشمن تو نہ تھا میں جو اٹھاتے وہ مجھے
اُن کی محفل میں سبک ہو کے گرانبار رہا

قید میں رنگِ وفا اس نے جمایا ایسا
دل کے پھندے میں ترا گیسوئے خمدار رہا

راہ میں بیخودِ مخمور ٹہلتے ہی رہے
بند جب تک کہ درِ خانۂ خمار رہا

پسِ فنا جو لحد میں خیالِ یار آیا
نہ حشر تک دلِ مضطر کو پھر قرار آیا

نکل کے گھر سے ترے غش تو لاکھ بار آیا
سنبھالتا ہوا اپنے کو بے قرار آیا

کسی کے وعدے وفا خواب میں ہوئے اکثر
جو ایک بار نہ آیا ہزار بار آیا

مجھے تو وصل میں بھی ہوگی زندگی دشوار
ہر اک ادا پہ تری دل جو بار بار آیا

دکھا تو دیتے ہم آئینہ رشک تو یہ ہے
اگر تمہیں بھی ہماری طرح سے پیار آیا

شب وصال جو وہ من گئے تو ہم روٹھے
ہمیں تو دل کے تڑپنے ہی میں قرار آیا

ہماری خاک میں بھی رنگ ہے محبت کا
کہ اُس کی چال پہ مٹتا ہوا غبار آیا

شبِ فراق اثر کا پتا کہیں نہ ملا
فلک پہ جا کے بھی نالہ مرا پکار آیا

کھلائے ابرِ بہاری نے پھول گلشن میں
ہماری خاک پہ آیا تو اشکبار آیا

خدا گواہ ہے دیکھا نہ بدگماں دل سا
تری قسم کا بھی اس کو نہ اعتبار آیا

شبِ فراق بہت دل نے آفتیں دیکھیں
نظر تجھے بھی کچھ اے چشمِ انتظار آیا

خوشی نے قتل کی جمنے دیا کہیں نہ قدم
اُدھر زمین سے اُن کا گناہگار آیا

سُنا جو اُس نے کہ آتی ہیں قبر میں حوریں
ہمارے ساتھ لحد میں خیالِ یار آیا

سُنائی میں نے بھی اُس کو پتہ کی کچھہ ایسی
بنی نہ بات بگڑ کر وہ منہ ہزار آیا

ملی جو آہ کی فرصت کبھی دکھادیں گے
کہ دل کو تھامے ہوئے کوئی بیقرار آیا

اُدھر کسی کی نگاہیں اشارے کرتی ہیں
پکارتا ہے ادھر سے دلِ فگار آیا

یہ کس نے دادِ تغافل کی حشر میں چاہی
کہ مونھ چھپائے ہوئے کوئی بیقرار آیا

چلا تو شوق میں بیخود پھرا تو محوِ جمال
نہ بے قرار گیا میں نہ بے قرار آیا

گھٹائیں اُٹھتی ہوئی آسماں پہ جب دیکھیں
پئے بغیر نہ **بیخود** کو پھر قرار آیا

دل ملا کر وہ بیوفا نہ ملا
دل لگانے کا کچھہ مزا نہ ملا

اب بتاؤں تجھے کہ کیا نہ ملا
کوئی معشوق باوفا نہ ملا

ڈھونڈ مارا تمام دُنیا کو
ہم کو اُس کا کہیں پتا نہ ملا

ہم سکھاتے وفا کے ڈھنگ اُسے
ہم سے وہ دشمنِ آشنا نہ ملا

توڑ کر بت سے کعبہ جاتا ہوں
کیا کروں گا اگر خدا نہ ملا

صلح کے بعد یہ ہوا معلوم — اُن کو بھی مجھسا دوسرا نہ ملا

ہو چکا بس ملاپ اب اُن سے — دل ہی تو ہے ملا ملا نہ ملا

کیا ہوا بن کے اُڑ گیا قاصد — کہیں اُس کا نشانِ پا نہ ملا

وہ ستمگار پھر غنیمت ہے — کوئی اتنا بھی دوسرا نہ ملا

غم دیا سم دیا مقدر نے — نہ ملا تو۔ تو ہم کو کیا نہ ملا

ہو چکیں بس مذاق کی باتیں — سچ کہو دل مرا ملا نہ ملا

بے نیازی کی شان تو دیکھو — بندگی کا ہمیں صلا نہ ملا

غم لکھا تھا مرے مقدر میں — نہ دیا آپ نے تو کیا نہ ملا

رازِ دشمن مجھی سے کہنا تھا — کوئی تجھکو مرے سوا نہ ملا

جلوے سے پہلے غش ہوئے موسیٰ — اک نظر بھی تو دیکھنا نہ ملا

شکوہ کرنا نہ تھا بڑے چوکے — روٹھنے کا اُسے بہانہ ملا

حُسن کمیاب تھا ہوا نایاب — ایک کے بعد دوسرا نہ ملا

اُس نے لاکھوں غلام مول لئے
کوئی بیخودؔ سا باوفا نہ ملا

اور تو تم سے کیا نہیں ہوتا — ایک وعدہ وفا نہیں ہوتا

جب خیال آپ کا نہیں ہوتا — درد دل سے جُدا نہیں ہوتا

آپ لائے ہیں ہم پیام اپنا — دوسرے سے ادا نہیں ہوتا

وہ خفا ہو گیا تو ہو جائے — بت کسی کا خدا نہیں ہوتا

میری قسمت کو کیوں بُرا کہیئے — آپ چاہیں تو کیا نہیں ہوتا

فتنہ گر شوخ ہیں تری آنکھیں — شرم کا حق ادا نہیں ہوتا
دل نے کچھ اُس سے کہدیا ہوگا — بے سبب وہ خفا نہیں ہوتا
بے وفا ہے شباب بھی لیکن — آپ سا بیوفا نہیں ہوتا
غیر سے کیا بگڑ کے آئے ہو — آج میرا گلا نہیں ہوتا
ہم سے دل کھول کر ملا کیجے — شرم میں کچھ مزا نہیں ہوتا
بات سننے میں کیا قباحت ہے — ہر سخن مدعا نہیں ہوتا
عشق کے داغ سب برابر ہیں — ان میں چھوٹا بڑا نہیں ہوتا
مجھ سے میری ہی تجھ سے تیری ہی — دل کسی سے بُرا نہیں ہوتا
بیوفا کہتے ہو زمانے کو — سب جہاں ایک سا نہیں ہوتا
تلخ تر ہیں رقیب کی باتیں — زہر اتنا بُرا نہیں ہوتا
درد سے آشنا نہ ہو جبتک — آدمی کام کا نہیں ہوتا
کچھ ادا کچھ حجاب کچھ شوخی — نیچی نظروں میں کیا نہیں ہوتا
جب کہا میں نے وعدہ ہو جائے — مسکرا کر کہا نہیں ہوتا
تم سماتے ہو کس طرح اس میں — دل تو کچھ بھی بڑا نہیں ہوتا

دل محبت سے بھر گیا **بیخود**
اب کسی پر فدا نہیں ہوتا

مشغلہ دل کے لئے یہ شبِ تار اچھا تھا — تارے گننے سے جفاؤں کا شمار اچھا تھا
اگلے وقتوں میں ہوتی تہیں جفائیں ایسی — اُس زمانے میں کچھ اپنوں کا شعار اچھا تھا
لحد میں کب وہ ملی خوابِ گراں کی راحت — پڑ رہنے کے لئے کنجِ مزار اچھا تھا

جان پڑ جاتی تھی ٹھوکر سے تنِ بےحِس میں
پائمالوں کے لئے کوچۂ یار اچھا تھا

تیر نظروں کے چلے غیر پہ زخمی نہ ہوا
جس پہ ترکش کئے خالی وہ نشانہ اچھا تھا

کوئی دیوانہ ہوں میں آپ کو یوسف جو کہوں
اُس میں یہ بات کہاں ہے وہ ہزار اچھا تھا

زخمِ دل کے لئے مرہم ہے نمک سے بڑھکر
چارہ گر سے تو وہی ظلم شعار اچھا تھا

سیر کو وہ دلِ پُرداغ کی کاش آجاتے
آج اس باغ میں کچھ جوشِ بہار اچھا تھا

میرے مُردے پہ اُسے لائے بھی احباب تو کیا
جیتے جی کام جو آتا کوئی یار اچھا تھا

جان نثاروں کو تیرے موت ہی کچھ بہتر تھی
بیقراروں کے لئے صبر و قرار اچھا تھا

اپنی محفل سے بھلا کس کو نکالا تم نے
چار غیروں سے تو پھر بیخود زار اچھا تھا

ہر وفا پیشہ بُرے کو بھی بھلا سمجھے گا
ظلم کو نازِ تغافل کو حیا سمجھے گا

عرضِ حالِ دلِ بیتاب سے تھی اور غرض
یہ نہ سمجھے تھے وہ اس کو بھی گلا سمجھے گا

اُس سے اظہارِ وفا عشق میں نادانی ہے
قدر جس کو نہیں عاشق کی وہ کیا سمجھے گا

آپ کے لطف کو نادان ہے جو لطف کہے
یہ گنہگار تو اس کو بھی جفا سمجھے گا

ہے ابھی چور جوانی میں مرا دل زاہد
چار دن بعد بُرا اور بھلا سمجھے گا

وہ مرا شکوۂ بیداد خدا کے آگے
وہ ترا ناز سے کہنا کہ خدا سمجھے گا

طائر رنگِ حنا دل تو نہیں کچھ اپنا
تیری مٹھی میں جو یہ اپنی قضا سمجھے گا

بزمِ دشمن میں نہیں چھیڑ سے خالی ہر بات
ان کنایوں کو ہمارے کوئی کیا سمجھے گا

کی اگر توڑ میں پُرسش میں کمی بیش عدو
تیر سے دل تیرے خنجر سے گلا سمجھے گا

ایسے بھولے کہ سمجھتے رہے بیداد کو داد
یہ نہ جانا کہ کوئی روزِ جزا سمجھے گا

جس نے پامال کئے زیرِ قدم دل لاکھوں
وہ مرے خون کو بھی رنگِ حنا سمجھے گا

خط میں لکھنے کو تو لکھدی ہے شکایت دل کی
سوچ اب یہ ہے کہ وہ دیکھئے کیا سمجھے گا

یاد ہے حضرتِ بیخود کا یہ کہنا مجھکو
خوب سمجھے گا جو اپنے کو برا سمجھے گا

یہ جوشِ جنوں رنگ لانے لگا
گریباں تک اب ہاتھ جانے لگا

لہو اشک کے ساتھ آنے لگا
جگر دل سے پہلے ٹھکانے لگا

محبت کا پیغام آنے لگا
طبیعت کوئی گدگدانے لگا

وہ منہ پھیر کر مسکرانے لگا
تغافل میں بھی لطف آنے لگا

چھپائے سے چھپتا نہیں داغِ دل
ستارہ سا اک جگمگانے لگا

دئے ہیں محبت میں تو نے وہ رنج
کہ ظالم خدا یاد آنے لگا

عدو نے لیا جس گھڑی اس کا نام
کلیجہ مرے منہ کو آنے لگا

یہ رشکِ محبت بھی ہے یادگار
مرا غم رقیبوں کو کھانے لگا

دیا لطف توبہ نے مے سے سوا
وہ چھاتی پہ چڑھکر پلانے لگا

یہ نوبت ہے میری کہ اب چارہ گر
مرا حال مجھ سے چھپانے لگا

الٰہی یہ محشر میں آتا ہے کون
کہ ہر فتنہ آنکھیں بچھانے لگا

کہا حال اس کا نہ قاصد نے کچھ
یہ اپنا ہی قصہ سنانے لگا

رہِ شوق میں جب چلے میرے ساتھ
قدم خضر کا ڈگمگانے لگا

ہوا تازہ جنت میں بھی عشقِ حور
یہ داغِ کہن گل کھلانے لگا

عبث اس کو بیخود نہ بدنام کر
وہ ایسے کو کیوں منہ لگانے لگا

دل کو ہے اضطراب یہ کیسا ‏ ‏ رنگ لایا شباب یہ کیسا

دیکے گالی وہ عرضِ مطلب پر ‏ ‏ پوچھتے ہیں جواب یہ کیسا

ہم کہاں اور بزمِ غیر کہاں ‏ ‏ نظر آیا ہے خواب یہ کیسا

مجھ سے ہوتا ہے وصل کا انکار ‏ ‏ ہے دہن لاجواب یہ کیسا

آپ کو ہے غرورِ طاعت و زہد ‏ ‏ شیخ صاحب ثواب یہ کیسا

دل کا دینا تو کچھ گناہ نہیں ‏ ‏ بندہ پرور عتاب یہ کیسا

حشر میں چھٹ گیا الگ کوئی ‏ ‏ ہوگیا انتخاب یہ کیسا

دلِ بیتاب چھپ نہیں سکتا ‏ ‏ ساتھ ہے اک عذاب یہ کیسا

عشق نے کھوج کھو دیا دل کا ‏ ‏ گھر ہوا ہے خراب یہ کیسا

بوسے گن گن کے مجھکو دیتے ہو ‏ ‏ بھول جاؤ حساب یہ کیسا

جان دینے میں عذر ہے بیخود
عشق خانہ خراب یہ کیسا

دل صبر سے خوگر شبِ ہجراں میں نہ ہوگا ‏ ‏ وہ کام بتاؤ گے جو امکاں میں نہ ہوگا

کیوں آپ کا نقشہ دلِ ویراں میں نہ ہوگا ‏ ‏ کیوں آپ سا یوسف کہ زنداں میں نہ ہوگا

دیتا ہے مزا خارِ تمنّا کا کھٹکنا ‏ ‏ یہ لطف تو قاتل ترے پیکاں میں نہ ہوگا

پہلو میں رہے یہ دلِ بیتاب سلامت ‏ ‏ اب خیر سے کیا کیا شبِ ہجراں میں نہ ہوگا

محرومئی تقدیر کا قاتل سے گلا کیا ‏ ‏ حصہ مرے زخموں کا نمکداں میں نہ ہوگا

جو حال ہوا عشق کے داغوں سے ہمارا ‏ ‏ عالم یہ کبھی سروِ چراغاں میں نہ ہوگا

تم جس کو سنا کرتے ہو ہنگامۂ محشر ‏ ‏ کیا وہ مری فریاد کے ساماں میں نہ ہوگا

کیوں تیر ہے چٹکی میں تری وقت نظارہ
جو اس میں ہے کینا جنبشِ مژگاں میں نہ ہوگا

اُس گیسوئے پیچاں کو صبا لاکھ بگاڑے
شامل وہ مرے حالِ پریشاں میں نہ ہوگا

مرجائے تڑپ کر دلِ مضطر تو بلا سے
نالہ تو ہوا ہے غمِ پنہاں میں نہ ہوگا

مے اپنے بھی حصہ کی پلادی تجھے زاہد
اب نام مرا دفترِ عصیاں میں نہ ہوگا

باقی ہے ابھی اس تنِ مجروح میں قاتل
وہ دم جو ترے خنجرِ براں میں نہ ہوگا

کیوں مجھکو مٹا کر وہ کریں اُس کی تلافی
اُلفت کا نشاں اب دلِ ویراں میں نہ ہوگا

قاتل بھی مرے نام کی دیتا ہے نیازیں
مجھسا تو کوئی گنجِ شہیداں میں نہ ہوگا

باقی ہے ابھی وصل کی حسرت تجھے **بیخود**
مرنے کا ارادہ شبِ ہجراں میں نہ ہوگا

عالم وہاں بھی اُس کا خریدار ہوگیا
میدانِ حشر مصر کا بازار ہوگیا

مرنا فراقِ یار میں دشوار ہوگیا
پاسِ وفا بھی جان کا آزار ہوگیا

ساقی کو مُنہ دکھانے کے قابل نہیں رہا
زاہد سے مل کے میں تو گنہگار ہوگیا

میں بیٹھ تو گیا تھا کلیجے کو تھام کر
اٹھنا تمہاری بزم سے دشوار ہوگیا

عالم کو انقلاب دمِ حشر بھی رہا
میرا گواہ اُن کا طرفدار ہوگیا

محوِ خیالِ یار رہے ہم تو کیا رہے
قسمت تو اُس کی ہے جسے دیدار ہوگیا

جب ضبط ہو سکی نہ خوشی جان چل بسی
اقرارِ وصل بھی اب مجھے انکار ہوگیا

کیا کہدیا یہ آپ نے چپکے سے کان میں
دل کا سنبھالنا مجھے دشوار ہوگیا

سوتے میں آج اُن سے ملاقات ہوگئی
میرا نصیب خواب میں بیدار ہوگیا

احسان مانتا ہوں نزاکت کا آپ کی
جانا مرے خیال سے دشوار ہوگیا

پھر لے رہی ہے بل کی وہ زلف سیاہ فام
پھر کوئی نامراد گرفتار ہو گیا

خلوت میں یا تو میں ہی تھا یا ایک آئینہ
یا اُن کا دیکھنا مجھے دشوار ہو گیا

بیخودؔ یہ دردِ عشق کا کیا ذکر تھا ابھی
کیا تو بھی اِس بلا میں گرفتار ہو گیا

زمانے میں جسے دیکھا اُسی کا مبتلا نکلا
وہ اس بیگانگی پر بھی تو صورت آشنا نکلا

حسینوں میں حسیں ایسا نہ کوئی دوسرا نکلا
ہزاروں میں جو نکلا تو وہی کافر ادا نکلا

نظر ملتے ہی دل تڑپا زباں سے مرحبا نکلا
عدو کے گھر سے وہ نکلے کہ میرا مدعا نکلا

الٰہی عشق میں یہ رشک پیدا ہو گیا کیسا
کہ وہ آئینہ ہو تو آپ اپنا مبتلا نکلا

تمہارے ہاتھ خالی جیب خالی زلف خالی تھی
نہ تھے تم چور دل کے لو ادھر دیکھو یہ کیا نکلا

گھڑی بھر اور رک جاتا دمِ رخصت تو کیا ہوتا
دلِ بیتاب تم سے بھی زیادہ باوفا نکلا

زمیں سے آسماں تک آسماں سے عرشِ اعظم تک
ہمیں ہم تھے جدھر دیکھا نہ کوئی دوسرا نکلا

یہاں سے تو بہت سمجھا بجھا کر اُسکو بھیجا تھا
خدا جانے وہاں پیغامبر کے منہ سے کیا نکلا

مری نظروں سے وہ میرے ہی دل میں چھپ کے بیٹھے ہیں
زمانہ سے نرالا اُن کا اندازِ حیا نکلا

قیامت میں دلِ شیدا بھی اُن کی سی لگا کہنے
جسے اپنا سمجھتے تھے وہ پیاسا خون کا نکلا

سُنائی کس کے آنے کی خبر بادِ بہاری نے
کہ ہر غنچہ کے منہ سے بے تکلف مرحبا نکلا

کرینگے ضبطِ غم کیونکر ابھی سے جب یہ حالت ہے
لہو گر تھم گیا آنکھوں سے اشکِ سرمہ سا نکلا

جسے ہم دل سمجھتے تھے خزینہ ہے وہ الفت کا
جسے تم داغ کہتے تھے وہ اک نقشِ وفا نکلا

کیا ہے آج میخانہ سے عزمِ کعبہ **بیخودؔ** نے
جسے سب جانتے تھے رند مشرب پارسا نکلا

دل میں چھپکر بھی جو اُن کا کوئی ارماں آیا
ساتھ ہی چشم تصور میں نگہباں آیا

بزم دشمن سے وہ یوں سر بگریباں آیا
کوئی جانے کہ بہت دل میں پشیماں آیا

رنج فرقت نے ٹھہرنے نہ دیا پہلو میں
نالہ کے ساتھ ہی باہر دلِ نالاں آیا

دل میں ہر آٹھ پہر اُس رخِ رنگیں کا خیال
دشت غربت میں مرے ساتھ گلستاں آیا

عشق نے کام دیا شمع سے بڑھکر مجھکو
قبر میں بھی تو خیال رُخِ تاباں آیا

ہل گیا عرش زمیں کانپ گئی حشر اُٹھا
نالہ کش کون سوئے گورِ غریباں آیا

سادہ دل ہو ابھی تم چھینتے ہو دل مجھسے
دل ربائی کا طریقہ نہ مری جاں آیا

فتنہ برپا نہ ہو محشر میں الٰہی کوئی
لوگ کہتے ہیں وہ غارت گر ایماں آیا

تھم گیا نالۂ دل سے مرے ہل ہل کے فلک
میں سمجھتا تھا کہ اب گنبدِ گرداں آیا

بیخودی پردہ بنی اُس کا تجلی چلمن
آنکھ کے سامنے کب جلوۂ جاناں آیا

جوشِ وحشت میں کسی نے نہ دیا ساتھ اپنا
شورِ زنجیر مگر تا درِ زنداں آیا

اُس نے دیوانہ سمجھکر نہ کیا مجھ سے حجاب
چاک ہو کر تو بڑے کام گریباں آیا

مجھکو جنت پہ بھی دوزخ کا گماں گذریگا
یاد جس وقت عذابِ شبِ ہجراں آیا

اُس کے وعدہ نے تو برسوں ہی گھلائے **بیخود**
ہم سمجھتے تھے کہ اب دم میں وہ ناداں آیا

سنتے سنتے وصل کی شب دل پریشاں ہو گیا
غیر کا ذکرِ وفا اوچھے کا احساں ہو گیا

گھٹتے گھٹتے بھی تو ارماں آفتِ جاں ہو گیا
تیغ سے خنجر بنا خنجر سے پیکاں ہو گیا

جب کبھی پورا کسی ظالم کا پیماں ہو گیا
عمر بھر کا رنج و غم خواب پریشاں ہو گیا

چاک جب تک ہو نہ جائے ٹھیک بنتا ہی نہیں
آپ کا دامن بھی کیا میرا گریباں ہو گیا

یہ پریشانی بھی گویا اختیاری بات ہے
بیٹھے بیٹھے دل نے جب چاہا پریشاں ہوگیا

آدمیت جب نہ ہوا چھا ہوا کوئی تو کیا
مجھ سے مل کر وہ پریوش آخر انساں ہوگیا

اُن کو گھر جانیکی جلدی مجھکو مرنے کا خیال
صبح سے پہلے یہاں کچھ اور ساماں ہوگیا

خود بخود رُکتے ہیں دشمن یہ تماشا ہی نیا
رشک میرا کیا درِ جاناں کا درباں ہوگیا

نازکی نے کی ہے پیدا اک ادائے جاں گسل
اب ہمارا قتل کرنا اُن کو آساں ہوگیا

بیخودِ وحشی سے یہ ہرگز نہ تھی ہم کو امید
کس طرح سے جمع دیوانہ کا دیواں ہوگیا

آپ ہیں بے گناہ کیا کہنا
کیا صفائی ہے واہ کیا کہنا

اُس سے حالِ تباہ کیا کہنا
جو کہے سُن کے واہ کیا کہنا

حشر میں یہ انہیں نئی سوجھی
بن گئے داد خواہ کیا کہنا

عذر کرنا ستم کے بعد تمہیں
خوب آتا ہے واہ کیا کہنا

تم نہ روکو نگاہ کو اپنی
ہم کریں ضبطِ آہ کیا کہنا

تجھ سے اچھے کہاں زمانہ میں
واہ اے رشکِ ماہ کیا کہنا

غیر پر لطفِ خاص کا اظہار
مجھ سے ٹیڑھی نگاہ کیا کہنا

غیر سے مانگ کر ثبوت وفا
بنگئے خود گواہ کیا کہنا

دل بھی لیکر نہیں یقینِ وفا
ہے ابھی اشتباہ کیا کہنا

بل بے چتون تری معاذ اللہ
اُف رے ٹیڑھی نگاہ کیا کہنا

اِن گنہوں پر نجات کی امید
بیخودِ روسیاہ کیا کہنا

پھر دل ترے خیال میں مدہوش ہوگیا
ناصح سے جو سُنا تھا فراموش ہوگیا

تھی بیخودی یئے شوق شبِ وعدہ غش نہ تھا
کھٹکا ذرا ہوا کہ مجھے ہوش ہوگیا

میں کیوں بتاؤں کون ہوں تو اپنے دل سے پوچھ
وعدہ تو میں نہ تھا کہ فراموش ہوگیا

کام آگئیں جنون میں یہ آوارہ گردیاں
رستہ تری گلی کا فراموش ہوگیا

کس کا فسانہ تھا کہ چمن میں ہر ایک گل
سننے کے واسطے ہمہ تن گوش ہوگیا

بہتی پھرے گی حشر میں کشتی گناہ کی
دریائے مغفرت کو اگر جوش ہوگیا

تمہید تھی یہ کس لئے اب تم سے کیا کہوں
مطلب زباں پر آکے فراموش ہوگیا

وہ سو سُنا کے بھی نہ مجھے بخشتا کبھی
ایسی ہی بات تھی کہ جو خاموش ہوگیا

سر کیا کٹا کہ عشق کا جھگڑا ہی چک گیا
اب میں تو ہر طرح سے سبکدوش ہوگیا

لکھ لو ہماری آج کی یہ بات ہمنشیں
سُن لینا حشر میں کوئی روپوش ہوگیا

اک وہ کہ جن کا ذکر ہے تیری زبان پر
اک میں کہ تیرے دل سے فراموش ہوگیا

بیخود کو اور بات سے کیا کام ہجر میں
تیرا ہی ذکر تھا اُسے جب ہوش ہوگیا

تم ہی سوچو کہ بھلا غیر ہو کیونکر اپنا
نہ تم اپنے نہ دل اپنا نہ مقدر اپنا

اور مطلب نہیں اے چشمِ فسونگر اپنا
یہ بتا غیر کو کر لیتی ہے کیونکر اپنا

نامہ بر یہ تو کہی بات پتے کی تو نے
ذکر اُس بزم میں رہتا تو ہے اکثر اپنا

دل میں رہ جائیگی اب شوقِ شہادت کی ہوس
آبِ حیواں میں بجھاتے ہیں وہ خنجر اپنا

آئینہ دیکھ کے خورشید پہ کرتے ہیں نظر
پھر چھپا لیتے ہیں وہ چہرۂ انور اپنا

قابلِ رشک ہے اُس شخص کی قسمت یارب
جس کے قابو میں ہو دل پاس ہو دلبر اپنا

چھوڑ بیٹھیں اُسے ہم ناصحِ مشفق کیونکر
اس میں نقصان سمجھتے ہیں سراسر اپنا

دوست دشمن سے محبت میں ہی یکساں ہمیں بطر
حال کھلنے نہیں دیتے ہیں کسی پر اپنا

پھر کوئی تازہ قیامت نہ ہو برپا یارب
آج ٹھیرا ہوا ہے کچھ دلِ مضطر اپنا

کیا منائیں اُنہیں ہے اب تو زمانہ الٹا
صلح ہوتی ہے جو لڑتا ہی مقدر اپنا

اُس کے چہرے سے بھلا ماہ کو نسبت کیا ہی
منہ تو دیکھے یہ ذرا آئینہ لیکر اپنا

آپ کو رنج ہوا آپ کے دشمن روئے
میں پشیمان ہوا حال سُنا کر اپنا

اُس کے کوچے سے نکلتے ہی ہوئی ہوش یہ گم
ڈہونڈتا پھرتا ہوں ملتا ہی نہیں گھر اپنا

کیا اسی وجہ سے تم ہم کو بُرا کہتے ہو
ہم بُرا چاہتے رہتے ہیں جو اکثر اپنا

دیکھکر بیخودیٔ شوق یہ بیخود سے کہا
یہی حالت ہے تو جا ہو گے ہیں سر اپنا

اب کے اگر رقیب سے وہ دلستاں ملا
ہم دینگے خاک میں تجھے اے آسماں ملا

اُس بے نشان کا اپنے ہی دل میں نشاں ملا
ہم جس کو ڈہونڈتے تھے وہ یوں ناگہاں ملا

پھر یہ ستم اٹھانے کو مجھسا کہاں ملا
مجکو مٹا کے کیا تجھے اے آسماں ملا

ہم نے کہہ دیا تھا کہ دشمن ہے بے وفا
ہم سے ذرا نگاہ دمِ امتحاں ملا

زنجیر نے اسیر کا ہم کو پتا دیا
حلقوں میں زلفِ یار کے دل کا نشاں ملا

نادان کچھ تو لطفِ شبِ وصل بھی ملے
سینہ سے سینہ اور زباں سے زباں ملا

لاتے امیدِ وصل پہ تجھکو منا کے ہم
ہم کو بتا ہی تیرا نہ عمرِ رواں ملا

اللہ رے تصرفِ چشمِ سیاہ مست
بختِ سیہ کو بھی مرے خوابِ گراں ملا

تلوار ٹوٹ جائے تہکیں ہاتھ تو سہی
تم یاد تو کرو کہ کوئی سخت جاں ملا

بعد فنا بھی اُس نے ستم میں کمی نہ کی
کس کس طرح سے خاک میں بے نشاں ملا

اے جذبِ دل نہ کاوشِ زخمِ جگر مٹے
ہاں پھر دہانِ زخم سے نوکِ سناں ملا

جل گئے جو اَب نصیب مرا کیا بعید ہے
سوتا ہوا کسی کا مجھے پاسباں ملا

کیوں دل تڑپ کے سینے سے باہر نکل گیا
حیران ہوں یہ کون مجھے ناگہاں ملا

ظالم کہیں وہی تو نہ تھا بیخودِ حزیں
تیری گلی میں کل ہمیں اک ہمجباں ملا

سُنا ہے جب سے شہرہ یار کی جادو بیانی کا
دلِ بیتاب ہے مشتاق پیغام زبانی کا

ستا لیتے نہیں جبتک ہمیں بیچین رہتے ہیں
ادا کس منہ سے کیجے شکر اُن کی مہربانی کا

ابھی غم ہے ابھی شادی ابھی رونا ابھی ہنسنا
تماشا دید کے قابل ہے اِس دنیائے فانی کا

نہ وہ دم خم نہ وہ کس بل نہ وہ تیزی نہ وہ برش
کیا دم بند اُس ابرو نے تیغِ اصفہانی کا

ہوا جب ہم کو شوق دید اُن کی چھیڑ تو دیکھو
سناتے ہیں ہمیں دربردہ نغمہ لنترانی کا

نزاکت نے نکلنے دی نہ منہ سے بات بھی پوری
گلا کرنے وہ بیٹھے تھے ہماری ناتوانی کا

شبِ غم کے تصور ہی سے گھبرانے لگا ہے دل
ابھی ہے سامنا باقی بلائے آسمانی کا

تری اُلفت رفیقِ غم ہے میں بھی کتنا منصف ہوں
کہ بخشا اُس کو عہدہ دردِ دل کی پاسبانی کا

مرے لب سے جو موزوں ہو کے نکلے میری دو نالے
سخنور اُس کو مطلع سمجھے دیوانِ فغانی کا

قدم اُس در پہ رکھا تھا کہ دامن رشک نے پکڑا
نہیں تنہا تو ہی تھا دشمن علاج اس بدگمانی کا

ہوا خاموش کیوں ناصح کہی جا کچھ نہ کچھ منہ سے
مزا آتا ہے ہمکو تیری باتوں میں کہانی کا

خدا نے اُس کی باتوں میں عجب تاثیر بخشی تھی
مزا بیخودی کے دم تک رہا معجز بیانی کا

کیا بتاؤں تمہیں ہیں حشر کے دن کیا ہو گا
ہو رہیگا مری قسمت میں جو ہونا ہو گا

میں نے پوچھا تھا ابھی مجھسے وصل تمہارا ہو گا
مُسکرا کر یہ کہا تیرا کلیجا ہو گا

یا تو میں ہی نہیں یا وصل تمہارا ہو گا
آج پورا مری تقدیر کا لکھا ہو گا

جلوۂ عام سے کیا رشک نہ ہو گا ہو گا
کوئی تو حشر میں عاشق بھی تمہارا ہو گا

اُس نے مے پی ہی مرے ہوش اُڑے جاتے ہیں
کیا خبر تھی مجھے یوں نشہ دوبالا ہو گا

یہ تو میں بھی نہیں کہتا ہوں کہ سنئے میری
یہ بتا دیجئے کب تک یونہیں کہا کیا ہو گا

لیجئے لیجئے دل آپ نہ بوسہ دیجئے
آپ نے مجھکو بھی اپنا ہی سا سمجھا ہو گا

روز کہدیتے ہو تم آج نہیں کل آنا
کل قیامت میں بھی کیا وعدۂ فردا ہو گا

مجھکو اتنا نہ شب وعدہ کئے جا بیتاب
دم تو لے ای دل مضطر کوئی آتا ہو گا

دل تو لیتے ہو مگر یہ بھی رہے یاد تمہیں
جو ہمارا نہ ہوا کب وہ تمہارا ہو گا

پھر نہ دونگا تمہیں لینا ہے تو اسدم لیلو
چار دن بعد اگر دل کا تقاضا ہو گا

لاکھ تدبیر ہو تدبیر سے ہونا کیا ہے
چارہ گر داغ محبت کہیں مٹتا ہو گا

یوں ستاتا مجھے یہ چرخ کی جرات کب تھی
کچھ کسی اور کا بھی اس میں اشارا ہو گا

ٹل ہی جائیگا وہاں بھی کوئی مرنے والا
اُن کو جنت میں نہ کیا حسن کا دعوا ہو گا

کچھ خدا کا ہمیں دیدار وہاں ہوگا نصیب
کچھ یہاں جلوہ کسی بت نے دکھایا ہو گا

اپنے مطلب کا نہیں تو ہی انہیں کے ڈھب کا
تجھسے ایدل نہ کوئی کام ہمارا ہو گا

آپ وعدہ تو کریں حشر بھی کچھ دور نہیں
کل تو ہو گا یہ اگر آج نہ ایفا ہو گا

لی اگر اُس نے شب وعدہ تلاشی دل کی
جا کے پوشیدہ کہاں داغ تمنا ہو گا

سونگھ کر رہ گئے بوتل کو جناب زاہد
ہم تو سمجھے تھے کہ کچھ اور ارادا ہو گا

ایک دل کہتا ہے ہاں حشر میں کیجے فریاد
ایک دل کہتا ہے وہ مفت میں رسوا ہوگا

عشق کے نام سے بھی ہمتو خبردار نہیں
ہمسے پہلے کبھی اس بات کا چرچا ہوگا

قیس کی دشت نوردی کا وہ قصہ سنکر
کہتے ہیں عشق نہ ہوگا اُسے سودا ہوگا

اپنی تصویر بھی تم اپنے مقابل رکھدو
میں اُسے چاہونگا دونوں میں جو اچھا ہوگا

موت سے خوش ہوں کہ فرقت سے رہائی ہوگی
حشر سے شاد ہوں دیدار تمہارا ہوگا

میں جو کہتا ہوں کہ بیخود ہے تمہارا شیدا
مُنہ بنا کر وہ یہ کہدیتے ہیں ہوگا ہوگا

کیا کیا مرے دل پر شب ہجراں نہیں ہوتا
میرا ہی جگر ہے کہ پریشاں نہیں ہوتا

الفت کا ہر اک شخص کو ارماں نہیں ہوتا
یہ کام مری جان کچھ آساں نہیں ہوتا

ہاں آپ کہیں غیر بھی ہو جاتا ہے اپنا
میں تو یہ کہے جاونگا ہاں ہاں نہیں ہوتا

رُکتی ہے زباں وعدہ پہ ہر بار کسی کی
دشوار کچھ ایسا ہے کہ آساں نہیں ہوتا

ناکامِ تمنا کوئی ہم سا بھی نہ ہوگا
پورا ہی کسی بات کا ارماں نہیں ہوتا

آپ اپنی تمنا کی خلش پوچھئے دل سے
ایسا تو کھٹکتا ہوا پیکاں نہیں ہوتا

وہ غیر ہے جس پر تری الطاف ہیں لاکھوں
وہ میں ہوں جو شرمندۂ احساں نہیں ہوتا

مر کر بھی تو ارماں رہے خانۂ دل میں
برباد ہوئے پر بھی یہ ویراں نہیں ہوتا

یکچھ درد کی لذت سے نہ آگاہ ہو جبتک
انساں نہیں کہتے اُسے انساں نہیں ہوتا

اتنی بھی کسی بات پہ یوں ہٹ نہیں کرتے
اتنا بھی بس انکار مری جاں نہیں ہوتا

ہے جوش جنوں میں بھی یہ اخفائے محبت
سینہ کی طرح چاک گریباں نہیں ہوتا

دیکھی نہ سُنی ایسی قیامت کی جدائی
دل میں بھی تو کوئی شب ہجراں نہیں ہوتا

جنت اسے غرض کیا ہمیں واعظ یہ بتادے
ہوتا ہی وہاں کوچۂ جاناں نہیں ہوتا

انکار بھی دیتا ہے مزا عہد وفا کا
کہنا اُسی انداز سے پھر ہاں نہیں ہوتا

احباب جُدائی میں نہ دیں مجھکو تسلی
میں غیر کا منت کشِ احسان نہیں ہوتا

بیخود کے گناہوں کی تو گنتی ہی نہیں ہے
اب بھی تو یہ کمبخت پشیماں نہیں ہوتا

آپ کا ارشاد یہ ہے دل ترا جاتا رہا
میں تو یوں سمجھا ہوں جینے کا مزا جاتا رہا

ربط دشمن سے اگر اے دلربا جاتا رہا
رنج کی کیا بات ہے جاتا رہا جاتا رہا

آنکھ میں جبتک حیا تھی اُنسے تھی چشم امید
وہ سہارا مٹ گیا وہ آسرا جاتا رہا

غیر کے مرنے سے اتنا تو ہوا ہے فایدہ
وہ تمہارا ہر گھڑی کا روٹھنا جاتا رہا

کیا ہوا وہ آپ کا عہدِ وفا یادش بخیر
یہ تو میرا دل نہ تھا جو مٹ گیا جاتا رہا

میں نے دل کو صبر کا خوگر بنایا جبر سے
آپ سمجھے درد اس کا بے دوا جاتا رہا

پوچھتے تھے روز مجھ سے عشق تیرا کیا ہوا
آج اُن سے میں نے جل کر کہدیا جاتا رہا

تم وہی شوخی وہی چتون وہی صورت وہی
شرم آنکھوں نے چرالی اور کیا جاتا رہا

چال اچھی چل گیا اُن کا لبِ پیماں شکن
دو ہی باتوں میں وہ سب کا گلا جاتا رہا

مجھکو مطلب اُن سے کیا میں وضع کا پابند تھا
بے غرض بے واسطے بے مدعا جاتا رہا

اپنی صورت سے ڈرے وہ حال میرا دیکھکر
بن سنور کر آئینہ کا دیکھنا جاتا رہا

اوپری دل سے وہ بن بیٹھے تھے میری سوگوار
اُن کو یہ افسوس ہے رنگ حنا جاتا رہا

ساتھ جائیگی ہمارے یاد اُس کی قبر میں
اور جو کچھ دل میں تھا اسکے سوا جاتا رہا

اور کیا تھا دو گھڑی کا لطف صحبت اُنسے تھا
غیر کے ڈر سے وہ ہنسنا بولنا جاتا رہا

مٹتے مٹتے داغِ حسرت دل سے آخر مٹ گیا
رفتہ رفتہ سوزِ الفت کم ہوا جاتا رہا

غم نہیں کعبہ میں مجھکو کچھ خدا کے فضل سے
صرف اتنا ہی بتوں کا سامنا جاتا رہا

سُن کے وہ **بیخود** کا مرنا پہلے تو چپکے رہے
پھر یہ بولے بات کرنے کا مزا جاتا رہا

پھر ذرا غیر کو بُرا کہنا
ہم سے چلتے ہو واہ کیا کہنا

بار ہے دل کی بات کا کہنا
آپ کی ناز کی کا کیا کہنا

یہ نرالی ہے شوخیِ تقریر
آگیا آپ کو بُرا کہنا

کل ہوئیں اُن سے دیر تک باتیں
یاد آیا نہ مدعا کہنا

وہ ابھی عاشقی سے کیا واقف
ایسی باتوں کا اُن سے کیا کہنا

کل کا غصہ ابھی نہیں اُترا
آج پھر روٹھنا بُرا کہنا

غیر پر ڈال کر نہ کچھ کہئے
میں سمجھتا ہوں آپکا کہنا

بزمِ دشمن میں جا کے دیکھی سیر
نہ سُنا آپنے مرا کہنا

غیر کی جان کو دعائیں دو
آگیا تم کو بیوفا کہنا

وہ اُدھر ہمسے روٹھ بیٹھے ہیں
نہیں سنتی اِدھر قضا کہنا

جس پہ دشمن کی جان جاتی ہو
اُس ادا کو نہ تم ادا کہنا

کاٹ ڈالوں زبان خنجر سے
نہیں سنتا وہ بیوفا کہنا

قیس سے تم اگر ملو **بیخود**
میری جانب سے بھی دُعا کہنا

چلنا اُنہیں دشوار دمِ مشق ستم تھا
پڑتا تھا جہاں پاؤں تہِ دل زیرِ قدم تھا

دُہرا شب فرقت میں مجھے رنج و الم تھا
اُن کو بھی مری چاہ تھی یہ اور ستم تھا

وہ دل کو لیا چاہتے تھے مکر و دغا سے
وہ عہدِ وفا وصل کی شب عین ستم تھا

احباب دمِ نزع اُسے لائے تو ہوتے
گو بند زباں تھی مگر آنکھوں میں تو دم تھا

دیکھی نہ سنی ہم نے تو یہ حشر خرامی
شاکی تری رفتار کا ہر نقشِ قدم تھا

غش تک تو رہا رنج جدائی سے افاقہ
جب ہوش ہوا پھر وہی ہم تھے وہی غم تھا

یہ رتبہ کہاں کوہکن و قیس نے پایا
وہ ہم نے کیا عشق میں جو کام اہم تھا

کھویا ہے مجھے دنیا تری آؤ بھگت نے
ثابت یہ ہوا وہ بھی اک انداز ستم تھا

یہ کون گیا تھا ترے کوچہ سے نکل کر
میرا دل بیتاب تھا جو نقش قدم تھا

افسانۂ غم سُن کے وہ فرماتے ہیں مجھ سے
یہ ہم نہیں سمجھے تجھے کس بات کا غم تھا

جاتے ہی ترے پھر نہ رہا صبر پہ قابو
آنکھیں تھیں مری اور ترا نقشِ قدم تھا

دل لے گئے وہ چھین کے بیخود سے شب وصل
پوچھے کوئی اُن سے یہ ستم تھا کہ کرم تھا

گھر میں اللہ کے قیام کیا
حق تو یہ ہے بتوں نے کام کیا

کم نگاہی نے اُس کی کام کیا
آپ مارا قضا کا نام کیا

میرے دشمن ملیں رقیبوں سے
دوستی کو تری سلام کیا

تیغ لیکر وہ گھر سے جب نکلے
پڑ گئی دھوم قتل عام کیا

وصل کی آرزو میں جان گئی
ہجر نے کام ہی تمام کیا

کہدئے اُن سے بھید سب دل کے
جان جو کہوں کہ ہم نے کام کیا

غیر سے جب کبھی ہوئیں باتیں
ہم نے مُنہ پھیر کر کلام کیا

کبھی پھرتے رہے وہ آنکھوں میں
کبھی دل میں مرے قیام کیا

دمِ رخصت یہ چھیڑ تو دیکھو
اُس نے جھک کر مجھے سلام کیا

شکوے غیروں سے ہیں محبت کے
تم نے اس خاص کو بھی عام کیا

گھر سے چل کر یہیں تم آئے ہو
یا کہیں اور بھی قیام کیا

چلتے چلتے اڑا لیا دل کو
سحر اُس نے دمِ خرام کیا

اس قدر ظلم ایسی جیداری
اس نزاکت پہ قتلِ عام کیا

معجزہ تھا یہ اُن کے بسمل کا
دہنِ زخم سے کلام کیا

مے نہ پی ہجرِ یار میں بیخود
اور توبہ کا تو نے نام کیا

وہ ترچھی نظر قہر ڈھاتی ہے کیا کیا
وہ بانکی ادا دل لبھاتی ہے کیا کیا

وفا دیکھیے رنگ لاتی ہے کیا کیا
محبت ابھی گل کھلاتی ہے کیا کیا

یہ مرنے سے تم پر ڈراتی ہے کیا کیا
اجل مجھکو آنکھیں دکھاتی ہے کیا کیا

وہ کچھ مسکرانا وہ کچھ جھینپ جانا
جوانی ادائیں سکھاتی ہے کیا کیا

وہ گھبرا کے دیتے ہیں جس دم تسلی
ہنسی اُن کے رونے پر آتی ہے کیا کیا

ستمگر غضب کی ہے تصویر تیری
نگاہوں میں یہ کھائی جاتی ہے کیا کیا

تمنا سی شاطر نہ دیکھی نہ دیکھیں
تصور میں نقشے جماتی ہے کیا کیا

ہر اک گھر میں ہیں تیری صورت کے چرچے
دلوں پر یہ سکّے بٹھاتی ہے کیا کیا

پیامی سے بہرے تو ناخوش ہوئے وہ
صبا دیکھیے گل کھلاتی ہے کیا کیا

نہ دیکھا تھا جو بزمِ دشمن میں دیکھا
محبت تماشے دکھاتی ہے کیا کیا

پس پردہ شاید وہ بیٹھے ہوئے ہیں
صدا لنترانی کی آتی ہے کیا کیا

وہاں بات پر لب ہلانا ہے مشکل
سخن میں زباں پکڑی جاتی ہے کیا کیا

تری پردہ داری کے قربان جاؤں
یہ میری خطائیں چھپاتی ہے کیا کیا

تری ہوشیاری کا قائل ہوں میں بھی
ارادے مرے تاڑ جاتی ہے کیا کیا

نہ دنیا کا غم تھا نہ عقبےٰ کا کھٹکا
جوانی مجھے یاد آتی ہے کیا کیا

نہیں کو تری کوئی ہاں ہمسے پوچھے
یہ دُکھتا ہوا دل دکھاتی ہے کیا کیا

ابھی ابتدا ہے محبت کی **بیخود**
یہ آئندہ دیکھیں دکھاتی ہے کیا کیا

ردیف بائے موحدہ

گویا زبانِ حال سے ہی آپکا شباب
یہ شوخیاں یہ حُسن یہ نام خدا شباب

آنکھوں میں نشہ حُسن کا چھایا ہوا شباب
ہو خیر اپنی جان کی دیکھا ترا شباب

انگڑائی لینے میں جو پڑی آرسی پر آنکھ
کہتے ہیں اپنے عکس سے وہ دیکھنا شباب

وہ اپنے عاشقوں میں نباہیں کسی سے کیوں
اُن کو ہے یہ گمان کریگا وفا شباب

اتنی سی عمر میں تو یہ فتنے بپا کئے
ڈھاتا ہے قہر دیکھیے کیا آپ کا شباب

جو بات تیرے حُسن میں ہی لاجواب ہے
انداز۔ ناز۔ غمزہ۔ کرشمہ۔ ادا شباب

وہ جوش ہٹ گیا وہ اُمنگیں ہیں مٹ گئیں
تم کیا گئے کہ ہاتھ سے جاتا رہا شباب

آنکھوں سے ٹپکی پڑتی ہیں بدمستیاں مری
اللہ رے ترا جوش پر آیا ہوا شباب

حوروں سے کون آنکھ ملاتا ہی خلد میں
میری نگاہ میں ہی کسی شوخ کا شباب

ہر بات کے لیئے ہی مریجان ایک وقت
اب تم حیا کو چھوڑ دو اب آگیا شباب

اس عشق و عاشقی کے مزے ہمسے پوچھئے
دولت مٹائی۔ رنج سہے۔ کھو دیا شباب

کہتے ہیں اس کو وعدہ جوانی ہی اس کا نام
آثار ہا وہ شوخ یہاں چل بسا شباب

کیا خواب تھا خیال تھا آیا چلا گیا
سوتے سے اُٹھکے صُبح جو دیکھا تھا شباب

اب کیا دھرا ہے مجھ میں تری یاد کے سوا
ارمانِ دل تو لوٹ کے سب لے گیا شباب

راز و نیاز عاشق و معشوق دیکھنا
یوسف کے ساتھ قید زلیخا کا تھا شباب

دونو کا اعتبار مری آنکھ میں نہیں
معشوق بیوفا ہی تو اس سے سوا شباب

لاکھوں حسین اپنی نظر سے گذر گئے
کیا کیا بہارِ حُسن دکھاتا رہا شباب

اب چرخ پر دماغ ہی اب آنکھ کیوں ملے
ہم جانتے ہیں آپ کو تو لے اُڑا شباب

ہر گل کی پنکھڑی پہ یہ لکھا ہوا ملا
کیا بے ثبات عمر ہے کیا بیوفا شباب

وہ رنگ روپ ہی نہ وہ جوش و خروش ہی
جاتی رہی بہار ہوا ہو گیا شباب

لاکھوں پہ دل نثار ہوا بے مبالغہ
آفت میں مبتلا ہے جبتک رہا شباب

رہتا ہے پیش چشم تصور میں رات دن
میرے گلے کا ہار بنا آپ کا شباب

اپنی بھی شکل تم کو لڑکپن کی یاد ہے
بیخود سے پوچھتے ہو ترا کیا ہوا شباب

مشکل سے بعد مرگ ہوئی ہی لحد نصیب
مجھسا بھی عشق میں کوئی ہوگا نہ بدنصیب

پوری نہ ہوئیں جب بھی مری دل کی خواہشیں
ہوتی اگر نصیب سے عمر ابد نصیب

آوارہ بوئے گل کیطرح سے رہیگی روح
ہوگا نہ حشر تک بھی پھر ایسا جسد نصیب

فرماتے ہیں وہ سرو صنوبر کو دیکھ کر
اِن کو بھلا کہاں ہے یہ بوٹا سا قد نصیب

لازم ہے داغِ دل طلبِ وصل کے لئے
دولت یہ وہ نہیں کہ جو ہو بے سند نصیب

کہتے ہیں وقتِ نزع وہ پہلو میں بیٹھ کر
تجھکو تو نہیں وصال ہے تا ابد نصیب

جنت میں بھی مزار بنا ہے کہیں بھلا
اُس کی گلی میں کیوں ہو کسی کو لحد نصیب

تائید ہے خدا کی جو وہ بت ہے مہرباں
ہوتی ہے کسکو عشق میں ایسی مدد نصیب

کیا کام فوجِ رنج و الم کا مزار میں
منزل یہ وہ نہیں کہ جہاں ہو رسد نصیب

ڈوبے تمام عمر رہے ایک رنگ میں
دریائے عشق کو نہوا جزر و مد نصیب

بیخود ترے نصیب میں آرام گر نہ تھا
آئی نہ تجھکو موت بھی کمبخت بد نصیب

ملجاتا ہے رنجش کے لئے کوئی سبب خوب
ہے روٹھنے کا وصل کی شب آپکو ڈھب خوب

کہنا ہی پڑا اندر ہے تعریف پہ دل کی
ہاتھ آیا ہے ظالم کے یہ انداز طلب خوب

واقف نہیں کیا تیری بُرائی سے زمانہ
کیوں شکل تری دیکھ کے کہتے ہیں سب خوب

جو عضو ہے بے مثل ہے سانچے میں ڈھلا ہے
قد خوب کمر خوب دہن خوب ہے لب خوب

برچھی ہے یہ کلیجے کے لئے دل کیلئے تیر
کہنا وہ ستمگر کا دمِ قہر و غضب۔ خوب

دل توڑ کے میرا مجھے دیتے ہیں تسلی
آتا ہے اُنہیں رحم ستا لیتے ہیں جب خوب

یہ تو کہیں وہ اپنے کو سب سمجھے ہوئے کیا ہیں
اس جور پر اس ظلم پہ ہے دل کی طلب خوب

محشر میں کسی کی بھی نہ کچھ پیش چلے گی
فریادِ ستم کیجئے دل کھول کے اب خوب

کی بات بھی ہمسے نہ کبھی آنکھ ملا کر
ظالم کو سکھایا ہے کسی نے یہ ادب خوب

محفل میں نیا کون ہے شرم آئی ہے جس سے
کُھل کھیلی ہے زاہد سے تو اب بنتِ عنب خوب

بیخود کا کبھی نام جو سنتے ہیں کسی سے
فرماتے ہیں دیوانہ نے پایا ہی لقب خوب

اک فقط دل ہی نہیں ہجر میں تنہا بیتاب
درد فرقت سے ہے ہر عضو ہمارا بیتاب

ہم کو دیکھا تھا کسی نے کبھی اتنا بیتاب
دل ہی کچھ آج تو اندر سے ہمارا بیتاب

بات کرتے نہیں وہ ہم سے سنبھلتا نہیں دل
کہیں تمکین کی یہ صورت کوئی اتنا بیتاب

دوڑ کر میں جو شب وصل گرا قدموں پر
اُس نے غصہ سے کہا دیکھکر اچھا بیتاب

کیا کروں ہجر میں کس کس کو سنبھالوں یارب
مضطرب سینہ میں دل دل میں تمنا بیتاب

ضعف سے اب تو ہی کروٹ بھی بدلنی دشوار
جسم میں تاب و تواں تھی تو کبھی تھا بیتاب

آنکھ میں دل میں نظر میں نہیں ٹکتا دم بھر
کس قدر ہے کوئی شوخِ ستم آرا بیتاب

جب کہا میں نے کہ بیتاب ہو کتنے تم بھی
اُس نے شوخی سے کہا تیرا کلیجا بیتاب

شوقِ نظارہ میں نکلا تھا فلک پر خورشید
ہوگیا دیکھکر اُس کا رُخِ زیبا بیتاب

غیر کے خط سے پریشان نہ ہو تم دل میں
چین کرتا ہی شب و روز وہ کسکا بیتاب

اُس کی قدرت کی تماشے نظر آتے ہیں نئے
حیلہ جو آپ سا کوئی۔ کوئی ہمسا بیتاب

انہیں باتوں سے تو لگ جاتی ہی دل میں مری آگ
میرے آگے کبھی بجلی کو نہ کہنا بیتاب

وصل میں چین ہے مجھکو نہ جدائی میں قرار
کوئی مجھسا تو زمانے میں نہ ہوگا بیتاب

وہ مرا تھام کے دل بزم عدو سے اٹھنا
اور کہنا وہ کسی شوخ کا اتنا بیتاب

کھو دیئے برقِ تجلی نے بھی کچھ ہوش و حواس
اور کچھ پہلے سے تھے حضرت موسیٰ بیتاب

دیکھے معشوق بھی عاشق بھی ہزاروں ہم نے
آپ سا شوخ زمانے میں نہ ہمسا بیتاب

میکشو حضرت زاہد کی ہی نیت میں فساد
ہوگئے دیکھتے ہی ساغر و مینا بیتاب

میرے ہمراہ تڑپتا ہے مرا سایہ بھی | اور ہو گا شب فرقت میں کوئی کیا بیتاب

مضطرب دیکھ کے **بیخود** کو کہا ظالم نے
آج سے ہم نے رکھا نام تمہارا بیتاب

ردیف بائے فارسی

عاشق سمجھ رہے ہیں مجھے دل لگی سے آپ
دل بھی کبھی ملا کے ملے ہیں کسی سے آپ

سب کو جواب دیگی نظر حسب مدعا
واقف نہیں ابھی مری دل کی لگی سے آپ

مرنا مرا علاج تو بیشک ہے سوچ لوں
ملنے کو روز ملتے ہیں یوں تو سبھی سے آپ

ہو گا جدا یہ ہاتھ نہ گردن سے وصل میں
سُن لیجے سب کی بات نہ کیجے کسی سے آپ

زاہد خدا گواہ ہے ہوتے فلک پر آج
یہ دوستی سے کہتے ہیں یا دشمنی سے آپ

اب گھورنے سے فایدہ بزم رقیب میں
ڈرتا ہوں اُڑ نہ جائیں کہیں نازکی سے آپ

دشمن کا ذکر کیا ہے جواب اس کا دیجئے
لیتے خدا کا نام اگر عاشقی سے آپ

شہرت ہے مجسے حسن کی اس کا مجھے ہے شک
دل پر چھری تو پھیر چکے بے رخی سے آپ

دل تو نہیں کسی کا تجھے توڑتے ہیں ہم
رستہ میں کل ملے تھے کسی آدمی سے آپ

میں بیوفا ہوں غیر نہایت وفا شعار
ہوتے ہیں مستفیض مری زندگی سے آپ

آدھی تو انتظار ہی میں شب گذر گئی
پہلے چمن میں پوچھ لیں اتنا کلی سے آپ

بدلا یہ روپ آپ نے کیا بزم غیر میں
میرا سلام ایسے ملیں اب اُسی سے آپ

اُس پر یہ طرہ سو بھی رہینگے ابھی سے آپ

ابتک مری نگاہ میں ہیں اجنبی سے آپ

پردے ہیں دوستی کے ستم کسقدر ہوئے
میں کیا بتاؤں پوچھیے یہ اپنے جی سے آپ

اے شیخ آدمی کی بھی درجے ہیں مختلف
انسان ہیں ضرور مگر واجبی سے آپ

مجھسے صلاح لی نہ اجازت طلب ہوئی
بیوجہ روٹھ بیٹھے ہیں اپنی خوشی سے آپ

بیخود یہی تو عمر ہے عیش و نشاط کی
دل میں نہ اپنے توبہ کی ٹھانیں ابھی سے آپ

لب کو جنبش ہوئی کچھ سر بھی ہلا آپ ہی آپ
اپنی باتوں کا وہ لیتے ہیں مزا آپ ہی آپ

بات وہ دل کی مرے تاڑ گیا آپ ہی آپ
بے کہے عشق کا سب بھید کھلا آپ ہی آپ

تیرے دیدار کو آنکھیں تو ترستی ہی رہیں
دل نے لوٹا تری جلوہ کا مزا آپ ہی آپ

اُس بُرے وقت میں کوئی بھی پھٹکے گا قریب
عرصۂ حشر میں ہونگے بخدا آپ ہی آپ

نہ مرے دل کا اشارہ نہ صبا کی تحریک
ڈھلکے قدموں پہ گری زلف رسا آپ ہی آپ

دیکھکر اُن کو مری شکل ہنسی آتی ہے
کیا سبب اس کا جو پوچھا تو کہا آپ ہی آپ

باریابی سے مری خاک تو محروم رہی
کوچۂ یار میں ہو آئی صبا آپ ہی آپ

غم جاوید نے دوزخ کو بھی حصہ نہ دیا
زہر مار اُس نے مرے دل کو کیا آپ ہی آپ

غیر کا دخل نہ تھا نیند کو آنے نہ دیا
رات بھر وہ مری آنکھوں میں پھرا آپ ہی آپ

لے لیا زلف مسلسل کا کسی کی بوسہ
کیا کروں کھیل گئی سر پہ قضا آپ ہی آپ

چودھویں سال میں رکھتے ہی قدم نام خدا
شوخیاں کرنے لگی اُن کی حیا آپ ہی آپ

بادۂ عیش کے ساغر میں ہوئے غیر شریک
جام الفت تری عاشق نے پیا آپ ہی آپ

بدگماں حسن کی جانب سے بھی وہ رہنے لگے
اُڑتے دیکھا ہے جو کچھ رنگ حنا آپ ہی آپ

دین خالی ہے نہ ہے آپ سے دنیا خالی
جس طرف دیکھیے ہیں جلوہ نما آپ ہی آپ

دل میں بیخودؔ کے ہے یارانِ طریقت سے ملال
اپنے اُڑتی ہے مئے روح فزا آپ ہی آپ

ردیف تائے فوقانی

بات کرنے میں گذرتی ہی ملاقات کی رات
بات ہی کیا ہے جو رہ جاؤ یہیں رات کی رات

اس شب تار میں جانیکی اجازت کیا خوب
اور پھر اُس پہ یہ طرّہ ہے کہ برسات کی رات

تکیہ خشتِ خم مے فرشِ زمیں بستر خاک
چین سے کٹتی ہی رندانِ خرابات کی رات

عالمِ نور بنا کلبۂ احزاں اپنا
یہ شب قدر ہے یا اُن کی ملاقات کی رات

سرد مہری نے تری مجھکو رُلا رکھا ہی
کبھی جاڑے میں بھی آجاتی ہی برسات کی رات

یوں وہ قابو میں نہ آئینگے شبِ وصل کبھی
تھم ذرا اے دلِ بیتاب یہ ہی گھات کی رات

حور کے شوق میں مرتے پا گئے ہم تو واعظ
کہیے کس طرح کٹی قبلۂ حاجات کی رات

غیر کا ذکر کبھی ختم بھی ہو گا کہ نہیں
یہ شبِ وصل ہے یا حرف حکایات کی رات

تھی شبِ ہجر بلا جان بچی لاکھوں پائے
خیر سے کٹ گئی صد شکر یہ آفات کی رات

ذکرِ تقصیر گذشتہ نہیں تعزیر سے کم
یہ ملاقات کی شب ہی کہ مکافات کی رات

عیش و عشرت ہے کبھی رنج و مصیبت ہے کبھی
کوئی اس کا م کا دن ہی کوئی اُس بات کی رات

اور مہمان ہے دو چار گھڑی کا بیخودؔ
آپ آرام کریں آج یہیں رات کی رات

برپا نہ ہو کیونکر سرِ بازار قیامت
گفتار قیامت تری رفتار قیامت

ڈہائینگے ترے طالبِ دیدار قیامت
نالوں سے اُٹھائینگے یہ سو بار قیامت

دشمن ترے ہمسائے میں اگر نہیں ٹھہرا
اب رہنے لگی ہے پس دیوار قیامت

جب فاتحہ کو آئے وہ ٹھکرا گئے مدفن
آئی مرے مرقد پہ کئی بار قیامت

شوخی تری دم لینے کی فرصت نہیں دیتی
ہے کیسی مصیبت میں گرفتار قیامت

پامال وہ کرتے ہیں اگر حشر بپا ہو
چلتے ہوئے ہیں فتنۂ رفتار قیامت

اچھا نہیں اُس شوخ کا بازار میں آنا
اک روز دکھائیگا یہ بازار قیامت

آئینہ تو خادم ہی سے ہاں ٹوٹ گیا تھا
معلوم نہ تھا توڑینگے سرکار قیامت

مرتا ہوں جدائی میں خبر تک نہیں ہوتی
تم سے بھی زیادہ ہے دل آزار قیامت

تو گوشۂ دامن میں ابھی جمع کئے جا
ہو جائیگی فتنوں کی خریدار قیامت

تو حشر اٹھائیگا یہ ہم جان چکے ہیں
ہو گی تری ٹھوکر سے نمودار قیامت

انصاف کبھی ہم نے تو ہوتا نہیں دیکھا
دیکھی ہے ترے کوچہ میں سو بار قیامت

دل خاک ہوا حسرت دیدار میں **بیخود**
آئی بھی اگر اب تو ہے بیکار قیامت

مری نظر میں ہے دِلّی کا ہر مکان جنت
کہاں یہ شہر بھلا واعظو کہاں جنت

بنا ہے رشکِ جناں اس کا ہر گلی کوچہ
دکھا رہی ہے زمیں زیرِ آسماں جنت

یہاں کی نُزہت و رِفعت کا پوچھنا کیا ہے
ہر ایک نخل ہے طوبےٰ ہر اک مکاں جنت

بتانِ ماہ جبین اور چاوڑی بازار
یہ بالیقین ہیں حوریں یہ بے گماں جنت

ہوئی ازل میں جو دنیا و دیں کی زیبایش
یہاں یہ شہر بنایا گیا وہاں جنت

جو دوزخی بھی یہاں آئے جنتی بنجائے
اسی جگہ تو ہے بس زیرِ آسماں جنت

یہی تو مسجد جامع ہے دیکھ لے گردوں
اسی کے گرد تو پھرتی ہی ہر زمان جنت

ق

یہاں کے شوق میں ہوتے ہیں لوگ آوارہ
کہ ڈھونڈتے ہیں مرنے کے لئے جوا جنت

جو بھول جاتے ہیں رستہ تو خضر کہتے ہیں
چلو دکھائیں تمہیں چل کے مہرباں جنت

نہیں زمانہ میں اس شہر کا جواب کہین
کرے جو ہمسری اسکی تو ایک ہاں جنت

مکاں مکاں پہ فدا ہو مکیں مکیں پہ نثار
مقابلے میں اتر آئے گر یہاں جنت

دکھاتے سیر تجھے ہم بتوں کے کوچہ کی
ترے نصیب میں زاہد مگر کہاں جنت

اُٹھا کے ہاتھ خدا سے دعا کرو **بیخود**
صلے میں پائے الٰہی یہ مدح خوان جنت

نہ یہ آنکھیں نہ یہ نقشہ نہ یہ بھولی صورت
تجھسے ملتی ہی نہیں حور و پری کی صورت

کس کی قسمت میں ہو تم یہ تو بتا دو مجھکو
کس کے کام آئیگی دنیا میں یہ پیاری صورت

کیوں بگڑتا ہے وہی صبر مجھے بھی دیگا
جس نے دی ہے بت کافر تجھے ایسی صورت

وہ مجھے بھول گئے اور یہاں ہے یہ حال
ہر گھڑی سامنے آنکھوں کے ہے اُنکی صورت

میں تو انسان ہوں دی کوئی فرشتوں کو فریب
گوری رنگت یہ قیامت ہے وہ بھولی صورت

بنگئے دیکھکر آئینہ مجھی سے تم بھی
سچ تو یہ ہے کہ بُری ہوتی ہی اچھی صورت

ہنستے دشمن سے جو اُس غنچہ دہن کو دیکھا
بند رہنے لگا دل اپنا کلی کی صورت

میری صورت سے ہو آپ کو کس بات کا ننگ
مسکرا کر جو ابھی آپ نے دیکھی صورت

آئینہ رکھہ کے مقابل یہ ہوا حکم مجھے
اس سے پوچھو کہ یہ کیوں تکتا ہی میری صورت

دل کے ہمراہ مری جان بھی وہ لیجائیں
سوچتا ہوں نکل آئے کوئی ایسی صورت

کھہ دیا دیکھ کر اُس شوخ نے لیلیٰ کی شبیہ
جس پہ دیوانہ تھا مجنوں وہ یہی تھی صورت

دل تو کیا عشق میں ہستی بھی مٹا بیٹھے ہم — آئینہ میں نظر آتی نہیں اپنی صورت

اُن کو بیخود نے جو چھیڑا تو وہ ہنسکر بولے
ہم سے کیا ہنسنے کا منہ ہے ترا روتی صورت

ردیف تائے ہندی

آگیا دم میں جو وہ رشکِ مسیحا جھٹ پٹ — ہو گیا عشق کا بیمار یہ اچھا جھٹ پٹ
اور ملنے کفِ افسوس عدو کے غم میں — اُڑ گیا دیکھئے تو رنگِ حنا کیا جھٹ پٹ
نزع میں چھوڑ کے جاتے ہو مجھے یاد رہے — مرنیوالے کو کہیں بھول نہ جانا جھٹ پٹ
جب کہا میں نے ہنسی سے کہ مرا دم نکلا — اُس نے گھبرا کے مری نبض کو دیکھا جھٹ پٹ
ذبح کے بعد یہ افسوس رہا قاتل کو — رقصِ بسمل کا ہوا ختم تماشا جھٹ پٹ
بھولتا ہوں کوئی دزدیدہ نظر کی شوخی — دل اُڑا لیگئی پہلو سے یہ کیسا جھٹ پٹ
نوجوانی میں بہت عشق سے نفرت تھی مجھے — آگیا سامنے تقدیر کا لکھا جھٹ پٹ
میرے غمخوار کی کچھ عمر بڑھا دے یارب — میرا افسانۂ غم ختم نہ ہو گا جھٹ پٹ
دلِ پُر سوز میں مہمان کو راحت نہ ملی — ڈوب کر سینہ سے پیکان نکل آیا جھٹ پٹ
ہے محبت میں سنبھلنے کو زمانہ درکار — ہو چکا ہم سے مریضوں کا مداوا جھٹ پٹ
اُس نے پوچھا تھا تسلی تجھے کب ہی درکار — میری قسمت کہ مرے مُنہ سے نکلا جھٹ پٹ
اُن کے چہرہ سے صبا نے تو اُلٹ دی تھی نقاب — بن گئی رخ کی ضیا بیچ میں پردا جھٹ پٹ
وہ یہ فرماتے ہیں بیخود سے بچے کی سُنکر — ہو گیا آج تجھے نشۂ صہبا جھٹ پٹ

ردیف ثائے مثلثہ

عشق میرا مرے دشمن کو جتاتی ہو عبث
جلنے والے کو مری جان جلاتے ہو عبث

ہمصفیران قفس گل کا وہ جوبن نہ رہا
قید صیاد سے اب چھوٹ کی جاتے ہو عبث

ہم تو پیدا ہی ہوئے چال پہ مٹنے کیلئے
نقش پا جان کے تم ہمکو مٹاتے ہو عبث

کوئی تقصیر مری کوئی سبب۔ کچھ بھی نہیں
تم کو تو اس کا مزا ہی کہ ستاتے ہو عبث

ذکر دشمن کا شب وصل کوئی موقع تھا
جاؤ بیٹھے رہو بس جان جلاتے ہو عبث

چشم مشتاق سے جب ہے تمہیں پردہ منظور
پھر جھلک اپنی یہ ہر شئے میں دکھاتے ہو عبث

تم سے بہتر ہے کہاں باغ جہاں میں کوئی گل
سیر کے واسطے گلزار میں جاتے ہو عبث

پند گو میں بھی سمجھتا ہوں کہ ہے عشق برا
یہی کہنے کیلئے روز تم آتے ہو عبث

جان قربان ہی تم پر ابھی مر جاتا ہوں
اتنی سی بات پہ تم روٹھ کے جاتے ہو عبث

گدگداؤ نہ مجھے چھیڑ کے تم ذکر عدو
چٹکیاں لیکے کلیجے میں ہنساتے ہو عبث

ہاتھ اب اس سے اٹھاؤ نہ بچے گا بیمار
تم دعا کیلئے اب ہاتھ اٹھاتے ہو عبث

کسکی طاقت جو کرے ناز و ادا کی تعریف
جب بگڑ کر وہ کہیں ہمکو بناتے ہو عبث

حلقۂ زلف نہیں حلقۂ آغوش ہے یہ
کسمساتے ہو عبث زور جتاتے ہو عبث

تم کو دنیا میں ہے انکار وہاں مل جانا
میری تقدیر کے لکھے کو مٹاتے ہو عبث

بند آنکھیں ہیں ہجو وا ابھی مکاری سے
اس کے قدموں پہ ہے سر ہوش میں آتی ہو عبث

ردیف جیم تازی

کس کے آنے کا انتظار ہی آج
کہ نظر در پہ بار بار ہے آج

ظلم سے لب پہ جانِ زار ہی آج
تم پہ قرباں یہ جان نثار ہی آج

حالتِ شوق کیا بیاں کیجے
وعدہ کل کا تھا انتظار ہی آج

کھائے جاتی ہی ہر نگاہ کرم
اس ستم کا بھی کچھ شمار ہی آج

زندہ کرتا ہے پھر کوئی مجھکو
اک قیامت سر مزار ہی آج

کل کی باتیں وہ کل کے ساتھ گئیں
بات کرنی بھی ناگوار ہے آج

روزنِ در میں گڑ گئیں آنکھیں
کس بلا کا یہ انتظار ہے آج

ضبطِ رنج والم کئے نہ بنی
نالہ پھر لب پہ بار بار ہے آج

ہے خبر گرم آمدِ گل کی
تر زباں باغ میں ہزار ہی آج

کون آیا ہے فاتحہ پڑھنے
روشنی کچھ سرِ مزار ہی آج

اب وہ غفلت نہیں ہی بیخود کو
کل کی نسبت تو ہوشیار ہی آج

مجھسے خفا ہیں کیا مرے اک مہربان آج
یارب نہ وہ زمیں ہی نہ وہ آسمان آج

آیا ہے میری قبر پہ وہ بدگمان آج
کل ہی مٹا تھا مٹتا ہی میرا نشان آج

برسوں کے بعد وہ جو ہوئے مہربان آج
ہیں دیکھتا ہوں سر پہ نیا آسمان آج

ہے موت جوشِ شوق ہوا امتحان آج
وعدہ ہی کل کا اُن سے نکلتی ہی جان آج

ملنی ہے کل تو حشر میں اس جھوٹ کی سزا
تم وعدہ کرکے اور بدل لو زبان آج

پہلے پہل بندھی ہی تمہاری کمر سے تیغ
ہوگا ضرور قتل کوئی نوجوان آج

پردہ اُٹھا کے سامنے آجاؤ بیدھڑک
ہونا ہے کل جو حشر میں ہو ہیجان آج

دشمن کے راز دار ہو تم اب کھلا ہیں
یہ تو سنائی تم نے نئی داستان آج

برسوں گذر گئے ہیں کہ دل کا پتہ نہیں
تُم ڈھونڈتے ہو سینہ میں اس کا نشان آج

دیکھو لو بزم ناز سے مجھکو اٹھاؤ تُم
ہو جائے نازکی کا بھی امتحان آج

کل تک تو محوِ حُسن تھا کھلتا نہیں یہ بھید
اپنے پہ ہو گیا مجھے اُس کا گمان آج

کس نے نقاب رُخ سے اُلٹ دی ہو وصل میں
ہے رشکِ کوہِ طور ہمارا مکان آج

لے آئیگا یہ ناقۂ لیلےٰ کو راہ پر
مجنوں کا جذب شوق بنا ساربان آج

خنجر کسی کا مدح میں دل کی ہی تر زباں
مجھکو ملا نصیب سی یہ قدر دان آج

جب تم سے واسطہ نہیں پھر کیا کسی سی کام
میری طرف سی مر گیا سارا جہان آج

جو ہم کو کچھ کہے گا بہت کچھ سُنے گا وہ
اچھی طرح سے کھولدو غیروں کے کان آج

پہنچا ہوں میں فلک پہ کسی کی تلاش میں
میرے لئے زمین بنا آسمان آج

میں نامراد ہجر میں کیا بات کر سکوں
وہ لے گئے ہیں کاٹ کی گویا زبان آج

بیخود کہیں نہ شب کو سدھارے ہوں خلد میں
پیر مغان کی بند ہے ابتک دکان آج

موت ہے اس درد فرقت کا علاج
کب مسیحا سے ہوا میرا علاج

کہتے ہیں سُنکر مسیحا کا علاج
ہم کریں گے آج سی تیرا علاج

کھینچ مارا تیر اک سفاک نے
دل کی بیتابی کا پوچھا تھا علاج

لاکھ کیجے اُن سے عرضِ مدعا
وہ تو سنتے ہی نہیں اسکا علاج

دل مرا مضطر نہ ہو ممکن ہے یہ
آپ کی شوخی کا لیکن کیا علاج

سیکڑوں بیمار غم ہجراں نصیب
چل بسے کس کی دوا کس کا علاج

زہر غم نے کر دیا مجھکو تمام
کوئی دنیا میں نہ تھا اِس کا علاج

وصل کی شب روٹھکر وہ چلدیے
تھا دل مضطر یہی تیرا علاج

مر گئے تقدیر سے یا جی نہ بچے
عشق میں کیسی دوا کیسا علاج

زہر کھلوایا فلک نے عشق میں
یہ نکالا ڈھونڈ کر اچھا علاج

چارہ سازی کی عبث تکلیف ہے
اب ہمارا موت سے ہوگا علاج

موت کے سامان ہیں وعدہ کی شب
یہ ہماری جان ہی لیگا علاج

اُن سے مل آنا تو بیخود سہل تھا
آپ کی اس بیخودی کا کیا علاج

ردیف جیم فارسی

فرقت کی شب ہزار ہیں تشویش فکر سوچ
میری گلے کا ہار ہیں تشویش فکر سوچ

عاشق کو بیشمار ہیں تشویش فکر سوچ
ایک روز میں ہزار ہیں تشویش فکر سوچ

اُن کا خیال حشر کا کھٹکا وفا کا غم
کیا کیا نہ مزار ہیں تشویش فکر سوچ

اب وہ خفا ہیں مجھ سے اب اُن سے بگڑ گئی
اب میرے غمگسار ہیں تشویش فکر سوچ

کل اُن کے قہقہے تھے خوشی تھی سرور تھا
یاروں کے آج یار ہیں تشویش فکر سوچ

پہلو میں ہے اور وہ ہیں اس کے آس پاس
اِس دل کی جاں نثار ہیں تشویش فکر سوچ

اُس سے امید رکھہ وہ بڑا کارساز ہے
بیوجہ جان زار ہیں تشویش فکر سوچ

مجبور ہوں نصیب سے کچھہ بس نہیں مرا
گو مجھکو ناگوار ہیں تشویش فکر سوچ

اُلفت میں اُس کی ان سے نہ دب کر رہونگا میں
گردن پہ کیوں سوار ہیں تشویش فکر سوچ

زخمی کیا رقیب کا تم نے نظر سے دل
میری جگر کے پار ہیں تشویش فکر سوچ

مٹتے نہیں مٹائے سے کوشش ہزار کی
کس درجہ پائدار ہیں تشویش فکر سوچ

فرقت میں اُس کی میرا پنپنا محال ہے
دشمن یہ تین چار ہیں تشویش فکر سوچ

برسوں سے ہوں فراق میں آشفتہ حال میں
مدت کے یار غار ہیں تشویش فکر سوچ

رہتے ہیں رات دن جو دل داغدار میں
اس باغ کی بہار ہیں تشویش فکر سوچ

بیخود شراب پی کے خدا سے بگاڑ لی
اب کیوں سیاہ کار ہیں تشویش فکر سوچ

ردیف حائے حطی

روٹھتے ہی اُن کے پیدا ہوگئے آثارِ صبح
تیغ بران سی زیادہ تیز تھی رفتارِ صبح

کیوں ڈرے جاتے ہو کہتے ہیں کہاں آثارِ صبح
نورِ عارض سے تمہارے سرد ہی بازارِ صبح

ہجر ساقی میں صبوحی رنگ لائی ہے نیا
ساغرِ مے بنگیا ہی دیدۂ خونبارِ صبح

زلف کے پھندے سے نکلا دل تو عارض نے لیا
تھا مریض شام پہلے اب ہی یہ بیمارِ صبح

وہ عنایت کی نظر وہ لطف کی باتیں کہاں
اُن کے چہرہ سے عیاں ہونے لگے آثارِ صبح

کس کا یہ دست دُعا دست زلیخا بنگیا
چاک کس نے کر دیا یہ دامن زرتارِ صبح

تیرہ بختی بھی بلی ہے مجھکو آہ سرد بھی
دیکھنی ہے حشر کے دن گرمئ بازار صبح

وعدہ کرنا سہل ٹھہرا ہو لجانا سہل تر
یاد رکھے شام تک اُن کی بلا اقرار صبح

وہ دم رخصت شرارت سے نچو کے کہگئے
دیکھنا یہ ماہ ہے یا خنجرِ خونخوار صبح

کر رہی ہے خواب سے بیدار غنچوں کو نسیم
منعقد ہونے کو ہے گلزار میں دربار صبح

وصل میں یہ کہکے اُس نے ڈال لی منہ پر نقاب
اب نہ ہوگا حشر سے پہلے تجھے دیدار صبح

پہلے آنیکی قسم تھی اب سبق جانیکا ہے
شام کی حجت سے کچھ بڑھنے لگی تکرار صبح

کیا خبر تھی رنگ لائیگی سیہ بختی مری
شام پر ٹالینگے مجھکو کرکے وہ اقرار صبح

چلتے چلتے پوچھنا مطلب ترا حاصل ہوا
یاد آئیگا قیامت تک یہ استفسار صبح

دیکھ لی ہے نرگسِ مخمورِ ساقی خواب میں
مست دن بھر کے لئے تو ہوگئے میخوار صبح

میرے داغِ دل سے حاصل ہے ضیا خورشید کو
میری آہِ نیم شب ہے غازۂ رخسار صبح

چاند سورج دو مجاور ہیں ہماری قبر کے
مونس شب ایک ہے ان میں تو اک غمخوار صبح

چین سے گذری محبت میں نہ بیخود ایک شب
ہجر میں تھا وصل کا غم وصل میں افکار صبح

رات بھر گردش تھی اُن کے پاسبانوں کی طرح
پاؤں میں چکر تھا میرے آسمانوں کی طرح

بے نشاں سمجھے ہو تم اپنا دہن اپنی کمر
مٹنے والا ہے یہ دل بھی بے نشانوں کی طرح

دل میں ہیں لیکن اُنہیں دل سے غرض مطلب نہیں
اپنے گھر میں رہتے ہیں وہ میہمانوں کی طرح

نام پر مرنے کے مرتے ہیں مگر مرتے نہیں
کون جی سکتا ہے ہمسے سخت جانوں کی طرح

بیٹھے جاتے تھے مرے دل کی طرح ہر گام پر
کس سے سیکھی ہو یہ چلنا ناتوانوں کی طرح

کون ہے وہ جو نہیں ہے چاہنے والا ترا
عشق اب رہنے لگا سینوں میں جانوں کی طرح

کچھ نئی ہے حُسن والوں کی بھی یارب آن بان
ہے الگ دُنیا سے ان بانکے جوانوں کی طرح

اے دلِ غمگیں وہ آئیں گے مبارک ہو تجھے
وہ چلا آتا ہے قاصد شادیانوں کی طرح

دل کے دینے کا کہیں چرچا نہ کرنا دیکھنا
اسکے دل سمجھا رہے ہیں مہربانوں کی طرح

حال پرسی پرسشِ روز جزا سے کم نہیں
پوچھ جاتے ہیں وہ مجھکو بدگمانوں کی طرح

دل جو کچھ کہتا ہے کرتے ہیں وہی **بیخود** مگر
سُن لیا کرتے ہیں سب کی بے زبانوں کی طرح

آیا تمہارا دل بھی جو مجھ پر مری طرح
پھر دیکھنا ستاؤں گا میں بھی اسی طرح

جاہل ہے دل بھی ناصحِ مشفق تری طرح
میں کیا کروں کہ یہ نہیں سنتا کسی طرح

آنکھوں میں پتلیوں کی طرح رات بھر پھرے
بیتاب و بیقرار تھے وہ بھی مری طرح

لیتا ہے دل میں دستِ تسلّی سے چٹکیاں
کرتا ہے ظلم وہ بُتِ کافر نئی طرح

یارب ہمارے دل کو بچانا شبِ وصال
پیچھے پڑی ہیں اُس کی نگاہیں بُری طرح

اب نام بھی وفا کا نہ لوں گا تمام عمر
مجھسے خطا ہوئی مجھے بخشو کسی طرح

یہ ہے غلط گمان کہ شکوہ سُنا نہیں
میں جانتا ہوں جان کے ظالم دبی طرح

دشمن نے پاس رہ کے بگاڑیں سب عادتیں
خوب آزمالی وضع تری دیکھ لی طرح

وصل آپ کا نہیں تو مری جان بھی نہیں
امید زندگی کی ہے بس ایک ہی طرح

کیا قہر ہو گیا جو کہیں ہاتھ چھو گیا
یہ جرم پھر معاف بھی ہوگا کسی طرح

اُس کی نگاہِ ناز کبھی چوکتی نہیں
کرتی نہیں خطا یہ کبھی تیر کی طرح

دشمن زمانہ یار مخالف فلک عدو
الفت میں زندگی تو ہے دو بھر سبھی طرح

پھر آگیا قرار دلِ بے قرار کو
پھر ایک بار دیکھ لو مجھکو اُسی طرح

تصدیق اس کی آپ سے کرنی ضرور ہے	میں نے سنا ہے قصہ دشمن کی طرح

بیخود فراق یار میں آئی نہ موت بھی
کمبخت یہ بھی ٹال گئی دے گئی طرح

ردیف خائے معجمہ

پھولوں سے لد رہی ہے ہر اک یاسمن کی شاخ — جس پر نگاہ کیجئے ہے لاکھ من کی شاخ

سمجھے ہوئے ہوں تیغ کو اک بانکپن کی شاخ — مقتل کو جانتا ہوں تری انجمن کی شاخ

صیاد کوئی دن کے فقط ہیں یہ چہچہے — ڈھونڈیگی عندلیب کو اک اک چمن کی شاخ

گلبرگ بن گئیں کفِ رنگیں کی مچھلیاں — نازک کلائی اسکی بنی یاسمن کی شاخ

بجلی نے مجھ پہ گر کے چمن کو جلا دیا — تھی شاخِ آشیاں مری نخلِ کہن کی شاخ

دیتے ہیں عاشقوں پہ وہ ترجیح قیس کو — مجنوں میں ایک لگ گئی دیوانہ پن کی شاخ

محوِ جمال ہیں کسی گل پیرہن کے گل — مشتاقِ دید ہے کسی نازک بدن کی شاخ

دیکھی ہے جب سے کاکلِ خمدار یار کی — بل کھا رہی ہے رشک سے کیا کیا ہرن کی شاخ

بولے وہ میری آہ شرربار دیکھکر — کس باغ کے یہ پھول ہیں یہ کس چمن کی شاخ

ٹیڑھی نکالی - مانگ نکالی جو زلف میں — نکلی ہے سادگی میں نئی بانکپن کی شاخ

کیونکر نہ منہ سے پھول جھڑیں بات بات پر — غنچہ ترا دہن ہے زباں ہے دہن کی شاخ

دیتا ہے بانکپن کی ادا ظالموں کو چرخ — پیدا ہوئی کجی کے لئے گردن کی شاخ

آنکھوں سے اشکِ سرخ ٹپکتے ہیں آندن — غربت میں گل کھلاتی ہے یادِ وطن کی شاخ

پھر دل میں یادِ یار سے اک آگ لگ اٹھی
سر سبز پھر ہوئی مرے رنج و محن کی شاخ

تجھ پر ہر ایک تیری ادا ختم ہو گئی
لیلےٰ کے حسن میں یہ کہاں بانکپن کی شاخ

گنتا ہوں میں قفس میں قفس کی جو تیلیاں
میری نظر میں ہے ابھی اک چمن کی شاخ

رکھیں بچا کے بادِ خزاں سے بہارِ حسن
گل اس سلیقہ کے ہیں نہ ہے اس چلن کی شاخ

پھانستا ہے سبز باغ دکھا کر رقیب کو
ہے لطف بار ور ہو فریب و فتن کی شاخ

بیخود پیا ہے خونِ جگر اس زمین میں
کس طرح بار ور نہ ہو نخلِ سخن کی شاخ

ردیف دال مہملہ

آنکھوں کے بوسے ملتے ہیں ترچھی نظر کے بعد
پیتا ہوں میں شراب بھی خونِ جگر کے بعد

ل جائے وہ تو اس کی بلائیں ضرور لوں
یں ڈھونڈنے چلا ہوں دعا کو اثر کے بعد

روشن ہے جسکے جلوے سے قندیل عرش کی
آتنا تو سوجھتا نہیں کوئی بشر کے بعد

وہ تیر سے چھدا تو یہ خنجر کی نذر ہے
مہمان کوئی دم کا ہے دل بھی جگر کے بعد

پہلے ہوا ہے مجھسے نزاکت کا امتحان
باندھی ہے اس نے قتل پہ ہمت کمر کے بعد

نکلی یہ جان یا کوئی کانٹا نکل گیا
راحت ملی ہے آج مجھے عمر بھر کے بعد

نازل ہوئی ہے وعدہ کی شب شام ہی سے تو
آنا تھا اے اجل تجھے اس بے خبر کے بعد

پہلو میں ہم کھڑے ہیں مقابل ہے آئینہ
پڑتی ہے ان کی آنکھ ادھر بھی ادھر کے بعد

تربت میں اب مجھے ہے قیامت کا انتظار
آئیگی یہ بلا بھی تو اس فتنہ گر کے بعد

میں اپنے گھر کو جاؤں سدا ہیں وہ اپنی گھر
کس کام کی ہی موت جو آئی سحر کے بعد

پیہم خلش وہ خار تمنا کی اب کہاں
اُٹھتی ہی دل میں ہوک پہر دوپہر کے بعد

پیش آئیں راہ عشق میں وہ سخت منزلیں
رہزن کی ہے تلاش مجھے راہبر کے بعد

اُن میں کہاں یہ ناز یہ شوخی یہ بانکپن
حوروں سے کیا ملے کوئی اُس سیمبر کے بعد

سب حسرتوں کا آکے یہیں جمگھٹا ہوا
آباد اپنا گوشۂ تربت ہی گھر کے بعد

بیخود سے وضعدار کہاں اب جہان میں
مجھسے بھی ملنے آئے تھے کل دوپہر کے بعد

اپنا تو چارہ گر سے گیا ہی نہ جائے درد
سر مبتلائے درد ہے دل مبتلائے درد

جو زندگی میں تھے وہی مرکز بھی پائے درد
چھوڑا نہ ساتھ درد نے دیکھی وفائے درد

دل ہی نہیں کسی کا گذارا سوائے درد
آباد ہی فراق میں مہمانسرائے درد

ناصح خدا کے واسطے میری نہ جان کھا
دیوانہ ہوں جو تجھ سے کہوں ماجرائے درد

میں قدر دان درد ہوں مجھسے پوچھیے
انساں نہیں ہی وہ جو نہ ہو آشنائے درد

کیا کیجیے دل میں ضبط کی طاقت نہیں رہی
بے اختیار منہ سے نکلتا ہی ہائے درد

سننے کے واسطے کوئی ہمدرد چاہیئے
کہنا ہے ہجر میں مجھے کچھ ماجرائے درد

آنکھیں نکالئے نہ دلِ بے قرار پر
انصاف شرط ہی کوئی کب تک چھپائی درد

برسوں کے جو رفیق تھے وہ بھی نہ کام آئے
اپنا ہوا نہ ہجر میں کوئی سوائے درد

آنے نہ دی کبھی جگر و دل پہ کوئی چوٹ
جھیلے ہیں اپنی جان پہ ہمنے پرائے درد

دم بھر میں بھول جائے یہ ساری شرارتیں
گر وصل ہو نصیب تو قابو میں آئے درد

رہبر کی ٹھوکروں سے بھی کھائی ہی دل نے چوٹ
حاصل ہوا نہ عشق میں کچھ بھی سوائے درد

مژگاں کی یاد اور ہی کچھ رنگ لائیگی
دل میں بجائے داغ کوئی آرزو رہے
وہ زار ہوں کہ جسکو صبا کروٹیں پلوائے

کہدو کہ ہاتھ اب مری دل سے اٹھائے درد
پہلو میں ہو کوئی ستم آرا جبائے درد
وہ ناتواں ہوں جسے اٹھکر اٹھائے درد

بیخود شبِ فراق شبِ وصل تو نہیں
آجائے تجھکو نیند جو اے مبتلائے درد

ہو رشک سے دل مضطر سنگ آمد و سخت آمد
پوچھے جو وہ بت ہنسکر عاشق ہو کہو کس پر
گردن نہ کٹی پوری اللہ رے مجبوری
چاہت بھی بُری تیری فرقت بھی بُری ٹہری
قسمت کی شکایت پر دشمن کی حکایت پر
اُن کا تو کہاں آنا قاصد بھی نہیں آتا
اظہار محبت بھی سمجھا ہے غلط کوئی
سمجھے جو مرا مطلب اُس شوخ کو کیا مطلب
آتی ہو اُسے کیسی برچھی سی چبھو دینی
انکار محبت سے کہنا یہ شرارت سے
جو ہے وہ نرا اشا کی اس طرح کی سفاکی
دُنیا میں جسے دیکھا روتا ہی ہوا پایا

یہ بوجھ اُٹھے کیونکر سنگ آمد و سخت آمد
کیا حال کہوں پتھر۔ سنگ آمد و سخت آمد
چلتا ہی نہیں خنجر سنگ آمد و سخت آمد
تو سب سے بُرا خود سر سنگ آمد و سخت آمد
مُنہ پھیر لیا ہنسکر سنگ آمد و سخت آمد
کر صبر دلِ مضطر سنگ آمد و سخت آمد
یہ بھی تو نہیں باور سنگ آمد و سخت آمد
آیا بھی یہ دل کس پر سنگ آمد و سخت آمد
ہر بات میں ہر پھر کر سنگ آمد و سخت آمد
ہم کو تو نہیں باور سنگ آمد و سخت آمد
جاری ہی زبانوں پر سنگ آمد و سخت آمد
کہتا ہی سُنا اکثر سنگ آمد و سخت آمد

تا روزِ جزا بیخود ہو دیکھئے کیا بیخود
ہی دور بہت محشر سنگ آمد و سخت آمد

یاد مژگاں میں تڑپتا ہوں نہیں آتی ہی نیند
مین تو سنتا تھا کہ سولی پر بھی آجاتی ہی نیند

دل کو مضطر دیکھکر آنکھوں سے اُڑ جاتی ہی نیند
لاکھ بدلوں کروٹیں فرقت میں کب آتی ہی نیند

اِس کا شکوہ کیا شبِ وعدہ جو اُڑ جاتی ہی نیند
تم نے ترسایا ہی مجھکو تم کو ترساتی ہی نیند

تیرے کشتے پاؤں پھیلا کر نہ سوئیں کس طرح
تیغ اُٹھنے بھی نہیں پاتی کہ آجاتی ہی نیند

دیدۂ دل میں نہیں ہی خواب غفلت کو جگہ
بند ہیں آنکھیں مگر آنے نہیں پاتی ہی نیند

بیٹھے بیٹھے جو شبِ وعدہ جھپک جاتی ہی آنکھ
اُن کے آنیکی خبر دینے مجھے آتی ہی نیند

بزم دشمن میں نہیں جاگے قسم کھاتے ہو تم
ہیں خمار آلودہ آنکھیں تم کو جھٹلاتی ہی نیند

وصل میں عرض مصائب پر ملا الزام یہ
آپ کی باتوں سے میری تو اُڑی جاتی ہی نیند

عشق دشمن میں بنے تھے ہم تمہارے رازدار
تم کو ہمسے پوچھنا تھا کیوں نہیں آتی ہی نیند

سوتے سوتے آگیا ہی کس کی شوخی کا خیال
دل تپاں سینے میں ہی آنکھوں میں گھبراتی ہی نیند

کوئی مشتاق تمنا ہی تو کوئی حیلہ جو
مجھکو پھسلاتی ہی قسمت اُن کو بہلاتی ہی نیند

آگے پھر جاتی ہی پلکوں تک نئی شوخی ہی یہ
ہجر میں معشوق بنکر مجھکو ترساتی ہی نیند

سو گیا وعدے کی شب میں سو گئے میرے نصیب
زندگی بھر اب نہ آئیگی قسم کھاتی ہی نیند

ہو طلب اُسکی تو پھر انسان چوکتا رہے
ہر قدم پر ٹھوکریں طالب کو کھلواتی ہی نیند

ہجر میں کیا کیا تڑپ کر جاگ کر گذری ہی عمر
موت ہے مجھسے خجل آنکھوں سے شرماتی ہی نیند

آنکھ لگنی ہجر میں بیخود بہت دشوار ہے
اُن کی آنکھوں کے تصور میں اُڑی جاتی ہی نیند

مجھکو نہ دل پسند نہ وہ بیوفا پسند
دونوں ہیں خود غرض مجھے دونوں ہیں ناپسند

یہ دل وہی تو ہے جو تمہیں اب ہی ناپسند
معشوق کرچکے ہیں جسے بارہا پسند

جنسِ وفا کو کرتے ہیں اہل وفا پسند | دشمن کو کیا تمیز ہے دشمن کی کیا پسند

جنت کی کوئی حور نظر پر چڑھی نہیں | دنیا میں مجھکو ایک پریزاد تھا پسند

روندی کسی نے پائے حنائی سے میری نعش | تھی زندگی میں مجھکو جو بوئے حنا پسند

وہ بدنصیب ہے جسے آیا پسند تو | قسمت تو اُس کی ہے جسے تو نے کیا پسند

چڑتے ہیں وہ سوال سے یہ ہم سمجھ گئے | ہے اسلیئے اُنہیں دل بے مدعا پسند

صورت بھی پیش چشم ہے سیرت بھی پیش چشم | دم بھر میں تو پسند ہے دم بھر میں نا پسند

تجھکو غرورِ زہد ہے شرمِ گنہ مجھے | زاہد کسے خبر کہ خدا کو ہو کیا پسند

چوٹیں چلیں گی خوب برابر کی جوڑ ہے | تو ہے ادا شناس تو ہیں ہم ادا پسند

ہر پھر کے اُن کی آنکھ عدو سے نہ کیوں لڑے | فتنہ کو کرتی ہے نگہ فتنہ زا پسند

میں خود سکھا رہا ہوں ستم کی ادا اُنہیں | دُنیا میں کب ہوا کوئی مجھسا جفا پسند

رکھدینگے آئینہ کے برابر ہم اپنا دل | یا تو یہ ناپسند ہوا اُن کو یا پسند

کس درجہ سادہ لوح ہیں عاشق مزاج بھی | جو ڈھب پہ چڑھ گیا وہ انہیں آگیا پسند

میرا ہی کیا قصور یہ مجھ پر ستم ہے کیوں | آنکھوں نے دیکھا آپ کے دل نے کیا پسند

انکار سُن چکے ہیں طلبگار کیوں بنیں | ملتا نہیں کوئی تو ہے بے فائدہ پسند

بیخود تو مر مٹے جو کہا اُس نے ناز سے
اک شعر آگیا ہے ہمیں آپ کا پسند

سینے میں ضعف دل سے ہوئی میری آہ بند | کل سے ہے اس غریب مسافر پہ راہ بند

کیا محتسب کے ڈر سے ہوئے ہیں گناہ بند | رہتا ہے رات دن جو درِ خانقاہ بند

وہ چہچہے کہاں وہ کہاں انبساط دل | کچھہ بات کی تو ہو گئی دم بھر کو آہ بند

پاس اپنے خواب میں بھی اُسے دیکھتے ہیں ہم — آنکھوں کے ساتھ کب ہی ہماری نگاہ بند

مژگاں ہیں اُس کی تیر کلیجہ کے واسطے — دل کے لئے ہے حلقۂ زلف سیاہ بند

قسمت ہماری وصل میں بنکر بگڑ گئی — کرتا ہی جور کب فلکِ کینہ خواہ بند

سنسان بتکدہ بھی ہے ویران طور بھی — ہے تیرے عہد میں تو ہر اک جلوہ گاہ بند

یہ مدرسہ نہیں ہے یہ رندوں کی بزم ہے — رکھیں یہاں زبان مشیخت پناہ بند

اے محتسب ہی دخترِ رز کا قصور کیا — کب تک رہیگی شیشہ میں بے گناہ بند

میں تو خدا گواہ ہے بندہ ہوں عشق کا — کیونکر ہوا ن بتوں سے مری رسم و راہ بند

آنکھیں تو کھولو دیکھو تو صبح ہو گئی — کب تک رہیگی شرم سی چشمِ سیاہ بند

سُنوار ہی ہے میری وفا گالیاں مجھے — رکھتی ہے میرے مُنہ کو بھی خیر خواہ بند

تیری گلی میں کافر و دیندار جمع ہیں — برسوں ہوئے کہ دیر و حرم کی ہے راہ بند

یوں دل میں آہ و نالہ و فریاد بند ہیں — ہو جس طرح سے قلعہ میں کوئی سپاہ بند

بیخود جو تو ہنسا بھی تو آنسو نکل پڑے
رونا کبھی ہوا نہ ترا روسیاہ بند

اللہ رے وہ رُوئے پر انوار محمدؐ — تھا عرش پہ بھی جلوۂ رخسارِ محمدؐ

آنکھوں کو میسر ہے دیدارِ محمدؐ — کانوں کو ملے لذتِ گفتارِ محمدؐ

ہیں دین کے سامان بھی دنیا کے بھی اسباب — دیکھے کوئی یہ وسعت دربارِ محمدؐ

شاہوں کو شرف اُن کی غلامی ہی سے حاصل — کس شان کی سرکار ہے سرکارِ محمدؐ

اک شمع تجلی ہے سراپا قد زیبا — جبرئیل ہیں پروانہ رُخسارِ محمدؐ

اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آئے — ہو جائے اگر خواب میں دیدارِ محمدؐ

اعجازِ مسیحی کا یہاں دخل نہیں ہے
اچھا نہ ہو عیسیٰ سے بھی بیمارِ محمد

طوبے کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھوں
مل جائے اگر سایۂ دیوارِ محمد

دیدارِ خدا کا ہوں محمد سے طلبگار
اللہ سے ہوں طالبِ دیدارِ محمد

اب تک بھی تو باقی ہے مدینہ میں وہ خوشبو
تھے مشک فشاں گیسوئے خمدارِ محمد

آتی تھی صدا پردہ سے معراج کی شب میں
یہ رتبۂ عالی ہے سزاوارِ محمد

اعجاز ہے دیتی ہے فنا کام بقا کا
مر کر بھی تو مرتا نہیں بیمارِ محمد

سایہ تو رہا عرش پہ حضرت تھے زمیں پر
دیکھے کوئی یہ تیزئ رفتارِ محمد

کیا تاب بشر کی ہے جو بہر عرض کرے کچھ
جب خالق اکبر ہو خریدارِ محمد

سحباں کی طرح اس کا بھی لڑ جائے مقدر
بیخود بھی ہے شاعر دربارِ محمد

ردیف دال ثقیلہ

تیغ پر ہے ناز قاتل کو جوانی پر گھمنڈ
سامنے آئے جسے ہو سخت جانی پر گھمنڈ

حضرتِ زاہد کو ہے تسبیح خوانی پر گھمنڈ
ہم گنہگاروں کو تیری مہربانی پر گھمنڈ

ہوتا ہے کس لئے دم بھر کی ہے تیری نمود
اے حباب اچھا نہیں اک بوند پانی پر گھمنڈ

آج دیکھیں غیر اٹھیں بزم سے پہلے کہ ہم
ان کو تجھ پر ناز ہم کو ناتوانی پر گھمنڈ

ہے ابھی سب کچھ ابھی جھپکی پلک کچھ بھی نہیں
کیجئے کیا خاک اس دنیائے فانی پر گھمنڈ

خالِ عارض کا معمہ بھی نہ تم سے حل ہوا
بس اسی منہ سے کیا تھا نکتہ دانی پر گھمنڈ

دون کی لینے لگے سب آکے اُسکی بزم میں
ہو زبانِ شمع کو بھی گلفشانی پر گھمنڈ

عیش دنیا کے نگاہوں میں سماتے ہی نہیں
مجھکو ہو کیونکر نہ رنجِ جاودانی پر گھمنڈ

بھول کر بھی اب کسی سے بات وہ کرتے نہیں
بڑھ گیا ایسا دہن کی بے نشانی پر گھمنڈ

پیری و صد عیب تو **بیخود** مثل مشہور ہے
اور کر لیجے ابھی کچھہ دن جوانی پر گھمنڈ

ردیف ذال معجمہ

جیب میں رکھہ لیا اُس شوخ نے پڑھکر کاغذ
کاش ہوتا مرے خط کا دل مضطر کاغذ

میں نے کھینچی ورق دل پہ تمہاری تصویر
میرے نزدیک تو ہی سب سے یہ بہتر کاغذ

خط میں لکھی ہے جہاں زلفِ سیہ کی تعریف
سادہ چھوڑا نہ وہاں بال برابر کاغذ

مدعا یہ ہے کہ دل کو ترے پامال کریں
اُس نے بھیجا ہے جو مٹھی میں مسل کر کاغذ

اب وہ اخبار کا پرچہ بھی جلا دیتے ہیں
اب اُنہیں خط ہی مرا سوجھتا ہی ہر کاغذ

نامہ آیا تھا ابھی اُن کا ابھی تار آیا
بے چلے آتے ہیں بُلاوے کے برابر کاغذ

خط کی تحریر سے ہے فتنہ اُٹھانا منظور
عطر فتنے میں جو بھیجا ہے بسا کر کاغذ

خط کتابت نہ ہو غیروں سے یہ ممکن ہی نہیں
اُڑتے پھرتے ہیں ترے کوچہ میں اکثر کاغذ

دل کو زخمی کئے دیتی ہے کسیکی تحریر
بنگیا آج تو میرے لئے خنجر کاغذ

باتیں تحریر میں ہوتی ہیں خریداروں سے
پاس محفل میں بھی رکھتا ہے وہ خود سر کاغذ

ایسے تنگ آئے ہیں اب وہ مری تحریروں سے
کوستے ہیں کہ نہ ہو تجھکو میسر کاغذ

خط میں تحریر ہے کچھ حال گراں جانی کا
ڈر یہ ہے توڑ نہ دے بال کبوتر کا غذ

لکھدیا اُس نے اگر وصل کا وعدہ **بیخود**
لطف دے گا مئے انگور سے بڑھکر کاغذ

میں نے باندھا نہیں حُب کا اسی ڈر سے تعویذ
کہ چھپیگا نہ ستمگر کی نظر سے تعویذ

غیر کی بزم میں مجھ سے نہ ملی آنکھ اُنکی
مجھکو خالی نظر آتا ہے اثر سے تعویذ

نامہ بر مان کہا تیرا بگڑتا کیا ہے
باندھ لے نامے کے ہمراہ کمر سے تعویذ

اب کئی روز سے اس بات کا چرچا ہے وہاں
باندھ جاتا ہے کوئی پردۂ در سے تعویذ

ڈال لو اس کو گلے میں نظرِ بد کے لئے
لکھ کے لایا ہوں یہ میں خونِ جگر سے تعویذ

سبز ٹہنی میں جو میں شام کو باندھ آیا تھا
جا پڑا اُڑ کے کہیں بادِ سحر سے تعویذ

نقش ہے دل پہ ہر اک شخص کے صوت جسکی
کم ہے تاثیر میں اُس شعبدہ گر سے تعویذ

شوقِ تسخیر بھی ہے پاسِ نزاکت بھی اُنہیں
تول کر باندھتے ہیں وہ گلِ تر سے تعویذ

شب کو **بیخود** یہ نئی سیر نظر آئی ہے
بن کے پروانہ جلا سوزِ جگر سے تعویذ

ردیف رائے مہملہ

دور ہیں تجھ سے جو تیرے وطن میں رہکر
خار کھائے ہوئے ہیں پھول چمن میں رہکر

فکر تھی ترکِ وطن کی جو وطن میں رہکر
روح کو چین نہ تھا میرے بدن میں رہکر

نگہتِ گل سے کہا گل نے چمن میں رہکر
بے وطن ہم ہوئے جاتے ہیں وطن میں رہکر

آپ کچھ خوش بھی ہوئے غیر سے دم بھر نہ بنی
رات کو دیکھ لیا میری جلن میں رہکر

تجھکو جھٹلائے بھلا میری زباں کی یہ بساط
شوخیاں سیکھ گئی تیرے دہن میں رہکر

کشتۂ دستِ حنائی تو ترا لائیگا رنگ
رنگ دیگا یہ کفن کو بھی کفن میں رہکر

فکرِ گلچین خلشِ خار خزاں کا کھٹکا
چین دم بھر نہ ملا گل کو چمن میں رہکر

دور سے کھینچ کے لے آتی ہے پروانوں کو
شمع نے پاؤں نکالے ہیں لگن میں رہکر

اے زباں تو بھی طرفدار اُنہیں کی نکلی
پاس میرا نہ کیا میرے دہن میں رہکر

سختیاں رنجشِ احباب کی دیکھیں میں نے
قدر غربت کی ہوئی مجھکو وطن میں رہکر

قیس کو مکتبِ لیلےٰ میں سبق مل جائے
پھر بڑا نام اُچھالے گا یہ بن میں رہکر

تیرے غصے کو ابھی غیر نے دیکھا کیا ہے
تیغ بنجاتا ہے ماتھے کی شکن میں رہکر

لوٹ کر خاک میں جھڑتے ہی کہا پھولوں نے
اپنی ہستی کو نہ بھولینگے چمن میں رہکر

گلفشانی کے وہ انداز جو دیکھے نہ سنے
شمع نے سیکھ لئے بزم سخن میں رہکر

واہ اِس نقطۂ موہوم سے کیا پھول جھڑے
معجزہ بن گئی گالی بھی دہن میں رہکر

خوشدلی بھی ہے زمانے میں کوئی شئی یارب
اِس کو ہم بھول گئے رنج و محن میں رہکر

یہ غزل گوئی اُسی کا تو صلا ہے **بیخود**
کی ہے اُستاد کی خدمت جو دکن میں رہکر

مرتا رہا جو عمر بھر اک گلعذار پر
چڑھتے ہیں پھول شمع کے میرے مزار پر

منہ آئے جس قدر وہ مرے رازدار پر
ڈھلتی چلی گئی نگۂ شرمسار پر

نکلا کبھی نہ حرف تسلی زبان سے
آنکھیں نکالتے ہو دل بے قرار پر

افسوس تھا کہ قہر تھا کیا تھا کسے خبر
رکھتے رہے وہ ہاتھ مرے اضطرار پر

رکھتا ہوں بعد مرگ بھی الفت کے دو گواہ
صیاد دیکھتا ہی نہ رہجائے تو سہی
شرما کے ذکر غیر پہ پیسا کئے وہ دانت
شوخی نگاہ میں ہے شرارت مزاج میں
اُس سنگدل کی آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے
قسمت کے رنج کیا ہیں ستم آسماں کے کیا
مارا ہے مجھکو شوقِ شہادت نے جان سے
ہم اُن کے جھپنے کی ادا دیکھتے رہے
کیا خاک فصل گل میں اُٹھے کوہسار سے
ہم وہ شہید ناز ہیں حوریں بہشت سے
تیشہ نے کوہکن کا بہایا نہیں لہو
شوخی سے یہ ملا طلبِ وصل پر جواب
میں دیکھتا ہوں دام کے پھندوں کو بار بار
ڈھونڈے سے بھی ملی نہ وفا جب کہیں اُنہیں
غافل نہ مجھکو چاکِ گریباں سے جاننا
آنکھوں میں دم ہی ہاتھوں میں دل میں اضطراب
دی اُس نے اپنے ہاتھ سے مٹی پسِ وفا

حسرت مزار میں ہی او وا اسی مزار پر
کیسا قفس. قفس میں کھیلیں ایکبار پر
کچھہ بھی نہ بس چلا نگہِ شرمسار پر
گرتی ہیں بجلیاں دلِ اُمیدوار پر
رحمت کا ہے نزول ہمارے مزار پر
بھاری ہے ایک عشق تمہارا ہزار پر
بے قتل کے بھی خون رہا تیغِ یار پر
آنکھیں گڑی رہیں نگہِ شرمسار پر
پتھر پڑے ہیں دامنِ ابرِ بہار پر
آتی ہیں فاتحہ کو ہمارے مزار پر
کندہ کیا ہے نقشِ وفا کوہسار پر
تجھکو زبان دے کوئی کس اعتبار پر
صیاد دیکھتا ہے مرے بار بار پر
آئے چراغ لے کے ہمارے مزار پر
وحشت میں بھی نظر ہے مری تار تار پر
کیا قہر ہے نہ آئے جو اس انتظار پر
یوں خاک ڈالدی مری دل کے غبار پر

بیخود کو خوفِ نارِ جہنم نہیں رہا
بھولا ہوا ہے رحمتِ پروردگار پر

Supplied by Mirza Law House ETAWAH

مٹ گیا غم ہستی اُس پہ مبتلا ہوکر
کس قدر ملی راحت عشق میں فنا ہوکر
ملتے ہی نگاہوں کے کام ہوگیا اپنا
حُسن تیری خلقت سے بچ رہا تھا کچھ باقی
سو طرح کی آفت ہو لاکھ طرح کی ایذا
کم نہ تھا قیامت سے دن تری جدائی کا
رنج ہجر سے فرصت مر کے ہوگئی مجھکو
شکوہ کر سکے کوئی نکتہ چیں سی کیا طاقت
کیا خبر تھی یہ مجھکو زندگی بسر ہوگی
آپ کے ستم سہکر میں تو بیوفا ٹھہرا
دل رہا نہ قابو میں دیکھکر اُنہیں تنہا
جان سے گذر کر بھی آپ کو دکھا دینگے
جُرم کی خجالت سے بن رہی تھی کیا مجھپر
عشق کی کدورت نے صاف کردیا دل کو

عشق نے اثر بخشا درد کی دوا ہوکر
کیا مزے اُڑائے ہیں جسم سے جدا ہوکر
لوگ جیتے ہیں کیونکر آپ پر فدا ہوکر
وہ بھی تیرے چہرہ پر چھا گیا ادا ہوکر
پھنس گئے مصیبت میں قید سے رہا ہوکر
حشر کو بھی رہنا تھا آج ہی بپا ہوکر
کوسنا رقیبوں کا لگ گیا دعا ہوکر
رہ گیا غنیمت ہے شکر کا گلا ہوکر
موت کی تمنا میں یار سے جدا ہوکر
آپ ہی دکھا دیجے مجھکو باوفا ہوکر
یہ ستم نیا ڈھایا شوق نے سوا ہوکر
ایک دن رہیگا یہ آپ کا کہا ہوکر
کھو دیا مزا سارا آپنے خفا ہوکر
آئینہ کو چمکایا زنگ نے جِلا ہوکر

ظلم کا گلا **بیخود** اس طرح نہ کرنا تھا
بات کا مزا کھویا تو نے بے مزا ہوکر

خدا وقت ایسا نہ ڈالے کسی پر
نہ دیکھا کوئی اور تجھسا نہ دیکھیں
خدا جانے دم بھر میں کیا گذرتے

اجل بھی تو روئی مری بیکسی پر
نظر حشر میں بھی پڑ گئی تجھی پر
اگر زور چلتا ہمارا کسی پر

بناؤ۔ بگاڑو۔ ہنساؤ۔ رُلاؤ
تری یاد تیری طلب میں جو گذرے
جلانا نہ تھا طور کو میرے ہوتے
اُٹھا دوں جو راز محبت کے پردے
قفس میں ہیں جن کا تھا کچھ بھروسہ
عجب طرح پلٹا ہے اپنا مقدر
شب وصل کہنا یہ اُن کا غضب ہے
مجھے دیکھتے وہ نہ یوں پاس آکر

مدار اپنا ہے سب تمہاری خوشی پر
مجھے رشک آتا ہے اُس زندگی پر
یہ بجلی تو گرنی تھی یارب مجھی پر
فرشتے بھی مرنے لگیں آدمی پر
گرے ٹوٹ کر آج اپنے دُہی پر
کہ ہر دوست آمادہ ہے دُشمنی پر
کہ ہم بھی تو مرنے لگے ہیں کسی پر
گماں اُن کو مرنے کا گذرا غشی پر

نہیں لگتی دم بھر کی بھی دیر بیخود
بُرا وقت آتے ہوئے آدمی پر

نہ بیچنے آئے کوئی کیا دلِ شیدا لیکر
خوب فیاض بنے مال پرایا لیکر
چار دن بھی تو نہ رکھا دلِ شیدا لیکر
قتل کے بعد نزاکت سی جو تھک جاتے ہیں
غیر کا قتل کچھ ایسا تو نہیں ہے مشکل
سانس کے ساتھ جو ہوتی ہر کھٹک سینے میں
غیر سے لو جو محبت میں تمہیں کچھ کام بھی دے
وہ ستم کیش وہاں کیا نہ ملے گا ہمکو
ہم سمجھتے ہیں اُنہیں دادوستد کہیں ہے

دام دیتے ہی نہیں آپ تو سودا لیکر
دیدیا غیر کو میرا دلِ شیدا لیکر
آپ نے ہمسے بھی کمبخت کو کھویا لیکر
بیٹھ جاتے ہیں وہ کشتے کا سہارا لیکر
چھوڑ دو ہاتھ کوئی نام ہمارا لیکر
ضعف سے درد بھی اُٹھتا ہے سہارا لیکر
کیا کروگے دلِ ناکام ہمارا لیکر
حشر میں جائیں گے تقدیر کا لکھا لیکر
جانتے ہی نہیں دینا جو کسی کا لیکر

کوئی کچھ لیکے چلا ہے کوئی کچھ۔ کعبہ کو
جائینگے ہم ترے ملنے کی تمنا لیکر

وہ گرانبارِ محبت ہوں نہیں چل سکتا
دو قدم بھی تو مری خاک بگولا لیکر

لڑکھڑاتے ہیں قدم دم بھی چڑھا جاتا ہے
گر نہ پڑنا کہیں دشمن کا جنازا لیکر

آسماں خاک ہی میں کیوں نہ ملائے ہم کو
ہم رہیں گے دلِ مرحوم کا بدلا لیکر

آگیا مجھکو نظر اپنی وفا کا انجام
میں نے تلوار کو قاتل سے جو دیکھا لیکر

اب تو **بیخود** کو یہ دعویٰ ہے بقولِ اُستاد
آدمی عشق کرے نام ہمارا لیکر

بنی تصویر ماتم کی خوشی بے انتہا ہو کر
وہ آئے اپنے وعدے پر مگر میری قضا ہو کر

رہے اغیار کے حلقے میں تماشا مہ لقا ہو کر
چلو تیرِ قضا بنکر کھچو تیغِ ادا ہو کر

کیا ہے عرض جو کچھ وہ رہیگا دیکھنا ہو کر
تمہاری بزم سے اُٹھتے ہیں ہم دستِ دعا ہو کر

نباہی ہم نے تم سے بیوفا سے باوفا ہو کر
دکھائے اب کوئی دُنیا میں ایسا دوسرا ہو کر

مریضِ غم کو ہے اے ناتوانی آسرا تیرا
رہی جاتی ہے اب آہِ رسا بھی نارسا ہو کر

وہ میری التجا میری خوشامد میری مایوسی
وہ مجبوری سے اُن کا مسکرا دینا خفا ہو کر

محبت کے قدم آئے تصور کے جمے نقشے
رہیگی اب مرے دل میں نئی دُنیا بنا ہو کر

مٹایا نقشِ پا کی طرح اُس نے میری ہستی کو
ہمیشہ جس کے قدموں میں رہا رنگِ حنا ہو کر

مری میت پہ وہ آئے ہیں یہ الزام دینے کو
وفا کا تو نے دعویٰ کیوں کیا تھا بیوفا ہو کر

قیامت کیا نہ آجائے قیامت کیا نہ ڈھا جائے
نکل آئے جو وہ پردے سے میرا مدعا ہو کر

رگِ گردن سے قُربِ اُن کو۔ دلِ انساں مقامِ اُن کا
وہ کب بندے سے اپنے دور رہتا ہے خدا ہو کر

مٹے جاتے ہیں اُن کے دیکھنے پر دیکھنے والے
نکلتی ہے نظر بھی آنکھ سے ناز و ادا ہو کر

بگڑنا اُس کا غصے میں بھی شوخی سی نہیں خالی
مزے کی بات کہہ جاتا ہے ظالم بے مزا ہو کر

وصال و ہجر دونوں ایک ہیں اہلِ بصیرت کو
سَتا ہے تم دل کے اندر میرے پہلو سے جُدا ہو کر

اُسے ملنے میں کیا ہے دوست دشمن سب سے ملتا ہے
کسی سے بیوفا بن کر کسی سے با وفا ہو کر

خودی بھی اک ہوائے خودنمائی ہے حباب آسا
جو عاقل ہے وہ اس پھندے سے نکلیگا فنا ہو کر

وہ قابو پا کے میرا کھینچنا آغوش میں اُن کو
وہ چپکے چپکے اُن کا کوسنا مجھکو خفا ہو کر

ہمیں معنی تو سمجھا دے ذرا بیخود کے ای بیخود
یہ تو نے نام کیا رکھا ہے اپنا پارسا ہو کر

دلِ بے آرزو میں عشق کا ارمان پیدا کر
مرے سینے میں یارب اور بھی اک جان پیدا کر

جوانی اُن کی کہتی ہے نئی اک شان پیدا کر
نگاہِ شرم میں بھی تیر کا پیکان پیدا کر

مری محرومیٔ قسمت سے تو واقف ہے تو یارب
وہیں پامال کر دے دل میں جو ارمان پیدا کر

عدو کا حال کہتے ہیں پھر اُس پر یہ تاکید ہے
ہماری بات سُننے کیلئے تو کان پیدا کر

عدو کے دل میں کھٹکے میری آنکھوں میں سما جائے
نگاہِ ناز میں یہ بات میری جان پیدا کر

بگڑنا۔ مُنہ بنانا۔ روٹھ جانا۔ اس سے کیا حاصل
ادا دل چھین لینے کی کوئی نادان پیدا کر

دکھانا ہے تجھے ایدل اگر نیرنگ اُلفت کا
نرالا ساری دُنیا سے کوئی ارمان پیدا کر

حیا غماز ہے رازِ محبت کھول دیتی ہے
نگاہِ شرم میں شوخی ترے قربان پیدا کر

الٰہی فصل گل پر بھی خزاں کا حکم جاری ہے
چمن میں پھول پیدا کر تو نافرمان پیدا کر

کھٹکتی ہے مرے سینے میں یارب آرزو اسکی
نکل جائے یہ دل کی پھانس وہ سامان پیدا کر

نہ ہو جائے سے باہر واعظِ خودبیں سے کہدینا
بنا ہے جس کی صورت پر اُسی کی شان پیدا کر

بتوں کو جب کیا تھا اُسنے پیدا ہم کو کہنا تھا
بنائے آدمی ان کو نہیں انسان پیدا کر

Supplied by ... Law House

لگی ہیں دل کی لو میں شمع کی بیحد تفاوت ہے
تمیزِ عشق پروانے سے اے نادان پیدا کر

کسی کے حسن کی ہر آن دل کو چھین لیتی ہے
نیا پہلو میں یارب ایک دل ہر آن پیدا کر

سوال وصل پر اُس نے گہ رُک کر یہ کہا مجھسے
سلیقہ بات کرنے کا ذرا نادان پیدا کر

ہمارا دل ترا گھر ہے اسے آباد رکھ یارب
یہ لڑتی ہی بتوں سے آنکھ میں ارمان پیدا کر

زبان استاد کی بیخود تو ہو مضمون مومن کا
بیاں غالب کا ہو اشعار کی یہ شان پیدا کر

نہ جانا حضرت زاہد کبھی ترک عبادت پر
ہمارا بخشدینا منحصر ہے اُس کی رحمت پر

عدو کے قتل کا بیڑہ تو تم سے اُٹھ نہیں سکتا
قیامت کے اٹھانیکا ہی دعوے اس نزاکت پر

اگر میں چاہتا ہوں وصل کا وعدہ کبھی اُنسے
وہ کہدیتے ہیں یہ موقوف رکھو اپنی قسمت پر

کہیں ایسا نہ ہو افلاک سے عیسے اُتر آئیں
کہ اب مرنے لگا ہے اک زمانہ تیری صورت پر

کیا جو اپنے ہاتھوں سے بھلا افسوس کیا اُس کا
وہ کیوں بیٹھے ہوئے ہیں سر جھکائے میری تربت پر

محبت کے اثر سے انکا دل بھی اب نہیں خالی
ذرا سا منہ نکل آتا ہی فرقت کی شکایت پر

پتے کی سن کے مجھ سے گالیاں ملنے لگیں مجھکو
تصدق اس خجالت کے یہ طرہ ہی ندامت پر

کرے کیا کوئی اب اُن سے شکایت شوخ چشمی کی
فدا ہیں آپ اپنے جی سے وہ اپنی شرارت پر

سوال وصل پر اُن سے نیا فقرہ چلا میں نے
مسافر ہوں نظر کرنی پڑیگی میری غربت پر

پھنسا کر دل کسی سے پھنس گئے ہم تو مصیبت میں
کہ مرنا بھی ہی اپنا منحصر اُن کی اجازت پر

جہاں اُس بزم میں پہنچا نظر پڑنے لگی میری
کبھی اپنے مقدر پر کبھی غیروں کی قسمت پر

ترے آوارۂ دشت طلب خضر مرتے ہیں
مسیحا جان دیتے ہیں ترے بیمار اُلفت پر

زمانہ حضرت بیخود کبھی یکساں نہیں رہتا
کہیں گذری ہی دنیا میں کسی کی ایک حالت پر

الٰہی اس قدر مجبوریاں ایسی محبت پر
نہ اُن پر زور چلتا ہے نہ قابو ہے طبیعت پر

نظر کرتا ہوں میں گذری ہوئی جب اپنی حالت پر
مرے آنسو ٹپک پڑتے ہیں دشمن کی مصیبت پر

ابھی اے اہلِ محشر ہے کسی کا سامنا باقی
قیامت اور برپا ہونیوالی ہے قیامت پر

کہیں میرا مقدر بخت دشمن سے نہ بدلا ہو
وہ کہتے ہیں کہ رشک آتا ہی ہم کو تیری قسمت پر

مجھے جب دیکھتے ہیں غیر سے ارشاد ہوتا ہے
بہت رہتے بجے ہوئے ہیں آجکل یہ میری صورت پر

وہ آئے تھے بہت ہی بن سنور کر فاتحہ پڑھنے
گری ہیں بجلیاں کیا کیا ہمارے سنگ تربت پر

دُعا کے ساتھ میرے لب سے کیا کیا کچھ نہیں نکلا
چڑھائی آج کس کس کی ہوئی بابِ اجابت پر

وطن کو چھوڑ کر میری طرح کیا یہ بھی نکلی ہے
اُداسی کس قدر چھائی ہوئی ہے شامِ غربت پر

اِسے تاکا اُسے جھانکا اِدھر دیکھا اُدھر دیکھا
نظر کرتے چلو تم نیچی نظروں کی شرارت پر

نہ چھوڑو غیر کے کہنے سے یہ بنتا ہوا سودا
مرے دل کو بھی تو دیکھو نظر کرتے ہو قیمت پر

ہوا کرتی ہے اب مجھ سے شکایت دردِ الفت
نصیبِ دوستاں عاشق ہوئے ہیں اپنی صورت پر

گھلا کر پھر وہی صورت بنا دی جوشِ گریہ نے
پھرا تھا اک ذرا پانی ترے بیمارِ اُلفت پر

ستم سہنے کی بیخود اب کوئی حد بھی رہی باقی
ملایا خاک میں پتھر پڑیں ایسی محبت پر

وہ بیٹھا مرا تری محفل میں سب سے دور
وہ بیقراریاں دلِ مضطر کی اب سے دور

آئے مری زباں پہ کیونکر سوالِ وصل
اخلاق سے بعید ہے پاسِ ادب سے دور

جنت عطا ہو یا مجھے دوزخ نصیب ہو
تیرے کرم سے دور نہ تیرے غضب سے دور

آسودگی پسند نہیں اُس کے مبتلا
منزل کا ہر نشان ہے راہِ طلب سے دور

میں جا کے بزمِ یار میں تصویر بن گیا
رکھا ہے مجھے نصیب نے عیش و طرب سے دور

اقرار کی قسم ہے تو انکار ہی سہی
مُہرِ سکوت تو ہو کہیں اُن کے لب سے دور

زلفِ سیہ کی یاد کا فرقت میں کام کیا
رکھا ہے ہم نے روزِ جدائی کو شب سے دور

آتا نہیں ہے ہوش مجھے چار چار دن
رہنے لگا ہے وہ بُتِ مغرور جب سے دور

غیروں سے بزمِ ناز میں ہیں گرم جوشیاں
بیٹھے ہوئے ہیں چاہنے والے ادب سے دور

منہ سے نکل نجائے کوئی بات راز کی
بیخود کو چاہیے رہے دنیا میں سب سے دور

نہ بیٹھو اس طرح تم نعش پر ہر آن بن بن کر
کہیں دم آنجائے مجھ میں پھر ارمان بن بن کر

رہینگے دل میں کب تک تیر نو مہمان بن بن کر
رہیں ارمان بن بنکر رہیں یہ جان بن بن کر

نگاہِ شوخ نے کشتے کو بسمل کر دیا دیکھو
رگوں میں دوڑتی پھرتی ہے شوخی جان بن بن کر

نہ آتے ہوں جسے انداز پورے دلربائی کے
وہ یوں بیٹھے مرے آگے خدا کی شان بن بن کر

ترے دل میں مری جان سے جتنے رنج پنہاں تھے
ترے سینے پہ اُبھرے ہیں مرے ارمان بن بن کر

یہ کہنا تو ذرا دیکھو اجی تم کس کے عاشق ہو
مجھے پکا کوئی کرتا ہے کیا نادان بن بن کر

مجھے معلوم تو ہو کون بیٹھا ہے پسِ پردہ
یہ کس کے واسطے جاتے ہیں آخر یان بن بن کر

نکلنا دل سے مشکل ہے بتوں کا حضرتِ زاہد
کہ یہ کافر سمائے ہیں مرا ایمان بن بن کر

عدو کے ذکر پر کہنا یہ کس کا ذکر کرتے ہو
بنانا خوب آتا ہے تمہیں انجان بن بن کر

نہ نکلے بات بھی منہ سے یہ حکمِ ضبطِ اُلفت ہے
رہیں چھائے زباں میں خلق کی دربان بن بن کر

پریشاں ہو گے کس آشفتہ سر کی لڑ گئی قسمت
تری زلفیں بکھر جاتی ہیں کیوں آن بن بن کر

بھلا میخانے میں نوعِ بشر کا کام کیا زاہد
اُترتے ہیں ملا ایک چرخ سے انسان بن بن کر

ترقی اور ہوتی زیب و زینت اور ہو جاتی
یہیں سے خلد میں جاتا اگر سامان بن بن کر

انہیں گذری ہوئی باتوں کا بیخودؔ تجھکو رونا ہی
بگڑ جاتے ہیں کھیل ایسے بہت نادان بن بن کر

کب تک کریں گے جبر دلِ ناصبور پر
موسیٰ تو جا کے بیٹھ رہے کوہِ طور پر

کوئی مجھے بتائے کہ اب کیا جواب دوں
وہ مجھسے عذر کرتے ہیں میرے قصور پر

طالب ہیں جو ترے اُنہیں جنت سے کیا غرض
پڑتی نہیں ہی آنکھ شہیدوں کی حور پر

جلوہ دکھائیے ہمیں بس عذر ہو چکا
جلنے کیواسطے نہیں آئے ہیں طور پر

زاہد بھی اس زمانے کے عاشق مزاج ہیں
جیتے ہیں اُس کو دیکھ کے مرتے ہیں حور پر

گھر کر گئیں نہ دل میں مری خاکساریاں
نازاں تھے آپ بھی بہت اپنے غرور پر

بخشے گئے نہ ہمسے جو دو چار بادہ خوار
بہکیں گی کیا ہیں شرابِ طہور پر

کچھ شوخیوں کے رنگ بھی بیتابیوں میں ہیں
کس کی نظر پڑی ہو دلِ ناصبور پر

زاہد کی طرح ہم کو بھی جنت کی ہے تلاش
اپنا بھی آگیا ہے دل اک رشکِ حور پر

رکھے کہیں یہ شوق رہائی مجھے نہ قید
تڑپا اگر نہیں تو رہینگے ضرور پر

بیخودؔ نہ ڈھونڈ کوئی وسیلہ نجات کا
یہ منحصر ہے رحمتِ ربِ غفور پر

دل کا سودا کیا ہوا اُن سے بنی ہی جان پر
اب یہ ضد ہے دیتے ہیں بوسہ ترے ایمان پر

کانپتا ہے چرخ ہلتی ہے زمیں فریاد سے
ہے تعجب جوں نہیں چلتی تمہارے کان پر

عشق کا صدمہ کسی کے دل سے اُٹھ سکتا نہیں
کھیل جاتا ہی کوئی ناشاد اپنی جان پر

ہم کسی کے واسطے اللہ سے کیونکر لڑیں
زور چل سکتا نہیں انسان کا انسان پر

[illegible] ہیں یہ مجمع سمائے کس طرح وعدے کی شب
حسرتوں پر حسرتیں ارمان ہی ارمان پر

وصل میں ملنی ہے مجھکو داد میرے صبر کی
ظلم کرنا بھی تو پورا خیر سے آتا نہیں
ہم نے زاہد تجھسے دیکھے ہیں بہت جنت پرست
اُس بت کافر کو اتنا سنگدل سمجھا نہ تھا
داورِ محشر سے ہم لیکر رہیں گے آپ کو
صبر کر اے حسرتِ پرواز کچھہ دن اور بھی

جانتا ہوں وہ ستم توڑیں گے میری جان پر
دل کا آجانا غضب ہی آپکے نادان پر
اور ہی ایمان لائیں گے ترے ایمان پر
کیا کروں ہیں پڑ گئے پتھر مری پہچان پر
کھیل جائینگے قیامت میں بھی اپنی جان پر
پھوٹتی آتی ہیں کلیاں ہیں ابھی بیجان پر

دن دہاڑے پوچھتے پھرتے ہو میخانی کی راہ
بات یہ پھبتی نہیں بیخود تمہاری شان پر

فصل گل آئی مری وحشت کا ساماں دیکھکر
چاک سینہ کرلیا دل کو پریشاں دیکھکر
دل دیا تھا ہمنے تو اے سنگدل آتش مزاج
اُس نے ابرو کے اشارے سے لگایا دل پہ تیر
جب اُٹھا کر وادیٔ اُلفت میں رکھتا ہوں قدم
دل میں بھالے بنکے چبھتی ہیں قفس کی تیلیاں
تشنۂ دیدار لاکھوں میں بھی چھپ سکتا نہیں
زندگی میں دل کے مرجانے کا غم جاتا رہا
شرم ناکامی نے آخر کو تراشا اتہام
عشق میں ویران سا ویران تھا یا تن بخیر
حُسن یکتا پر اُنہیں کیونکر نہ ہو ناز و غرور

کھل گئے غنچے مرا چاکِ گریباں دیکھکر
ہم کو پھر کچھہ بھی نہ سوجھا داغِ ہجراں دیکھکر
آدمی تجھکو سمجھکر تجھکو انساں دیکھکر
مجھکو حیرت ہوگئی خنجر میں پیکاں دیکھکر
کان میں آواز اک آتی ہی ناداں۔ دیکھکر
جی بھر آتا ہے بلبل کا گلستاں دیکھکر
تاڑ لیگا دور ہی سے مجھکو درباں دیکھکر
آگیا کچھہ صبر سا گورِ غریباں دیکھکر
دل زلیخا کا پھٹا یوسفؑ کا داماں دیکھکر
مجھکو دل یاد آگیا سُونا بیاباں دیکھکر
دل میں وہ اترا رہے ہیں مجھکو حیراں دیکھکر

تیر بھی اپنا نہ کھینچا اُس بت بدکیش نے — ڈر گیا وہ میرے دل میں نورِ ایماں دیکھکر

اُس کے جلوے کا دلِ مشتاق ادنیٰ ہے یہ وصف — آدمیت سے گذر جاتا ہے انساں دیکھکر

تیری نیچی نظریں تھیں تو مشتاقوں میں کچھ جھگڑا نہ تھا — تُم نے یہ فتنے اُٹھائے ہیں مری جاں دیکھکر

جام و مینا پھر سنبھالا **بیخود** میخوار نے
توبہ رخصت ہو گئی ابر بہاراں دیکھکر

ہر بات مرے لب پر آتی ہے گلا ہو کر — غم دل میں سمایا ہے کیا جانئے کیا ہو کر

پھر درد محبت کی رہتی نہ خلش باقی — تمنا تھا مرے دل کو قسمت کا لکھا ہو کر

اغیار کے کوچہ میں دیکھا نہ مجھے اُس نے — میں ساتھ رہا اُس کے نقش کف پا ہو کر

کیا کھیل ہی سمجھا تھا وعدے سے پلٹ جانا — دل ٹوٹ گیا اپنا پیمانِ وفا ہو کر

جو بات نہ کہنی تھی غصے نے اُگلوا دی — شرمائے بہت دل میں وہ مجھ پہ خفا ہو کر

پہلے ہی قدم پر ہے انداز قیامت کا — آئینگے مرے گھر تک کیا جانئے کیا ہو کر

ہر شئے میں نظر ہمکو آتی ہے جھلک اُس کی — چھُپ جاتا ہے پردے میں وہ جلوہ نُما ہو کر

تم مجھ میں رہو چھپکر میں تم میں رہوں پنہاں — آنکھوں میں نظر بنکر شوخی میں حیا ہو کر

اس طرح سے لیتے ہیں جنت کو تری عاشق — محشر میں دکھا دینگے ہم تجھ پہ فدا ہو کر

اس گلشن ہستی میں لگتا نہیں دل اپنا — آئے ہیں خدا جانے ہم کس سے جدا ہو کر

وہ بام پہ بھی اپنے اس ڈر سے نہیں آتے — توقیر نہ گھٹ جائے انگشت نما ہو کر

ہونے دو ستم اُن کے کرنے دو جفا اُن کو
گھبراتے ہو کیوں **بیخود** پابند وفا ہو کر

ے محبت تو محبت میں اثر پیدا کر — جو ادھر دل میں ہے یارب وہ اُدھر پیدا کر

دودِ دل عشق میں اتنا تو اثر پیدا کر — سر کٹے شمع کی مانند تو سر پیدا کر

پھر ہمارا دلِ گم گشتہ بھی مل جائیگا — پہلے تو اپنا دہن اپنی کمر پیدا کر

کام لینے ہیں محبت میں بہت سے یارب — اور دل دے ہمیں اک اور جگر پیدا کر

تھم ذرا اے عدم آباد کے جانے والے — رہ کے دنیا میں ابھی زادِ سفر پیدا کر

جھوٹ جب بولتے ہیں وہ تو دعا ہوتی ہے — یاالٰہی مری باتوں میں اثر پیدا کر

آئینہ دیکھنا اس حسن پہ آسان نہیں — پیشتر آنکھ مری میری نظر پیدا کر

صبحِ فرقت تو قیامت کی سحر ہے یارب — اپنے بندوں کے لئے اور سحر پیدا کر

مجھکو روتا ہوا دیکھیں تو جھلس جائیں رقیب — آگ پانی میں بھی اے سوزِ جگر پیدا کر

مٹ کے بھی دوریٔ گلشن نہیں بھاتی یارب — اپنی قدرت سے مری خاک میں پر پیدا کر

شکوۂ دردِ جدائی پہ وہ فرماتے ہیں — رنج سہنے کو ہمارا سا جگر پیدا کر

دن نکلنے کو ہے راحت سے گذر جانے دے — روٹھکر تو نہ قیامت کی سحر پیدا کر

ہم نے دیکھا ہے کہ ملجاتے ہیں لڑنیوالے — صُلح کی خو بھی تو اے بانیٔ شر پیدا کر

مجھسے گھر آنے کے وعدے پہ بگڑکر بولے — کہدیا غیر کے دل میں ابھی گھر پیدا کر

مجھسے کہتی ہی کڑک کر یہ کمان قاتل کی — تیر بنجائے نشانہ وہ جگر پیدا کر

کیا قیامت میں بھی پردہ نہ اُٹھیگا رُخ سے — اب تو میری شبِ یلدا کی سحر پیدا کر

دیکھنا کھیل نہیں جلوۂ دیدار ترا — پہلے موسیٰ سا کوئی اہل نظر پیدا کر

دل میں بھی ملتا ہے وہ کعبہ بھی اُسکا ہی مقام — راہ نزدیک کی اے عزمِ سفر پیدا کر

ضعف کا حکم یہ ہے ہونٹ نہ ملنے پائیں — دل یہ کہتا ہے کہ نالے میں اثر پیدا کر

نالے بیخود کے قیامت ہیں تجھے یاد رہے

ظلم کرنا ہے تو پتھر کا جگر پیدا کر

ردیف رائے ہندی

شب امید ہے ایدل نہ بیوفا سے بگاڑ
جھلک رہا ہے مجھے اُسکی ہر ادا سے بگاڑ

ہوا ہے جب سے کسی زود آشنا سے بگاڑ
مری اثر سے ہی اَن بَن مرا دعا سے بگاڑ

وہ ایک پل میں بدلتا ہے کروٹیں سو سو
ابھی سلوک ابھی زود آشنا سے بگاڑ

یہ کمسنی کی ادائیں بھی اک قیامت ہیں
ابھی ہے ربط حیا سے ابھی حیا سے بگاڑ

عدو کو دیکھ کے تونے اِدھر جو دیکھ لیا
دلوں میں پڑ گئے باہم اِسی ادا سے بگاڑ

دِکھا کے آئینہ باہم لڑا دیا ہم نے
کہ چشم شوخ کا اُن کی ہوا حیا سے بگاڑ

کبھی فسانۂ فرہاد و قیس ہم سے سنو
پڑے ہوئے ہیں محبت میں ابتدا سے بگاڑ

بہارِ حسن کی اُن کے بہار مجھ تک تھی
بناؤ سے اُنھیں نفرت ہوئی حنا سے بگاڑ

اجل نہ آئیگی ہم جانتے ہیں دشمن کو
کہ اِس نصیب کے بیٹے کا ہے قضا سے بگاڑ

زباں ہلانے میں بنکر بگڑ گئی قسمت
کہ اُن میں مجھ میں پڑا حرف مدعا سے بگاڑ

مرا نصیب نہیں کچھ یہ خال کاجل کا
مری بلا سے بنا تو مری بلا سے بگاڑ

بنی کسی سے نہ اُلفت میں ایک دن اپنی
ہماری خاک کا بھی ہوگیا صبا سے بگاڑ

ہمارا کون ہے اُس کے سوا زمانے میں
کہ اک اُسی سے تعلق ہے ماسوا سے بگاڑ

بگڑ کے آئے ہو اب تم مجھے بناتے ہو
ہوا تمہارا عدو کا مری بلا سے بگاڑ

اُسی کے لطف و کرم پر ہے منحصر سب کچھ
بتوں کے عشق میں بیخود نہ تو خدا سے بگاڑ

ردیف زائے منقوطہ

ہی وصل میں بھی اُن کی وہی بے رُخی ہنوز
آنکھوں میں شرم ہی نہ لبوں پر ہنسی ہنوز

سو زخم کہا کے بھی ہی ہوس تیر کی ہنوز
قاتل کہلی نہیں میرے دل کی کلی ہنوز

مجنوں سے کے حال زار پہ افسوس ہی نہیں
لائی نہیں ہو رنگ مری عاشقی ہنوز

وہ شمع ہوں کہ ختم ہو گھل گھل کے جس کی عمر
مجھکو مٹا رہی ہے میری زندگی ہنوز

اُلٹے ہوئے نقاب وہ بیٹھے ہیں دیر سے
پردہ بنی ہوئی ہے مری بیخودی ہنوز

زاہد ہے وصف حور کا تیری زبان پر
دیکھا نہیں ہے تو نے کوئی آدمی ہنوز

یہ کیا ستم ہے وصل میں بھی جل رہا ہوں میں
ظالم بجھی نہیں مرے دل کی لگی ہنوز

کیسی امید کسکی تمنا کہاں کا وصل
سیدھی طرح وہ کرتے نہیں بات بھی ہنوز

مدت ہوئی ہے یار کا دیکھے ہوئے جمال
لیکن گئی نہیں مری خود رفتگی ہنوز

خلوت ہی آئینہ ہے نہ عاشق نہ غیر ہے
شیدا ہیں اپنے حُسن کے وہ آپ ہی ہنوز

آواز گریہ آئی کہاں سے مزار میں
کیا مجھکو رو رہی ہے مری بیکسی ہنوز

اچھا مٹا کے ہم کو مٹاؤ ہماری قبر
مد نظر ہمیں ہے تمہاری خوشی ہنوز

سمجھے ہیں آپ تیرِ نظر دل میں چھد گیا
نکلی نہیں ہے منہ سے تو دشمن کے سی ہنوز

روزِ ازل سے وہ مرے دل میں مقیم ہیں
میں اُن کی آنکھ میں ہوں مگر اجنبی ہنوز

دن زندگی کے چارہ و تدبیر میں گئے
بیخود کے دردِ دل میں نہیں ہی کمی ہنوز

کہہ رہا ہے یہ تری تیغ اداکا انداز
ساری دُنیا سے نرالا ہے جفا کا انداز

سادگی میں یہ پھبن شرم میں ایسی شوخی
یہ قیامت کی ادائیں یہ بلا کا انداز

تم دُعا مانگتے ہو کیوں مری صحت کیلئے
چھینے دیگا نہ مجھے دستِ دُعا کا انداز

چھین لی حور کی آنکھ اُس نے پری کی شوخی
چال فتنہ کی اُڑائی ہے قضا کا انداز

تُم تو خوگر ہو رقیبوں کی دغابازی کے
تم نے دیکھا ہی نہیں اہلِ وفا کا انداز

ہے نیا گل کوئی اس باغ میں کھلنے والا
کہے دیتا ہے ابھی سے یہ صبا کا انداز

جان دینے لگیں حوریں یہ تماشا ہے نیا
دیکھکر خلد میں تیرے شُہدا کا انداز

آسماں پر جو کبھی ابر میں بجلی چمکی
پھر گیا آنکھوں میں اُس شوخ ادا کا انداز

وہ لگاوٹ سے دمِ قہر وغضب نیچی نگاہ
وہ بناوٹ سے بگڑنے میں حیا کا انداز

وعدۂ وصل زباں پر ہے نظر میں غصہ
یہ جلانے کا طریقہ یہ قضا کا انداز

آنکھ ملنے نہیں پاتی جو غش آجاتا ہے
کس نے دیکھا ہے بتِ ہوش رُبا کا انداز

راہ میں غیر سے مُٹ بھیڑ جہاں ہوتی ہے
وہیں کہدیتا ہے نقشِ کفِ پا کا انداز

جور پر اُن کی ندامت بھی ستم ڈھاتی ہے
چٹکیاں لینے لگا دل میں حیا کا انداز

ظلم کی تم نے نکالی جو نرالی ترکیب
جان دینے کا نیا ہم نے بھی تا کا انداز

زاہدوں میں ہے نہ رندوں میں تمہارا انجوف
کچھ الگ سب سے ہی اس مردِ خدا کا انداز

ردیف سین مہملہ

برچھی بھی ایک چاہیے تیغِ ادا کے پاس
پہلو میں ہی جگر بھی دلِ مبتلا کے پاس

مجمع ہے حسرتوں کا دل مبتلا کے پاس
کیا کہہ دیا ہے کان میں تمنے بلا کے پاس

شوخی نظر کے پاس شرارت ادا کے پاس
اک تمکنت کی شان ہے خالی حیا کے پاس

جاتا تھا دوڑ دوڑ کے ہر مہ لقا کے پاس
چھوڑ آئے آج دل کو ہم اک بیوفا کے پاس

نکلی ہے کس کی حسرتِ پابوس بعدِ مرگ
کس کا مزار ہے یہ ترے نقشِ پا کے پاس

موہوم سی ہے آپکے ملنے کی اک امید
رکھا ہی کیا ہے اور دلِ مبتلا کے پاس

بجلی سی ایک کوند گئی میری آنکھ میں
آ بیٹھے بزمِ غیر میں وہ مسکرا کے پاس

وعدے سے اُس کے جب نہ تسلی ہوئی مجھے
اُس نے کہا اب اسکی دوا ہے خدا کے پاس

کھٹکا ہے دل نقاب کی جالی میں پھنس نہ جائے
اک دام اور بھی تو ہے زلفِ دوتا کے پاس

جس کی مجھے تلاش تھی وہ آج مل گئی
نکلی تری نگاہ کی برچھی قضا کے پاس

جوبن ہے یہ ترا کہ مرا دل بتا مجھے
کچھ اک گرہ سی اور ہے بندِ قبا کے پاس

پہلے تو بزم میں نہ قیامت تھی باریاب
فتنے اٹھائے تُم نے عدو کو بٹھا کے پاس

نالے تو بے اثر ہوئے کرتا ہوں اب دُعا
یہ تیر اور ہے دلِ درد آشنا کے پاس

اُس کی گلی سے چل کے ادھر بھی کرم کرے
پہنچا دو یہ پیام ہمارا صبا کے پاس

لاکھوں جو روز مرتے ہیں اس کا سبب تجھی
تصویر ہے ضرور کسی کی قضا کے پاس

جو لطفِ خاص ہیں وہ تری سادگی میں ہیں
رکھا ہی کیا کرشمہ و ناز و ادا کے پاس

میرے لبوں کا بوسہ نہ لے کوئی نشہ میں
کہتے ہیں مجھسے وصل میں وہ منہ کو لا کے پاس

جب چھا گیا شباب تو نیچی نظر کہاں
پھٹکی نگاہ جا کے نہ شرم و حیا کے پاس

مرنے کا میرے اُسنے کہا یوں عدو سے حال
دُنیا سے تنگ ہو کے سدھارے خدا کے پاس

چوتھے فلک پہ ہے دلِ بیتاب کا دماغ
رہنے لگا ہے جب سے کسی مہ لقا کے پاس

زاہد تمہاری ہونے لگی ہے دعا قبول | دلواؤ ہم کو ہو جو کوئی بت خدا کی پاس

مشہور ہے جہاں میں **بیخود** کا اتقا
کیا کام دخترِ رز کا ہے اس پارسا کی پاس

آج پہلو سے مرے دل بھی سدھارا افسوس | نہ رہا کوئی مرا چاہنے والا افسوس

ہاتھ مل مل کے کیا مرگ عدو کا افسوس | تم نے ہمکو نہ دکھایا یہ تماشا افسوس

اُن کو غم اُن کو قلق اور مرے مرنے کا | ہنس رہے تھے وہ ابھی غیر کے کیا افسوس

بن سنور کر وہ ستم کیش اِدھر آ نکلا | مر مٹا آج ہمارا دلِ شیدا افسوس

آسماں روئیگا مجھکو مجھے روئیگی زمیں | بھول کر تم مرے مرنیکا نہ کرنا افسوس

تھا مرے دل پہ بہت دن سے وفا کا قبضہ | آپ نے چھین لیا مال پرایا افسوس

گھر میں بیٹھے رہو تم پاؤں میں مہندی مل کر | کفِ افسوس ملیں مجھپہ مسیحا افسوس

مجھکو قاتل نے سنبھلنے نہ دیا مقتل میں | ڈھونڈتا ہی رہا دامن کا سہارا افسوس

دل مٹا چین مٹا راحت و آرام مٹا | کھو دیا ہم نے ترے عشق میں کیا کیا افسوس

غیر کو قتل کیا آپ نے میرے ہوتے | مٹ گئی آج مرے دل کی تمنا افسوس

ہائے کس حسرت و افسوس سے دم نکلا ہے
مرتے دم تک ہمیں **بیخود** کا رہیگا افسوس

ردیف شین معجمہ

رہتی ہے ماہ رو کی ہمیں رات بھر تلاش | کرتی ہے خواب میں بھی اسی کو نظر تلاش

جنس وفا کی جب نہ ہوئی بھول کر تلاش
پھر دل کی کیا کریگا کوئی بے خبر تلاش

کل تم جو پھول توڑ کے لائے تھے باغ سے
کرتی تھی آج اُن کو نسیمِ سحر تلاش

تونے اگر دوئی کا یہ پردہ اُٹھا دیا
دیکھیں کرینگے پھر کسے اہلِ نظر تلاش

پھر تجھکو کچھ مرض کا بھی مل جائے گا پتہ
تو پہلے میری نبض تو کر چارہ گر تلاش

کیا پاسِ عشق جب تمہیں پاسِ وفا نہ ہو
کر لینگے اور ہم کوئی رشکِ قمر تلاش

افسوس تھا کہ آنکھ ملی دل نہیں ملا
مل کر بھی یار سے رہی مدِ نظر تلاش

طالب ہیں ہم تو اُس کے ہمیں جستجو سے کام
وہ جانے اب ملے نہ ملے ہے مگر تلاش

میں مٹ گیا تو کیا ہے جو دل گم ہوا تو کیا
اپنے دہن کو ڈھونڈیے کیجے کمر تلاش

غفلت تو دیکھئے کہ وہ دل میں چھپا رہا
ڈھونڈا افلاک پر اُس کو کیا عرش پر تلاش

زاہد خدا سے آپ کو کچھ واسطہ نہیں
یوں چین سے نہ بیٹھتے ہوتی اگر تلاش

ابتک مجھے تلاشِ سحر ہے فراق میں
دم بھر کے بعد مجھکو کرے گی سحر تلاش

دل بیٹھتا ہے تھک کے تو کہتا ہوں دل سے میں
ہمت نہ ہار اور ابھی اُس کو کر تلاش

پہلو سے کیا اُٹھے کہ وہ دل میں بھی پھر نہ تھے
اُٹھ اُٹھ کے دردِ دل لئے کیا رات بھر تلاش

تھم تھم کے ذبح کیجئے پھر پھر کے دیکھئے
مجھکو اسی گھڑی کی رہی عمر بھر تلاش

اے تیرِ عشق وہ تری کاوش کدھر گئی
دل ڈھونڈتا ہے کرتا ہے اُس کو جگر تلاش

بیخود اُسی کے عشق میں آوارہ ہم بھی ہیں
دن رات جس کو کرتے ہیں شمس و قمر تلاش

کیوں بوسہ پہ کہتے ہو مری جان فراموش
یہ یاد رہے میں نہیں احسان فراموش

کیا دل کی بدون تجھ سے مری جان فراموش
کر دیتا ہے تو وعدہ تو ناداں فراموش

ہے خواب میں بھی یار سے ملنے کی تمنا
سوتے میں بھی ہوتا نہیں ارمان فراموش

خالق کبھی بندہ کو نہ بھولا ہے نہ بھولے
انسان کو کر دیتا ہے انسان فراموش

گھر دل میں ترے تیر کے پیکاں نے کیا ہی
مر کر بھی تو ہوگا نہ یہ مہمان فراموش

لینا ہے ہمیں جائزہ اب خلد بریں کا
ہوگا نہ تری بزم کا سامان فراموش

اک پھانس سی ہر وقت چبھا کرتی ہے دل میں
ہوتی نہیں یاد اُس کی کسی آن فراموش

صورت تری بھولے گی نہ اب میری نظر کو
آواز کریں گے نہ کبھی کان فراموش

وہ وصل کی شب وعدہ مرا یاد دلانا
کہنا وہ ترا دیجے مجھے پان فراموش

کیا آنکھ میں اُس شوخ کی جادو کا اثر ہے
ملتے ہی نظر ہوتا ہے ایمان فراموش

پھر چھین لے دل پھر مجھے دیوانہ بنا دے
پھر کہدے زباں سے ترے قربان فراموش

جب تم پہ نظر پڑتی ہے میں دیکھ رہا ہوں
کر دیتا ہے اپنے کو نگہبان فراموش

رکھ لیتے ہیں وہ چاہنے والے کا نیا نام
بیخود کو کہا کرتے ہیں اوسان فراموش

ردیف صاد مہملہ

تجھ پہ پڑتی ہیں نگاہیں خاص خاص
ہیں ترے ملنے کی راہیں خاص خاص

درد ہو دل میں تو ہو تاثیر بھی
عرش تک جاتی ہیں آہیں خاص خاص

دیکھ لیتی ہیں پسِ پردہ تجھے
ہیں کچھ ایسی بھی نگاہیں خاص خاص

تو تو ہرجائی ہوا مشہور اب
لوگ کیونکر تجھکو چاہیں خاص خاص

حُسن کا ایما کہ ہو دُنیا فدا
وہ یہ چاہیں ہم کو چاہیں خاص خاص

آنکھ سے پردہ ہے چھپکر آؤ تم
دل میں ہیں پوشیدہ ایں خاص خاص

یوں تو ہر شئے میں اُسی کا نور ہے
ہیں مگر کچھ جلوہ گاہیں خاص خاص

بتکدوں کی قدر زاہد نے نہ کی
بنگئے ہیں خانقاہیں خاص خاص

وہ ملائیں آنکھ مجھ سے کس طرح
راز کہدینگی نگاہیں خاص خاص

کوئی دشمن پر نہیں کچھ منحصر
اور بھی ہیں قتل گاہیں خاص خاص

دور ہے بیخود وہ کیا سمجھے اُسے
اُس نے دیکھی ہیں نگاہیں خاص خاص

بے سبب مجھ سے خفا تھا کوئی شخص
خود بخود بھولا ہوا تھا کوئی شخص

یاد ہے تم پر فدا تھا کوئی شخص
زندگی میں مٹگیا تھا کوئی شخص

دل چُرا کر لیگیا تھا کوئی شخص
پوچھنے سے فائدا۔ تھا کوئی شخص

تم نہ تھے جس نے مٹایا تھا مجھے
دوسرا اُس نام کا تھا کوئی شخص

اوپری دل سے ملا جب تک ملا
کس قدر ناآشنا تھا کوئی شخص

دل میں وہ جب تک رہا میں خوش رہا
میرے دل کا مدعا تھا کوئی شخص

آج کل کی دوستی کا ذکر کیا
مدتوں کا آشنا تھا کوئی شخص

جان بنکر میرے پہلو سے گیا
ہائے کتنا بے وفا تھا کوئی شخص

بھول جانے پر بھی اتنا یاد ہے
مانگ کر دل لیگیا تھا کوئی شخص

دیکے خط دینا پتہ یہ نامہ بر
کان میں کچھ کہہ گیا تھا کوئی شخص

دیکھکر جیتے تھے ہم اک شخص کو
زندگی کا آسرا تھا کوئی شخص

ہائے وہ جذب محبت اب کہاں
میرا سایہ بن گیا تھا کوئی شخص

کیا عجب وہ **بیخود** میخوار ہو
راہ میں کچھ پی رہا تھا کوئی شخص

ردیف ضاد معجمہ

میرے دل میں ہی شب و روز خیالِ عارض
ہے تصور میں مرے حسن و جمالِ عارض

چار دن بعد یہ جوبن نہ رہیگا باقی
نیل بوسوں کے کہیں ہیں کہیں دانتوں کے نشاں

مجھ سیہ بخت کو محروم نہ رکھنا دیکھو
قید میں بھی نہ گیا عشق کا چسکا دل سے

بال بکھرے ہوئے زلفوں کے دکھاتی ہیں بہار
کُھب گئی نظروں میں کچھ ایسی وہ پیاری صورت

دھوم تھی فصل بہاری کی مگر دیکھ لیا
بوسہ لینے نہ دیا نیل کے ڈر سے اُس نے

کام کرتی تھی اُدھر آہ رسا بجلی کا

میری آنکھوں کو میسر ہے وصالِ عارض
یاد ہیں یاد ہیں مجھکو خط و خالِ عارض

عارضی گل کی طرح سے ہے جمالِ عارض
آئینہ لیکے ذرا دیکھیے حالِ عارض

زلف شبرنگ کو حاصل ہی وصالِ عارض
دل تری زلف میں ہی دل میں خیالِ عارض

ہم سمجھتے تھے انہیں ہو نگے وبالِ عارض
مردمک بنکے رہا آنکھ میں خالِ عارض

پھول گلشن میں نہیں کوئی مثالِ عارض
وصل میں بھی نہ ہوا لب کو وصالِ عارض

مجھ پہ گرتی تھی اِدھر برق جمالِ عارض

زندگی تک ہی نہیں عشق کا جھگڑا **بیخود**
ساتھ جاتا ہے لحد میں بھی خیالِ عارض

لطف ہے مطلب کچھ میری ستانیسے غرض ‏ ‏ شوخیوں سے کام اُن کو مُسکرانے سے غرض

جان کھونی مدّعا ہے جان جانیسے غرض ‏ ‏ آپ کے بیمار کو کیا آب و دانے سے غرض

بات کے پہلو کو سونچے سمجھے اب اُن کی بلا ‏ ‏ بات سُنتے ہی اُنہیں تو روٹھ جانے سے غرض

غیر کی تعریف تو دل ہو کرے باور نہیں ‏ ‏ تجھکو تو ہے صرف میری دل دُکھانے سے غرض

اُس گلی سے کام اُن کا سامنا ہو یا نہ ہو ‏ ‏ مجھکو ہو آنا وہاں تک ہر بہانے سے غرض

حورِ جنت پر مرے گا خاک یہ سادہ مزاج ‏ ‏ ہے فقط واعظ کو تو رنگیں فسانے سے غرض

شکوۂ اغیار پر ظالم نے یوں ٹالا مجھے ‏ ‏ تم کو ہم سے کام ہے تم کو زمانے سے غرض

اب نمک چھڑکے کوئی یا اب کوئی مرہم بھرے ‏ ‏ زخمِ تیغِ یار کو ہے مُسکرانے سے غرض

وصل کے اقرار پر یہ بات طے کر لیجئے ‏ ‏ کام وعدے سے رکھیں یا بھول جانے سے غرض

مجھپہ کچھ نجائے اُلفت میں کسی کو غم نہیں ‏ ‏ جان کو جانے سے مطلب دل کو آنے سے غرض

کوئی موسم کوئی دن ہو اس سے کچھ مطلب نہیں
حضرت **بیخود** کو ہے پینے پلانے سے غرض

ردیف طاء مہملہ

آپ نے لکھا ہے خط میں وعدۂ فردا غلط ‏ ‏ آپکی تحریر کا املا غلط انشا غلط

حُسن پر دعویٰ بجا ہے عشق کا دعوا غلط ‏ ‏ آپ کا ارشاد سچّا ہی مرا کہنا غلط

غیر تم پر شیفتہ تم کو ہماری آرزو ‏ ‏ کس قدر بے جوڑ باتیں ہیں بھلا کتنا غلط

حال دل سُنکر مرا ارشاد فرماتے ہیں وہ ‏ ‏ کیا سزا تیری جو یہ ثابت ہوا قصّا غلط

تیغ اُٹھ سکتی نہیں خنجر سنبھل سکتا نہیں
نازکی کا قول آدھا ٹھیک ہو آدھا غلط

اے دلِ ناکام کیوں تیار ہے تو وہ کہاں ہیں
غیر کی محفل میں جاکر غم غلط ہو گا۔ غلط

وہ ہمارا چھیڑنے کو ذکرِ دشمن چھیڑنا
وہ ترا اڑنا بگڑنا روٹھنا۔ کہنا غلط

اس میں میری کیا خطا ہے آپ ہیں میرا کیا قصور
میری سچی بات کو بھی آپ نے سمجھا غلط

وہ پتے کی سُن کے جب بولے غلط کہتا ہے تو
کہدیا میں نے بھی بس بیٹھے رہو کیسا غلط

ضد یہ مجھ سے دشمنی مجھ سے عداوت مجھ سے ہے
اُن کو بے سمجھے مری ہر بات پر کہنا غلط

مضطرب دل پر نگاہِ قہر تھی عینِ خطا
بندہ پرور یہ نشانہ آپ نے تاکا غلط

وہ نہ آئے ہیں نہ آئیں گے نہ آنے کی اُمید
قول اُن کا جھوٹ نکلا شب کا وعدہ تھا غلط

دل پہ لکھتے جاؤ لیکن آنکھ سے ثابت یہ ہو
کہہ رہا ہوں حال اپنا تم سے میں گویا غلط

حشر میں کُھل جائیگا سب غیر کا مکر و فریب
سوچ کہ سے نامۂ اعمال نکلے گا غلط

بات کا مطلب نہ سمجھے سر ہلا کر منہ سے
اِس کا یہ مطلب کہ میں جھوٹا بیاں میرا غلط

اِن پری رویوں کی کیا حوروں سے کم ہیں صورتیں
کہتے ہیں انسان کو سب خاک کا پُتلا غلط

میں نے کیا لکھا تھا خط میں اُس کو آیا کیا جواب
کیا ہی میں بھی سمجھلوں اب کہ وہ سمجھا غلط

حضرت بیخود سے مل کر کہہ گئی وہ چشمِ مست
پارسائی کا کیا تھا آپ نے دعوا غلط

اس قدر لکھتے ہیں اُن کو عاشقِ رنجور خط
پھینکتے ہیں روز کوڑے کی طرح مزدور خط

ہے غبارِ دل عیاں آئینہ رخسار سے
خط نہ سمجھیں آپ اس کو ہی ابھی تو دور خط

اشک کی طغیانیوں سے ہو گئی پھیکی دوات
خونِ دل سے لکھنے بیٹھا ہوں تجھے مجبور خط

حالِ دل لکھنے کی فرقت میں اجازت مل گئی
صبر کا نکلا نتیجہ ہو گیا منظور خط

پڑھ لیا اُس نے سیہ بختی کا شکوہ مٹ گیا
عکسِ رخسار و جبیں سے ہو گیا پر نور خط

جام بھر کر دستِ نازک سے نہ دیجے غیر کو
انگلیوں پر ڈال دیگا ساغرِ بلور خط

عمر بھر میں ایک خط لکھا ہے اُس مغرور نے
اُس مین بھی یہ درج ہے لکھنا نہ تھا منظور خط

خود ستائی پڑھ کے میری وہ بہت برہم ہوئے
رنج جب حد سے بڑھا لکھنا پڑا مجبور خط

جان کر جادو بھری آنکھوں کا شیدائی مجھے
پوست پر آہو کے لکھتا ہو وہ رشکِ حور خط

غیر کے خط میں کوئی فقرہ کبھی لکھوا دیا
لکھے وہ اپنی قلم سے مجھکو کیا مقدور خط

اُس کے جلوے کا لکھا تھا شب کو خط میں حال کچھ
صبح تک روشن رہا ہے مثلِ شمعِ طور خط

خطِ وصل اُس نے مجھے بھیجا دکھا کر غیر کو
ڈال دیگا غیر کے سینہ میں اب ناسور خط

دل شکستہ ہاتھ میں رعشہ حواس و ہوش گم
خاک لکھے دوستوں کو بیخودِ مہجور خط

ردیفِ ظا معجمہ

سن چکے بس صفتِ حورِ جناں ای واعظ
تو نے دیکھا ہی نہیں حسنِ بتان ای واعظ

کیجئے ہمسے تو دوزخ کا بیاں ای واعظ
ہم گنہگار کہاں خلد کہاں ای واعظ

خود بھی ممبر پہ اچھل نام بھی تو اپنا اچھال
رہنے دے ہم کو تو بے نام و نشاں ای واعظ

حور کا ذکر ہو جنت کا بیاں ہو تو ہو
اور باتوں کا تجھے ہوش کہاں ای واعظ

جو تری طرح سے شیطان کا کھائے نہ فریب
اس سمجھ بوجھ کا انسان کہاں ای واعظ

وضع سے تو نے ہماری ہمیں کافر سمجھا
ہم کو تجھ پر ہے فرشتے کا گماں ای واعظ

حسرتِ دل کا مری خون بہایا تو نے
بن گئی تیز چھری تیری زبان ای واعظ

باغِ فردوس ہے میخانے کا گوشہ گوشہ
آ ادھر بھی تو کبھی سیر گلستاں ای واعظ

ہوں مبارک وہ تجھے کوثر و تسنیم کے جام
مست ہیں بادۂ عرفان سی یہاں ای واعظ

پرسشِ روزِ قیامت کا یہ سوچا ہی جواب
کاٹ لے جاؤنگا میں تیری زباں ای واعظ

حور کے نام پہ بھر آتے ہیں آنسو تیرے
تجھ میں پاتا ہوں محبت کا نشاں ای واعظ

روزہ کی جہانچ میں روزی کی بھی کچھ فکر رہے
کہیں خالی ہی نہ جائے رمضاں ای واعظ

شوق مسجد کا تجھے ہم کو ہے اُس در کی طلب
بخشے جاتے ہیں گنہگار جہاں ای واعظ

لطفِ میخانہ مٹا آبِ طرب تلخ ہوا
تو نے بس گھول دیا آ کے یہاں ای واعظ

بھول کر دخترِ میخوار سے ملنا نہ کبھی
وہ بنا دے گا تجھے پیرِ مغاں ای واعظ

ہم کس طرح سے مان لیں ہو دلنشیں لحاظ
ہم نے تو تیری آنکھ میں دیکھا نہیں لحاظ

دل کش تری ادائیں ترا دلنشیں لحاظ
بیباکیاں نظر میں کہیں ہیں کہیں لحاظ

وہ مے سے تر ہے اشکِ ندامت سے بھیگ تھی
دامن کا چاہیے تجھے ای آستیں لحاظ

اے ساربان اُدھر سے نظر تو بھی پھیر لے
کرتی ہی تیرا لیلیٰ محمل نشیں لحاظ

عاشق ہو بوالہوس ہو عدو ہو رقیب ہو
کرتا نہیں کسی کا بھی وہ مہ جبیں لحاظ

گردن میں ہاتھ ڈال کے گردن نہ موڑئے
یہ شوخیوں کا وقت ہی زیبا نہیں لحاظ

اپنا وقار کہو کے نظر میں سبک نہ ہو
قول و قسم کا چاہیے اے نازنیں لحاظ

تو دل میں رہ گئے اور نہ ٹوٹے ہوئے کو توڑ
لازم ہی کچھ مکان کا بھی اے مکیں لحاظ

برقِ جمال پھر کہیں چلمن نہ پھونک دے
پردہ کا چاہیے تجھے پردہ نشیں لحاظ

خود چھیڑ چھیڑ کر اُسے گستاخ کر دیا
وہ شوخ کیا کرے جو اُٹھا دیں ہمیں لحاظ

میں زندگی میں تھا ادب آموزِ آسماں
میت کا میری کیا نہ کریگی زمیں لحاظ

تیری خوشی میں ہوں خلل انداز کیا مجال
رکھتے ہیں اس کا عاشق اندوہگیں لحاظ

ہم سے کھلے گی ہم سے لڑائیگی آنکھ وہ
زاہد کرے گی آپ کا تو حورِ عین لحاظ

دشمن کی آنکھ کو بھی وہ سمجھے ہماری آنکھ
کیا نا سمجھ ہیں ڈھونڈتے ہیں ہم کہیں لحاظ

بیخود نے عاشقی میں گذاری تمام عمر
ایسا بھی ہم نے وضع کا دیکھا نہیں لحاظ

ردیف عین مہملہ

ہوگی نہ شامِ وعدہ کی خود سر کو اطلاع
اس کی نہ تھی ہمارے مقدر کو اطلاع

الفت کی کب ہے شوخ ستمگر کو اطلاع
ہم کو خبر ہے یا دلِ مضطر کو اطلاع

قاتل سے لینگے ہمت و جرات کی داد ہم
جیداریوں کی ہوگی نہ خنجر کو اطلاع

سب کو کہاں ہے ظلم ستمگر سے آگہی
اکثر ہیں بے خبر ابھی اکثر کو اطلاع

بلبل کے دل پہ برق گری غنچہ کیا کھلا
اِس حادثے کی کب ہے گلِ تر کو اطلاع

ارمان دل میں چھوڑ کے لاکھوں چلے ہیں ہم
مرنے کی اپنے ہو نہ بھرے گھر کو اطلاع

ہلکا ہے غیر پیٹ کا پچتی نہیں ہے بات
جبتک کہ دے نہ لے وہ بہتر کو اطلاع

مغرور ہوں گے آئینہ رو پا کے آئینہ
افسوس ہے نہ تھی یہ سکندر کو اطلاع

جبتک نہاں ہے عشق جبھی تک ہے زندگی
یارب نہ ہو یہ چشم فسونگر کو اطلاع

جانے نہ پائے تھے وہ ابھی گھر رقیب کے
پہلے سے ہوگئی دلِ مضطر کو اطلاع

آکر مرے مزار پہ ڈھائینگے حشر وہ
اِس کی کہاں تھی فتنۂ محشر کو اطلاع

یہ کیا مزے کی بات ہے یہ کیا مزے کی سیر
تڑپے ہمارا دل نہ ہو دلبر کو اطلاع

بیخود سا تشنہ کام کوئی حشر میں نہیں
کیا یہ نہ ہوگی ساقیٔ کوثر کو اطلاع

جو حکم ہو بہتر ہے وہ سر کا بہر نوع
ہے طابع فرمان یہ گنہگار بہر نوع

دشمن ہی کے ہمراہ وہ آئیں کہیں آئیں
بچ جائے تو اچھا ہے یہ بیمار بہر نوع

تو رشکِ مسیحا ہے مری جان تو کیا ہے
ہے عشق ترا جان کا آزار بہر نوع

کرتے ہیں ستم لطف کے پردے میں وہ اکثر
اقرار سے بہتر ہے یہ انکار بہر نوع

کس مُنہ سے کروں چرخ کا شکوہ ترے آگے
اچھا ہے بُروں میں یہ ستمگار بہر نوع

جادو سے کرو قتل کہ اعجاز سے زندہ
راضی برضا ہے دلِ بیمار بہر نوع

تُم مجھکو وہاں لیکے چلو یا اُسے لاؤ
دشمن سے صفائی تو ہے دشوار بہر نوع

وہ رنجِ شبِ وصل جُدائی کے وہ صدمے
قسمت ہی مری درپئے آزار بہر نوع

بس خیر ہمیں آپ وفادار نہ سمجھیں
ہیں جنسِ محبت کے خریدار بہر نوع

ہر چند ابھی عمر ہے کم شرم زیادہ
آنکھیں ہیں تری دل کی طلبگار بہر نوع

نازک ہی تو کیا ہی جو وہ کم سن ہی تو کیا ہے
اُٹھیگی قیامت دمِ رفتار بہر نوع

مٹ جائے یہیں حسرتِ دیدار تو بہتر
آنی ہے قیامت بھی تو اکبار بہر نوع

بیخود ہی غافل سہی مدہوش سہی ہم
رہتے ہیں مگر آپ سے ہشیار بہر نوع

ردیف غین معجمہ

ہم سے کبھی رہو گے کہاں تک بسانِ تیغ
ہوتا ہے ہر نگاہ پر اب تو گمانِ تیغ

وہ حشر میں بھی قتل سے انکار ہی کریں
دیگی مری طرف سے گواہی زبانِ تیغ

سامانِ عیش ہجر میں کٹوائے گا گلا
ہم کو ہلالِ عید پہ ہوگا گمانِ تیغ

مانا یہ ہم نے حشر کے دن سر بھی جڑ گیا
گردن سے مٹ نہ جائیگا ظالم نشانِ تیغ

کب تک ہر ایک گام پہ ہونگے سروں کے ڈھیر
کبتک رہو گے ظلم کے خوگر بسانِ تیغ

رکتی ہوئی جو چلتی ہے مجھ بیگناہ پر
قاتل سے کر رہی ہے سفارش زبانِ تیغ

سر کاٹنے سے پہلے تم اتنا بتا تو دو
یہ امتحانِ عشق ہے یا امتحانِ تیغ

میں ماجرائے ظلم و ستم تم سے کیا سنوں
سب کہہ چکا ہی مجھسے لبِ خونچکانِ تیغ

وہ تھک گئے یہ ٹوٹ گئی ہم بچے رہے
یہ نازکی کا قصہ ہے یہ داستانِ تیغ

الفت کی جانچ چاہیئے جوہر کا انکشاف
دشمن کو آزماؤ کرو امتحانِ تیغ

مجروحِ تیغِ عشق ہے تو ہم سمجھ گئے
بیخودؔ تری زبان سے سُنکر بیانِ تیغ

یہ کہہ رہا ہے لالہ خونی کفن کا داغ
لایا ہے رنگ خونِ سرِ کوہکن کا داغ

باغِ جناں کا پھول ہی میری کفن کا داغ
میں دل میں لیے چلا ہوں کسی تیغ زن کا داغ

غربت میں گل کھلاتا ہے کیا کیا وطن کا داغ
سرمایۂ بہارِ چمن ہے یہ چمن کا داغ

عاشق کے نام سے انہیں نفرت ہی اس قدر
بلبل کو جانتے ہیں چمن میں چمن کا داغ

کچھ ایسی پھوٹ پھوٹ کے روئی ہی نعش پر
شیریں نے دھو دیا ہے دلِ کوہکن کا داغ

پہچان سے ہے گشتۂ زلفِ سیاہ کی
گردن میں بعد مرگ بھی ہوگا رسن کا داغ

وہ داغ دل کو دیکھ کے مجھ سے الجھ پڑے
تو یہ بتا کہاں سے ملا اس پھبن کا داغ

اب ہم کہیں نہ جائیں گے دلّی کو چھوڑ کر
ہم نے بدل لیا ہے وطن سے وطن کا داغ

تاثیر عشق کی بھی ہیں نیرنگیاں نئی
اب اُن کے دل میں ہے مرے رنج و محن کا داغ

بھرتا نہیں ہے خنجرِ رشکِ عدو کا زخم
مٹتا نہیں ہے اُلفتِ گل پیرہن کا داغ

انکار میرے خون سے ہوگا جو حشر میں
بن جائیگا یہ مہرِ شہادت کفن کا داغ

کچھ کہہ رہا ہے شب کی سیہ کاریوں کا حال
غماز بن گیا ہے تمہارے دہن کا داغ

پہلے خزاں کے آنے سے بلبل نے جان دی
اُٹھا نہ مشتِ پر سے بہارِ چمن کا داغ

جب سے سُنا ہے یہ کہ وہاں غیر کا ہے دخل
مٹتا چلا ہے دل سے کسی انجمن کا داغ

پھر یاں نہیں اہلِ وطن کی نصیب میں
مجھکو ہوا نصیب وطن میں وطن کا داغ

تیروں سے ہم نے آہ کے چھلنی بنا دیا
ہے دل میں ماہتاب کے چرخِ کہن کا داغ

جبتک ہے میری آنکھ میں آنسو کی قدر ہے
جبتک مرے جگر میں ہے۔ ہے لاکھ من کا داغ

بیخود یہ کہہ رہی ہے مری گرمیٔ کلام
ہے میرے دل میں داغ سے رنگیں سخن کا داغ

ردیف فاء معجمہ

بیٹھا ہوں گو پھرا ہوا دیوار کی طرف
آنکھیں سوئے رقیب ہیں دل یار کی طرف

خلوت میں کوئی بھی تو نہیں یار کی طرف
مجمع ہے حسرتوں کا طلبگار کی طرف

فرصت کہاں کہ دیکھئے غمخوار کی طرف
آنکھیں لگی ہوئی ہیں یہاں یار کی طرف

چھت پر کبھی نظر کبھی دیوار کی طرف
موقعہ ملا تو دیکھ لیا یار کی طرف

یہ حُسنِ دلفریب کی چالیں تو دیکھئے
کہتی ہے آنکھ ہم ہیں خریدار کی طرف

جس وقت آ کے شمع سے ٹھیرا مقابلہ
پروانے ہو گئے آپ کے رخسار کی طرف

عشاق کے دلوں کی وہ بہڑکا رہے ہیں آگ
مُنہ کر کے بیٹھتے نہیں بازار کی طرف

برسوں میں جا کے اب کہیں اتنے ہوئے ہیں وہ
محفل میں دیکھ لیتے ہیں دوچا کی طرف

منظور یہ ہے بزم میں دیکھیں نہ وہ اُدہر
ہم جا کے بیٹھ جاتے ہیں اغیا کی طرف

حالِ زبوں نے موت کے چھکے چھڑا دئے
بڑھ بڑھ کے رہگئی ترے بیما کی طرف

بے پردہ وہ کھڑے ہیں کوئی دیکھتا نہیں
سب کی نظر ہے طالبِ دیدا کی طرف

ٹکڑے ہماری نعش کے جب ہونگے داد خواہ
شامت ہی دل کی ہو جو ستمگار کی طرف

تیری بلا نگاہ کرے پائمال پر
تو دیکھ اپنی شوخیٔ رفتار کی طرف

میرے قلق سے دل میں وہ کچھ سہم گئے
اُٹھی نہ آنکھ دیدۂ خونبار کی طرف

معشوق ہیں وہ آئینہ رکھتے ہیں مثلِ چشم
کیوں دیکھیں وہ کسی کے دلِ زار کی طرف

دل آپ سے خلاف ہی آپ اُس سے روٹھے
مجھ سے بگاڑ ہیں تو ہوں سرکا کی طرف

بخشش کی کیا خبر ہمیں اتنی تو ہے اُمید
پہلے نظر پڑے گی گنہگار کی طرف

اُس کا فروغِ حُسن تہا یہ یا ہماری آہ
بجلی سی اک چمک گئی دیوا کی طرف

بیخودؔ بہانہ ہم سے ہے مسجد کا کیا ضرور
جاتے ہو جاؤ خانۂ خمار کی طرف

حُسن والوں سے کوئی کیا واقف
اُن کی چالوں سے کوئی کیا واقف

وصل ہو عیش ہو مزے لوٹوں
ان خیالوں سے کوئی کیا واقف

دل کے صدموں سے دل ہی ہے آگاہ
خستہ حالوں سے کوئی کیا واقف

عہد میں ان کے ہے بڑا اندھیر
مہ جمالوں سے کوئی کیا واقف

بے طلب جان دے رہا ہے جہاں
اب سوالوں سے کوئی کیا واقف

پھوٹتے پھلتے ہیں مرے نالے
ان نہالوں سے کوئی کیا واقف

مجھ پہ پھر جوڑ دشمنوں نے چلا
بدخصالوں سے کوئی کیا واقف

فتح آہوں سے دل پہ پائی ہے
میرے بھالوں سے کوئی کیا واقف

دل کے ڈسنے کو ہیں یہ ناگ سیاہ
تیرے بالوں سے کوئی کیا واقف

چال پر مٹ گیا ہے اک عالم
پائمالوں سے کوئی کیا واقف

لوگ **بیخود** کو جانتے بھی نہیں
باکمالوں سے کوئی کیا واقف

حسن کی پھیلی ہوئی تنویر ہے چار و نطرف
جلوہ فرما یار کی تصویر ہے چار و نطرف

گیسوئے پیچاں میں الجھے یوں پھنسا ہے دل مرا
ہے یہ قیدی پیچ میں زنجیر ہے چار و نطرف

دوست غمگیں شاد دشمن وہ خفا ہیں منفعل
میرے نالہ کی بھی کیا تاثیر ہے چار و نطرف

نور آگیں بزم تم سے تم ہو رونق بزم کی
صدر میں بیٹھے ہو تم تنویر ہے چار و نطرف

ہے دلِ روشن کا حصہ حسن یکتا کی بہار
اسکے آئینہ پہ یہ تحریر ہے چار و نطرف

ہوش میں اب کون ہے محفل میں شرماؤ نہ تم
اک تمہارا عاشقِ دلگیر ہے چار و نطرف

وہ کہیں دشمن کہیں حوریں کہیں پریاں کہیں
پھانسنے کہنے کی مرے تدبیر ہے چار و نطرف

میں کہاں جاؤں کدھر نکلوں جہاں قسمت پھرے
میرا دشمن آسمانِ پیر ہے چار و نطرف

دشتِ غربت میں کھڑی چارونطرف تکتی ہیں ہم
اک ہجوم یاس سو سو تیر ہے چارونطرف

قتل گہہ میں کوئی تو تقدیر بھی چمکے کہیں
کیا چمکنے کے لئے شمشیر ہی چارونطرف

ہیں کدہر منہ کرکے سوؤں کہہ تو دیجے وصل میں
آپکے غصہ کی اک تصویر ہی چارونطرف

میں یہاں ٹھہرا کبھی دم بھر وہاں ٹھہرا کبھی
اُسکے کوچہ میں مری جاگیر ہی چارونطرف

آپکے تیر نظر کے ذکر سے چھدتی ہیں دل
ایک عالم آپکا نخچیر ہے چارونطرف

ذرہ ذرہ خاک کا اک آفتاب حسن ہے
اتنے پردوں پر تری تنویر ہی چارونطرف

آپ کی شہرت تو بیخودؔ ہو گئی ہے دُور دُور
آپ ہی کے باب میں تقریر ہے چارونطرف

چاند سا منہ تو اُس نے پایا صاف
اُس کے دل کو نہ کیوں بنایا صاف

عرض مطلب پہ پیچ بھی کیسے
پھر بھی اُس سے جواب پایا صاف

اس صفائی کے ہم تو قائل ہیں
بدگمانی کو کیا مٹا یا صاف

میرے دل سا کہاں سراغ رساں
اپنے قاتل کو ڈھونڈھ لایا صاف

آچکا تھا زباں تک شکوہ
اُس نے باتوں میں کیا اڑایا صاف

اک معمہ سا تھا بیاں اُن کا
اپنا مطلب کہاں بتایا صاف

خود بھی الزام سے بچا کوئی
اور دشمن کو بھی بچایا صاف

تم نے دیکھا یہ جذب دل میرا
تیر چٹکی سے چھین لایا صاف

دیکھ لی اک جھلک سی موسیٰ نے
اُس کا جلوہ نظر نہ آیا صاف

بیوفائی سے مدعا کیا ہے
یہ نہ تم نے کبھی بتایا صاف

سب کو بیخودؔ نے آزما دیکھا

کوئی بھی دل نظر نہ آیا صاف

ردیف قاف

پیتا ہوں دل کے جام میں بھر کر شرابِ عشق
دیتا ہے بیخودی میں مزا اضطرابِ عشق

کیا جانے رسمِ عشق وہ خانہ خرابِ عشق
مجنوں کو ہم پڑھائینگے برسوں کتابِ عشق

اُس کا بھی کچھ خیال ہے اے آرزوئے وصل
وہ بھی تو بیقرار ہے اے اضطرابِ عشق

ان سب کی ایک اصل ہے ان سب کا اک خلاص
سوزِ فراق نارِ جحیم التہابِ عشق

عاشق ہو تم پہ غیر تو مجھکو سزا ملے
ہوتا ہے بوالہوس سے کہیں ارتکابِ عشق

ہنکارتا ہوں شوق میں جلتا ہوں ہجر میں
مستِ شرابِ عشق ہوں دل ہے کبابِ عشق

تیرے فروغ کے لئے بھر دی ہے مجھ میں آگ
تو ماہتابِ حُسن ہے میں آفتابِ عشق

وعدہ تو کر لو وصل کا ایفا نہ ہو نہ ہو
اتنا تو کامیاب ہو ناکامیابِ عشق

داغوں کی اک بہار تھی دل میں وہ مٹ گئی
افسوس ہے کہ تمنے نہ دیکھا شبابِ عشق

یکتا ادا میں تم ہو تو کامل وفا میں ہم
پیدا جوابِ حُسن نہ ممکن جوابِ عشق

لو میرے نامہ بر نے نئی اُن سے چال کی
وہ خط کو پڑھ رہے ہیں سمجھکر کتابِ عشق

میں ممتحن ہوں باغ میں نکلے گی مجھ سے کیا
پڑھتی ہے عندلیب گلستاں کا بابِ عشق

مشتاقِ دید یوں تو ہزاروں ہیں آپ کے
قسمت میں لکھدیا ہے ہمارے عذابِ عشق

میں تیری بزمِ ناز میں آیا نہیں ہوں آپ
لے آئے ہیں لگا کے یہاں تک جنابِ عشق

میں تم سے دل لگا کے مصیبت میں پھنس گیا
مجھکو نہ ترکِ عشق گوارا نہ تابِ عشق

حوروں نے ہم کو آپ کا عاشق سمجھ لیا
جنت میں ہم سے چھپ نہ سکا اضطراب عشق

الفت میں جیسے قیس کا مجنوں لقب ہوا
بیخود کو لوگ کہتے ہیں مست شراب عشق

ناصح نے اور جان جلائی شب فراق
ویدیے طعنے اُس کی بن آئی شب فراق

بیخود جدھر کو آنکھ اُٹھائی شب فراق
ہم کو تو موت ہی نظر آئی شب فراق

پامال کر رہا ہے فلک حسرتیں مری
لٹتی ہے عمر بھر کی کمائی شب فراق

میں کیا بتاؤں تم کو کٹی رات کس طرح
کمبخت موت بھی تو نہ آئی شب فراق

وعدہ ہے غیر سے مجھے دھوکہ نہ دیجیے
پہچانتا ہوں اپنی پرائی شب فراق

آفت وہ کون سی تھی جو آئی نہ ٹوٹ کر
کیا کیا نہ کی فلک نے بُرائی شب فراق

کہدو کسی کی یاد سے آئے نہ میری پاس
پھر وہ نہ جا سکے گی جو آئی شب فراق

مرتے ہیں ہجر یار میں دو چار بے اجل
کرنے لگی گھروں کی صفائی شب فراق

لے ہی گیا خیال کسی کا متاع صبر
لُٹتی ہی ہم نے آنکھ چُرائی شب فراق

ہوتے ہی صبح ہو گئی رخصت ہماری ساتھ
بیتابیوں کی تاب نہ لائی شب فراق

کیا کیا سُنا سُنا کے مجھے کہہ رہی ہے موت
ٹلنے کے واسطے نہیں آئی شب فراق

زلف سیاہ یار بھی دل سے اُتر گئی ،
ایسی مری نظر میں سمائی شب فراق

یہ بھی رہا نہ اُس بت ناآشنا کی طرح
کی دردنے بھی ہم سے جدائی شب فراق

بیخود کو شام ہی سے کچھ ایسی لگی تھی چُپ
اُس نے زبان بھی نہ ہلائی شب فراق

سامنا خاک کریگی دل ناکام سے برق
کانپ جاتی ہے فلک پر تو میری نام سے برق

دل میں رکھتا تھا بہت شوقِ تجلی جمال
گر پڑی سر پہ مری گردشِ ایام سے برق

آشیاں پھونک چکی نالۂ بلبل سے نہ بچے
مجھکو ڈر ہے کہیں جاتی نہ رہی کام سے برق

دیکھکر آئینہ جب مانگ نکالی اس نے
کوند کر مجھ پہ گری زلفِ سیہ فام سے برق

اب تو شکوہ دلِ مضطر کا نہ ہوگا مجھ سے
تم نے دیکھا کبھی ہتی نہیں آرام سے برق

چشمِ مجبور سے بادل نے برسنا سیکھا
اور سیکھی ہے تڑپنا دلِ ناکام سے برق

اُن سے پھر شام کے آنے کا ہوا ہے وعدہ
پھر چمکتی نظر آتی ہے مجھے شام سے برق

نام لوہے کا ہوا زخم نظر نے ڈالا
پھنسگئی تیغ بری ہوگئی الزام سے برق

چشمِ مخمور سے ساقی کی بچو تم بیخود
ہم نے دیکھی ہے نکلتی ہوئی اس جام سے برق

دشمن کے خط میں اُس نے لکھا ہے سلامِ شوق
میرے لئے پیامِ قضا ہے پیامِ شوق

یہ لفظ یہ بیان نہ یہ اہتمامِ شوق
قاصد کی کیا زباں سے ادا ہو پیامِ شوق

ارمان کارکن ہیں تمنائیں خدمتی
کیا کیا شبِ وصال میں ہے انتظامِ شوق

اتنا اثر تو ضبطِ محبت نے بھی کیا
اُن کی زبان پر آنے لگے ہیں کلامِ شوق

بھڑکی یہ آگ اس دلِ مشتاقِ دید سے
پہلے تو جانتا بھی نہ تھا کوئی نامِ شوق

سوچو کہ چار دن ہیں بہاریں شباب کی
سمجھو کہ حشر تک نہ رہے گا قیامِ شوق

دیدار کے خیال میں آنسو ٹپک پڑے
لبریز ہو گیا تھا چھلکتا ہے جامِ شوق

بلبل ہے نغمہ سنج تو قمری ہے نالہ کش
پھیلا دیا ہے باغ میں کس نے یہ دامِ شوق

مجنوں کو کیا تمیز تھی۔ جاہل تھا کوہکن
اُلفت میں میرے دم سے ہوا اہتمامِ شوق

یہ دل وہی ہے جسکو اُجاڑا ہے آپنے
اب خاک اُڑ رہی ہے۔ کبھی تھا مقامِ شوق

گذرے جو کوئے گم شدگاں میں تو ای صبا
کہنا جناب خضر سے میرا اسلامِ شوق

یہ راز آج بیخود میخوار سے کھُلا
تلخی میں جامِ عشق سے بڑھکر ہی جامِ شوق

ردیف کافِ تازی

باہم شبِ وصال تو اُن سے رہا سلوک
اب اسکے بعد دیکھئے کرتے ہیں کیا سلوک

ایسے سے کیا سلوک ہو بس ہو چکا سلوک
مطلب ہو اُس کا بغض مرا مُدعا سلوک

آتی نہیں ہیں ہم کو تلوّن مزاجیاں
رہتے ہیں ایک حال میں کیا جذب کیا سلوک

ہے اُن کو بغض و کینہ و ظلم و جفا سے ربط
وہ جانتے نہیں ابھی ہوتا ہے کیا سلوک

کہتے ہیں سُن کے عشق میں رسوائیاں ہوئی
یہ میرے ساتھ آپنے اچھا کیا سلوک

بیجا ہے اب نباہ کی اُمید آپ سے
دشمن کے ساتھ دیکھ لیا آپ کا سلوک

ہم بھی کسی کے چاہنے والوں میں تھے کبھی
ہم سے بھی ربط تھا کبھی ہم سے بھی تھا سلوک

پیرِ مغاں کی ذات سے کس کو ہوا نہ فیض
پوشیدہ محتسب سے بھی کرتا رہا سلوک

بیگانگی کی شان یہ دیکھی نہ تھی کبھی
پہلے ترے طریق میں تھا یا نہ تھا سلوک

حاصل کلامِ عشق کے افسانہ کا یہ ہے
انجام اس کا رنج ہے آغاز تھا سلوک

ظلم و ستم سے بھی کہیں ہوتا ہی دل میں گھر
بے مہر تجھکو چاہیئے اُلفت وفا سلوک

دشمن کے دل میں تجھ سے جو ہوتی نباہ کی
تیرے بگاڑ کو بھی تو یہ جانتا سلوک

دم بھر بغیر اُس کے نہیں چین آپ کو
بیخود سے آج کل تو ہی بے انتہا سلوک

صدمے فراقِ یار کے ہیں جانِ زار تک ۔ ہم اور دیکھتے ہیں شبِ انتظار تک

اُلفت جلا رہی ہے تری ورنہ ہیں کہاں ۔ میری تو زندگی ہے دلِ بیقرار تک

وعدے سے پیشتر ہی قیامت بپا ہوئی ۔ بنتی ہے دم پہ دیکھئے کیا وصلِ یار تک

گھر سے قدم بھی جس نے نکالا نہ تھا کبھی ۔ لے آئیں شوخیاں اُسے میرے مزار تک

ذکرِ وفا پہ کہتے ہیں کیا منہ بنا کے وہ ۔ باتوں میں تیری لطف رہا اعتبار تک

جب تک بدن میں جان ہے نالہ ہے آہ ہے ۔ بے اختیاریاں ہیں یہی اختیار تک

زاہد بھری نہیں ابھی نیت شراب سے ۔ کر لینگے توبہ پیتے ہیں فصلِ بہار تک

رشکِ رقیب کاہشِ غم خواہشِ وصال ۔ جھگڑے یہی ہیں ہستیٔ ناپائیدار تک

ہو کیوں نہ شاد شاد فریبِ وفا سے دل ۔ پہنچی نہیں نظر ابھی انجامِ کار تک

خورشید سے ہے قطرۂ شبنم کا سامنا ۔ اُمیدِ زندگی ہے مجھے وصلِ یار تک

اپنے خیال و وہم کا ممکن نہیں علاج ۔ ہیں بدگمانیاں نگہ شرمسار تک

انکار کر رہے ہیں وہ اقرارِ وصل سے ۔ پہنچے نہ یہ خبر دلِ امیدوار تک

بیخود کی قدر ہی نہیں پیرِ مغاں تجھے
رونق ہے میکدہ کی اسی بادہ خوار تک

کیا ملے آپکی محفل میں بھلا ایک سے ایک ۔ رشک ایسا ہے کہ بیٹھا ہی جدا ایک سے ایک

یوں تو ہر عضو مشابہ ہے ترا ایک سے ایک ۔ دیکھنا یہ ہے نرالی ہے ادا ایک سے ایک

نہ ملا آئینہ میں بھی تری صورت کا جواب ۔ کون کہتا ہے کہ بڑھ چڑھ کے ہوا ایک سے ایک

دل سے ملے ہاتھ ملے اُٹھ کے نگاہیں بھی ملیں ۔ وصل بھی عید ہے ملنے کو بڑھا ایک سے ایک

اُس کے جلوے نے کسی کو بھی سنبھلنے نہ دیا ۔ دیکھو سنبھلے ہوئے کہتا ہی رہا ایک سے ایک

وہ خفا مجھ سے ہوئے اُن سے مرا دل بگڑا
وصل کیا خاک ہی جب روٹھ گیا ایک سے ایک

ایسے ویسوں کو تو منہ بھی نہ لگایا ہم نے
ماہرو ہم کو تو اچھا ہی ملا ایک سے ایک

اب نہ وہ عشق نہ وہ عاشق و معشوق رہے
خواب میں بھی تو نہ ہوتا تھا جدا ایک سے ایک

دل بنا جان کا دشمن تو جگر تشنۂ خوں
تیری اُلفت میں مخالف ہی ہوا ایک سے ایک

کبھی اقرارِ ستم ہے کبھی انکارِ وصال
منتخب ہے ترا اندازِ جفا ایک سے ایک

ناز۔ انداز۔ ادا۔ حُسن۔ کرشمہ۔ شوخی
دلستانی میں وہاں کم نہ رہا ایک سے ایک

کان سے دل نے لیا دل سے رگوں نے چھینا
لے رہا ہے تری باتوں کا مزا ایک سے ایک

ظرف دیکھا یہ مئے عشق کے سرشاروں کا
بیخودی میں بھی تو **بیخود** نہ کھلا ایک سے ایک

یہ تو سمجھو کہ سنبھالیگا سنبھالا کب تک
مرنیوالا کوئی فرقت میں جئے گا کب تک

سچ بتاؤ کہ نکالوگے تمنا کب تک
دل میں کھٹکیگا مرے جان یہ کانٹا کب تک

غیر سے کچھ ہے اِدھر کچھ یہ تماشا کب تک
رنگ بدلے گا نئے وہ گلِ رعنا کب تک

اب تو ہر وقت اجل سر پہ کھڑی رہتی ہے
تیرے بیمار اٹھائینگے تقاضا کب تک

ٹالنا ہے مرا منظور تو دو کھل کے جواب
عرضِ مطلب پہ کہے جاؤگی اچھا کب تک

سرخ آنسو ہیں کہ آنکھوں سے بہے جاتے ہیں
دیکھیے بھرتا ہے ناسور جگر کا کب تک

اب تو دشمن کو نہ سوجھے گی بُرائی تیری
دیکھنا یہ ہے کہ وہ رہتا ہے اندھا کب تک

زندہ کر دوگے دلِ مردہ کو کتنے دن میں
تم کو آجائیگا اعجازِ مسیحا کب تک

تابکے حسرتِ دیدار میں مر مر کے جئیں
کیا خبر طے ہو قیامت کا یہ جھگڑا کب تک

بیوفاؤں سے ہے اُمیدِ وفا نادانی
بات پر اپنی مٹے گا دلِ شیدا کب تک

اس معنے میں اشارا ہے کمر کی جانب
منہ تو کیا بات بھی کھلنے نہیں پاتی اُن کی
مجھکو کئے ون سے کے لئے حکم تڑپنے کا ملا
اب کے وہ ہاتھ ملائیں تو یہ اُن سے پوچھوں
میں خطاوار ہوں پامال کئے جاؤ مجھے
جب سمجھ آگئی اتنی کہ یہاں کچھ بھی نہیں۔

پوچھیے اُن سے کہ ہاتھ آئیگا عنقا کب تک
دیکھیے رہتا ہے پردے میں یہ پردا کب تک
دیکھنا چاہتے ہو تُم یہ تماشا کب تک
ہاتھ نہ آئیگا میرا یہ مصیبت کب تک
ٹھوکریں کھائیگی یہ زلفِ چلیپا کب تک
دیکھی وہو کا ہیں پھر ہستیٔ اشیا کب تک

اب بڑھاپے میں بھی تو یہ نہیں کرتا پرہیز
اس سے پوچھے کوئی کمبخت پیئے گا کب تک

ردیف کاف فارسی

چھپائے کیطرح سے ہو ستمگر الگ تھلگ
بیٹھا ہے پھر ذبح ستمگر الگ تھلگ
عاشق کے دل میں رہ کے مٹاتے ہیں دل کو وہ
پرہیز بھی ہے مجھ سے انہیں ناز کے ساتھ
چھالا نہ پھوٹ جائے کوئی زخم پھٹ نہ جائے
ارمان و آرزو سے نہیں اُن کو کام کچھ
سایہ بھی اُن کا تکیہ کی حد سے اُدھر رہا
گرتے ہیں مجھپہ سنگ حوادث فلک سے روز

گردوں کو ہے ابھر دلِ مضطر الگ تھلگ
چٹکی میں تھام رکھا ہے خنجر الگ تھلگ
یہ خوب مل گیا ہے انہیں گھر الگ تھلگ
بیٹھے ہوئے ہیں میرے برابر الگ تھلگ
رکھنا جگر کو اے دلِ مضطر الگ تھلگ
رہتے ہیں اب وہ دل کی بھی اندر الگ تھلگ
پہلو میں میرے سوئے وہ شب بھر الگ تھلگ
رہتے ہیں میرے نام کے پتھر الگ تھلگ

آئی بہار دختر رز بن گئی پری
بیٹھی ہوئی ہے شیشہ کے اندر الگ تھلگ

یہ تو نئی سکھائی نزاکت نے اُن کو چال
رکھتے ہیں اب وہ پاؤں زمیں پہ الگ تھلگ

امکان کیا کہ ہاتھ بھی چھو جائے ہاتھ سے
دیتے ہیں دور ہی سے وہ ساغر الگ تھلگ

چھیڑا ذرا کہ آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے
ہیں پنجۂ مژہ میں یہ گو ہر الگ تھلگ

بیخود سا پارسا تو ہوا ہے نہ ہو کہیں
میخانہ سے گیا ہے نکل کر الگ تھلگ

وہ شوخی کہاں تک نہ لائے گی رنگ
جوانی کسی کی دکھائے گی رنگ

ادھر ہجر کی رات لائے گی رنگ
اِدھر تیرہ بختی دکھائے گی رنگ

لگاؤ حنا دستِ گلگوں میں تم
کہ یہ اور بھی کچھ بڑھائے گی رنگ

مرے حال کو آپ سمجھے نہیں
مری بیقراری دکھائے گی رنگ

یہی چال ہو گی یہی شوخیاں
قیامت تمہارا اُڑائے گی رنگ

تری زلف کی یاد کہتی ہے یہ
شبِ ہجر اپنا جمائے گی رنگ

یہ ترچھی نظر کیوں نہ ڈھائے گی قہر
یہ بانکی ادا کیوں نہ لائے گی رنگ

تری تیغ کا لال کر دوں گا منہ
جو یہ کھیلنے مجھ سے آئے گی رنگ

ان آنکھوں نے دیکھا ہی کیا ہے ابھی
ابھی تو یہ دنیا دکھائے گی رنگ

کوئی دن میں مہندی ترے ہاتھ کی
مرے خون دل سے ملائے گی رنگ

ملے گل سے دل کھول کر عندلیب
سحر آکے کچھ اور پائے گی رنگ

یہی ہیں جو بیخود نظر بازیاں
تری پارسائی دکھائے گی رنگ

ردیف لام

ابھی دل نے کیا اُس کا دیکھا تغافل
دکھائے گا آگے تماشا تغافل

تڑپتے ہوئے مجھکو دیکھا تو ہوتا
مہربان ایسا بھی کیا تھا تغافل

بڑی بات اچھوں کو پھبتی نہیں ہے
ستم تم کو شایاں نہ زیبا تغافل

اُنہیں شوخیوں سے نہیں چین دم بھر
حیا کس کو کہتے ہیں کیسا تغافل

تہِ تیغ بھی تم نے مجھکو نہ دیکھا
نگاہوں میں یہ شرم ایسا تغافل

اُنہیں تو ستم کا مزا پڑ گیا ہے
کہاں کا تجاہل کہاں کا تغافل

رہیں خواب میں بھی تو نیچی نگاہیں
نہ دیکھا مجھے اُس نے دیکھا تغافل

غرض کیا اُنہیں وہ جو میری خبر لیں
وہاں تو ستم میں بھی ہوگا تغافل

نئے ظلم ایجاد ہوتے ہیں اب تو
کبھی پیشتر بھی ہوا تھا تغافل

یہ ساری مرے عشق کی خوبیاں ہیں
نہ میں تم پہ مرتا — نہ ہوتا تغافل

خریدار چشمِ عنایت کے تھے ہم
مبارک رہے تجھکو تیرا تغافل

وہ کافر نگاہیں کسی نے نہ دیکھیں
بنا اُن کی آنکھوں کا پردا تغافل

وہ گنوا نے بیٹھے تھے اپنی وفائیں
وفا کی جگہ مُنہ سے نکلا تغافل

کوئی اور ہوتا تو ہم بھی نہ کہتے
نہیں تم کو **بیخود** سے زیبا تغافل

Supplied by
Mirza Law House
ETAWAH

فرقت کا غم نہ ہجر کی کچھ رات کا خیال
آئی وہ پیش تھا مجھے جس بات کا خیال

ہے روزِ ہجر میں بھی اُسی بات کا خیال
دل میں بسا ہوا ہے وہی رات کا خیال

مطلب نہ لطف سے نہ غرض التجا سے ہے
اُن کو ستم کا پاس مجھے بات کا خیال

مکر و فریب میں بھی تو ایجاد ہے نیا
رہتا ہے اُن کو روز نئی گھات کا خیال

ظلم و ستم کا خوف نہ چشمِ عطاؤ لطف
اِس بات کا ملال نہ اُس بات کا خیال

توبہ ہے لب پہ ہاتھ میں پیالہ شراب کا
زاہد کا ڈر ہے پیرِ خرابات کا خیال

ہے حسرتِ وصال میں لذتِ فراق کی
پہلے گناہ سے ہے مکافات کا خیال

ارمانِ وصلِ غیر کو دل سے مٹائیے
اچھوں کو چاہیے نہ بُری بات کا خیال

ناگاہ اُس کو دیکھتے ہی دم نکل گیا
بیخود کو تھا نہ مرگِ مفاجات کا خیال

یہی تو دل ہے نگاہِ عتاب کے قابل
یہ تیر تھا اسی خانہ خراب کے قابل

یہ ضبطِ غم ہے مرا انتخاب کے قابل
کہ اب سکت ہی نہیں اضطراب کے قابل

اُسی ادا سے کیا قتل تو نے دشمن کو
کہ جو ادا تھی تری انتخاب کے قابل

اِسے تو شوخی و ناز و ادا کی دو تعلیم
تمہاری آنکھ نہیں ہے حجاب کے قابل

قلم سے کھینچ دیا خط اُسی پہ ظالم نے
لکھا تھا خط میں جو فقرہ جواب کے قابل

عدو کے ذکر پہ مُنہ کھل گیا خدا کی شان
یہ شوخیاں ہیں تمہاری حجاب کے قابل

وہ اک ادا تھی دمِ ذبح جس نے تڑپایا
چھری کا زخم نہ تھا اضطراب کے قابل

خدا نے نور کے سانچے میں تم کو ڈھالا ہے
تمہارا حُسن تو ہے انتخاب کے قابل

سمجھ کے بات کہو کچھ سمجھ کے بات کرو
عدو کا منہ ہے سوال و جواب کے قابل

چھپے گا چہرۂ رازِ زلیخا اب کیونکر
رہا نہ دامنِ یوسفؑ نقاب کے قابل

پھر اپنے بوسۂ لب کیوں شمار کرتے ہو
نہ تھی یہ دل کی رقم جب حساب کے قابل

ہٹا دیا ہے فلک نے بنا کے سبزہ راہ / ملی نہ عمر ہی ہم کو شباب کے قابل

سوالِ وصل تھا تم سے لپٹ پڑی شبِ ہجر / مرا گناہ نہ تھا اس عذاب کے قابل

ترے شہید پڑے سو رہے ہیں مقتل میں / یہی جگہ تھی حقیقت میں خواب کے قابل

شکن یہ کیوں ہے تمہاری جبینِ روشن پر / نہ تھا ہلال یہ اس آفتاب کے قابل

کہو نہ تم مجھے اپنی زبان سے عاشق / یہ نامراد نہیں اس خطاب کے قابل

نگہ نگہ سے ٹپکتی ہے شانِ معشوقی / ادا ادا ہے تری انتخاب کے قابل

نکل کے ٹھیری ہے سینہ سے روح آنکھوں میں / جگہ یہ خوب ملی باتراب کے قابل

بشر کو جامِ محبت عطا ہوا بیخود / کسی کا ظرف نہ تھا اس شراب کے قابل

کمبخت دل خراش بہت ہی صدائے دل / کانوں پہ ہاتھ رکھ کے سنو ماجرائے دل

مرنے سے جو ڈرے وہ کرے ہائے ہائے دل / آجائے موت آتی ہی جاتا ہی جائے دل

دل پر ابھی سے ہاتھ ہے لب پر ہی ہائے دل / تم نے سنا ہی کیا ہے ابھی ماجرائے دل

پاس آکے بیٹھو کان میں سن لو ہماری بات / کیا خاک دور سے ہو بیاں مدعائے دل

تیری نگاہِ مہر بھی ظالم ہے قہر کی / برچھی جگر کے واسطے خنجر برائے دل

نیرنگ سازِ دستِ حنائی ہے آپ کا / قاتل یہی ہے دل کا یہی خوں بہائے دل

کیوں لب پہ آہ سرد ہے کیوں چشم اشکبار / کچھ اور سنیے اور کہوں ماجرائے دل

لے تو چلے ہو تم کہیں ایسا غضب نہ ہو / میں دل کو بھول جاؤں مجھے بھول جائے دل

سینے میں اب جگر کی جگہ جل رہی ہے آگ / پہلو میں اب ہے داغِ محبت بجائے دل

کاوش امید کی ہے تمنا کی ہے خلش / پہلو میں اور بھی تو ہیں کانٹے سوائے دل

ملنے لگا ہے بیخودی شوق میں مزا
بیخود خیالِ یار ہے راحت فزائے دل

ردیف میم

بیتاب رہیں ہجر میں کچھ دل تو نہیں ہم
تڑپیں جو تجھے دیکھ کے بسمل تو نہیں ہم

ہیں یاد بہت مکر و فریب ایسے ہمیں بھی
مٹھی میں جو آجائیں ترے دل تو نہیں ہم

اب آپ کوئی کام سکھا دیجیے ہم کو
معلوم ہوا عشق کے قابل تو نہیں ہم

کہنے کو وفادار تمہیں لاکھ ہیں کہدیں
دل سے مگر اس بات کے قائل تو نہیں ہم

کیوں خضر کے پیرو ہوں تری راہِ طلب میں
آوارہ و گم کردۂ منزل تو نہیں ہم

کہتے ہیں تمنائے شہادت کو وہ سُن کر
کیوں قتل کریں آپ کو قاتل تو نہیں ہم

ہیں دل میں اگر طالبِ دیدار تمہیں کیا
کچھ تُم سے کسی بات کے سائل تو نہیں ہم

وہ پوچھتے ہیں مجھ سے یہ مضمون نیا ہے
تیری ہی طرح سے کہیں بیدل تو نہیں ہم

ہم جاتے ہیں یا حضرتِ دل آپ سدھاریں
جائینگے اب اُس بزم میں شامل تو نہیں ہم

اِن آنکھوں سے ہمنے بھی تو دیکھا ہے زمانہ
ہم سے نہ کہو غیر پہ مائل تو نہیں ہم

مرنے کے لئے وقت کوئی تاک رہے ہیں
اِس کام کو سمجھے ابھی مشکل تو نہیں ہم

کہتے ہیں تجھے دیکھ کے آتا ہے ہمیں رشک
بیٹھے ہوئے دشمن کے مقابل تو نہیں ہم

ہر سانس میں رہتا ہے تری یاد کا کھٹکا
بیخود ہیں تو ہوں کام سے غافل تو نہیں ہم

مہمان ہیں فصل گل کی طرح اس چمن میں ہم
اپنے کو جانتے ہیں مسافر وطن میں ہم

اے خاکِ گور تجھ سے خجل ہیں کفن میں ہم
برسوں کے بعد آئے ہیں واپس وطن میں ہم

تجھ سے ہنسے رقیب جلیں انجمن میں ہم
فانوس میں یہ شمع ہے یا پیرہن میں ہم

ٹھیرے کہیں نگاہ بھی دل بھی کہیں جمے
اِس انجمن میں ہیں کبھی اُس انجمن میں ہم

کھلتا ہے کوئی غنچہ تو جھڑتا ہے کوئی گل
قدرت کے کھیل دیکھ رہے ہیں چمن میں ہم

داغوں پہ داغ جھیلے ہیں زخموں پہ کھائے زخم
دولہا بنے ہوئے ہیں سراپا کفن میں ہم

فریاد کا ہو خوف اگر ہم سے حشر میں
رکھیں زبان کاٹ کی تیرے دہن میں ہم

جو زخم ہے بدن پہ وہ خنجر کی شکل ہے
قاتل سے کم رہے نہ کبھی بانکپن میں ہم

باندھیں کہاں وہ تیغ ہمیں کون قول دے
اُن کو کمر کا سوچ ہے فکرِ دہن میں ہم

پیدا ہوئے ہیں، وہی تو عاشق جہان میں
گلشن میں عندلیب تری انجمن میں ہم

سارا یہ سیر گل کا مزا تیرے دم سے ہے
تیرے بغیر آگ لگا دیں چمن میں ہم

معشوق سے بگڑ کے بگاڑیں گے اُس کا کیا
اپنا ہی دل جلائیں گے اُس کی جلن میں ہم

قسمت جدا جدا ہے مقدر الگ الگ
عیش و طرب میں غیر ہے رنج و محن میں ہم

پروانہ بنکے جلتے ہیں جب ہجرِ یار میں
اک روح پھونک دیتے ہیں شمعِ لگن میں ہم

کافی ہیں ہم فراق میں جلنے کے واسطے
جلنے نہ دینگے شمع کو بیت الحزن میں ہم

اُڑتی ہے جسمیں خاک وہ دل اب بغل میں ہے
آئے ہیں ساتھ لیکے بیاباں چمن میں ہم

چھپتے ہیں کوئی یار سے داغِ دل و جگر
رکھیں گے مہر و ماہ کو کب تک گہن میں ہم

آئینے سے خطاب ہے ترچھی نظر کے ساتھ
تو سادگی میں فرد ہے تو بانکپن میں ہم

وہ گل کی شوخیاں ہیں نہ بلبل کے چہچہے
کچھ آج فرق پاتے ہیں رنگ چمن میں ہم

تجھکو ہے گفتگو کا سلیقہ نہ غیر کو
تیری زباں پہ تو ہے تو اُسکے دہن میں ہم

جب اُن سے ہوگا داورِ محشر کا سامنا
دیکھیں گے سیر چُھپ کے عدو کے کفن میں ہم

آوارہ بوئے گُل کی طرح عمر بھر رہے
جا کر کبھی نہ آئے پھر اپنے وطن میں ہم

برسوں سے خون روتے ہیں مژگاں کی یاد میں
پیکاں لگائے رکھتے ہیں زخمِ کُہن میں ہم

بیخود وہیں ہے قدر کچھ اہلِ کمال کی
افسوس ہے کہ جا نہ سکے پھر دکن میں ہم

ٹوٹے پڑتے ہیں یہ ہیں کس کے خریدار تمام
صبح سے بند ہیں کیوں مصر کے بازار تمام

ایک پہلو پہ نہیں شوخیِ گفتار تمام
تیری ہر بات کے پہلو میں دل آزار تمام

اب رہا کون جو دیدار تمہارا دیکھے
پردہ اُٹھتے ہی ہوئی حسرتِ دیدار تمام

وہ بھی بازار میں دم بھر کو چلے آتے ہیں
جمع ہوجاتے ہیں جب اُن کے خریدار تمام

دل بھی لیکر کبھی یہ کہتے نہیں دل عاشق کا
اپنی ہی گوں کے ہیں معشوقِ طرحدار تمام

اُن کے آتے ہی ہوا گھر میں اُجالا کیسا
بن گئے نور کے گویا در و دیوار تمام

بات رہ جائے اگر حشر میں آئے یہ ندا
پیش ہوں پہلے محبت کے گنہگار تمام

عشق نے جان بچانے کی کہاں دی مہلت
آنکھ ملتے ہی تو اعضا ہوئے بیکار تمام

سنگدل کیوں نہ بتِ ماہ جبیں ہوں مشہور
یہ تو مٹی کے بھی ہوتے ہیں ستمگار تمام

عید آئی ہے الٰہی کہ بہار آئی ہے
جھومتے آج چلے آتے ہیں میخوار تمام

اک جھلک دیکھ لی پردے سے تو ظالم نے کہا
لوٹ لی تو نے مرے حُسن کی سرکار تمام

کہہ تو دو کس نے یہ بوچھاڑ ہوئی تیروں کی
ہیں یہ کیوں خون میں ڈوبے ہوئے سوفار تمام

لفظِ رخصت بھی تو پورا نہ وہ کہنے پائے
لب ہلے تھے کہ ہوا عشق کا بیمار تمام

حسن-انداز-ادا-ناز-نگاہیں-شوخی	دل مرا چھین کے بن بیٹھے ہیں مختار تمام

اب بھی اپنا کوئی **بیخود** مجھے سمجھا کہ نہیں
چھپ گئے اب تو مرے حال کے اخبار تمام

مٹ جائیں مگر ساتھ نہ چھوڑینگے ترا ہم — عاشق ہیں تو بن جائیں گے نقشِ کفِ پا ہم
ہیں نگہتِ گل باغ میں اے بادِ صبا ہم — دم بھر میں نمودار ہیں دم بھر میں فنا ہم
سمجھو ہمیں انسان کے پردے میں ہیں کیا ہم — دیکھو ہمیں آئینہ ہیں تصویر نما ہم
برسوں میں کہیں وصل کی امید بندھی ہو — سہتے ہیں بڑے شوق سے اب ظلم و جفا ہم
تشریف تو لائیں وہ روٹھے رہیں ہم سے — جھگڑا تو مٹے صلح بھی ہو جائے گی باہم
ہم تیرے شناسا ہیں ہمیں غیر سے کیا کام — آگاہ کسی سے بھی نہیں تیرے سوا ہم
پوچھا تھا یہ میں نے کہ مٹائیگا مجھے کون — قسمت ابھی خاموش تھی جو اُس نے کہا ہم
نہ عیش کا بندہ ہے وہ آرام کا خوگر — دشمن سے نہ اُٹھیگی اُٹھائیں گے جفا ہم
جو بات کے ہوتے ہیں وہی پھر نہیں سکتے — ہو سکتا ہے یہ ہم سے کریں ترک وفا ہم
بے وجہ خفا ہو کے خوشامد نہ کرو تم — تعریف کو بھی اب تو سمجھتے ہیں گلا ہم
کھل جائیں یہ سب راز اگر فکر سے لیں کام — خود منزلِ مقصود ہیں خود راہ نما ہم
بھولے سے کہیں اُن کا گلا ہم نے کیا تھا — فرماتے ہیں ایسوں سے نباہیں گے بھلا ہم
فرمائیے کیا جی میں ہے کیا ٹھانی ہے دل میں — اِس وقت کوئی غیر نہیں آپ ہیں یا ہم
عالم کو مٹا شوق سے ہم کو نہ مٹا تو — عالم تو اک آئینہ ہے ہیں عکس ترا ہم

وہ کہتے ہیں دعویٰ ہے اسے ہوش و خرد کا
بیخود کو پلائیں گے مئے ہوش ربا ہم

ردیف نون

کچھ حوصلے ہی پست بہت آدمی کے ہیں
ورنہ ہر اک نگاہ میں جلوے اُسی کے ہیں

سب سے جدا طریق یہاں عاشقی کے ہیں
ظاہر کسی سے ملتے ہیں شیدا کسی کے ہیں

میں اور بزم غیر میں رسوائیاں مری
کرتُوت سب یہ حضرتِ دل آپ ہی کے ہیں

اس چرخ کینہ ساز سے بڑھکر نہیں کوئی
ہر چند سینکڑوں ہی عدو آدمی کے ہیں

میں آپ میں نہ ہوں تو نظر آئے روئے یار
یہ درمیاں حجاب جو ہیں بیخودی کے ہیں

حوروں کو بھی تو اس کی تمنا ہے رات دن
چرچے بہشت میں بھی تمہاری گلی کے ہیں

اے چارہ گر نہ بھول گران کو نکالنا
پھانسیں نہیں ہیں دل میں یہ پیکاں کسی کے ہیں

ناکام روزِ وصل رہا بھی تو میں رہا
احسان آپ پر تو مری بیخودی کے ہیں

بیخود یہ تم جو کرتے ہو کوشش فضول ہے
گذریں گے ہر طرح سے جو دن زندگی کے ہیں

مرگ کا ارماں شبِ غم کیا کریں
موت کو موت آگئی ہم کیا کریں

کس طرح کاٹیں شبِ غم کیا کریں
زندگی سے بیر ہے ہم کیا کریں

میرے پھولوں میں ملے دشمن سے وہ
اس خوشی میں اب مرا غم کیا کریں

سُن کے ساری داستانِ رنج و غم
کہدیا اُس نے کہ پھر ہم کیا کریں

وعدہ کیسا آج ہو جائے وصال
کل اگر جاؤ تو پھر ہم کیا کریں

یادِ مژگاں دل سے جاتی ہی نہیں
اک خلش رہتی ہے پیہم کیا کریں

جلوہ گر ہے بام پر ناوک فگن
گردنِ تسلیم کو خم کیا کریں

ہے علاجِ دردِ دل ترکِ علاج
چارہ گر مرتا نہیں ہم کیا کریں

جو ہمارے دل میں چھپ کر آ گیا
اُس کو اب رسوائے عالم کیا کریں

بعد مُردن آپ چُھٹ جائیگی مے
چار دن کیواسطے کم کیا کریں

ذکر تو کر دیں ترا بیخود مگر
وہ خفا ہو جائیں تو ہم کیا کریں

تم تیغ لے کے آئے ہو کیوں قتل گاہ میں
ہے امتحانِ عشق و ہوس اک نگاہ میں

کیا دیکھ آئے آج کسی جلوہ گاہ میں
ہم اپنے گھر کو پوچھتے جاتے ہیں راہ میں

پردے میں رہ کے ہوتی ہیں جلوہ نمائیاں
سب اُن کی شوخیاں ہیں ہماری نگاہ میں

رتبہ نہیں کلیم سے کم جاں نثار کا
دینی تھی ہم کو جان تری جلوہ گاہ میں

وارفتگی اُنہیں بھی ہوئی دیکھکر مجھے
تھا کچھ نہ کچھ اثر مرے حالِ تباہ میں

تم اور تم کو محفلِ دشمن سے واسطہ
سچ کہتے ہو فتور ہے میری نگاہ میں

بیٹھے ہوئے ہیں منتظرِ حشر سینکڑوں
آجاؤ بن سنور کے کبھی جلوہ گاہ میں

سب کا بیاں غلط مرے دل کا گماں غلط
یہ کیا کہا ملے نہیں دشمن سے راہ میں

چوری چھپے سے جاتے ہیں مسجد میں شب کو ہم
ڈر ہے کہ دیکھ لے کوئی کافر نہ راہ میں

تم آپ آ گئے ہو یہاں اس میں شک نہیں
آیا بھلا کہاں سے اثر میری آہ میں

جس وقت اُس نے عذر کیا صاف ہو گیا
اتنی ہی تو کسر ہے دلِ دادخواہ میں

اُڑ کر کبھی جو آئی کسی دل جلے کی خاک
سرمہ لگا گئی تری چشمِ سیاہ میں

گرد چھنی ہے حشر کے دن شانِ مغفرت
بیخود کبھی قصور نہ کرنا گناہ میں

دل کو قیدِ زلف کچھ بھاری نہیں
یہ گرفتاری گرفتاری نہیں

دوستوں میں وہ وفاداری نہیں
دشمنی ہے آج کل یاری نہیں

آنکھ کو بیمار کیوں کہتے ہیں لوگ
دیکھنے میں کوئی بیماری نہیں

بوالہوس کو آبرو کا پاس ہے
مجھکو تجھسے جان بھی پیاری نہیں

رکتے ہی کہتے رکیگا خونِ دل
آنکھ ہے یہ کوئی پچکاری نہیں

پیش آئیں گی بہت سی مشکلیں
سہل کچھ دل کی گرفتاری نہیں

تم نے سرمہ سے کیا آنکھونکو سرخ
کیا ہے یہ گر مردم آزاری نہیں

عشق میں کیا دین و دنیا کی خبر
خوابِ غفلت ہی یہ بیداری نہیں

کیا ہوا **ابجود** تجھے کچھ منہ سے پھوٹ
بے سبب تو گریہ وزاری نہیں

کہے دیتا ہوں میں سب سے بہت دلکش یہ نالے ہیں
کلیجہ تھام لیں ہاتھوں سے جتنے سننے والے ہیں

ڈریں کیوں ہم اگر شمشیر نے جوہر نکالے ہیں
تمہارے دست و بازو کو ہمارے دیکھے بھالے ہیں

اٹھا رکھے ہیں کسدن کیلئے ہم بھی سنیں دیکھیں
ستم وہ کون سے ہیں جو زمانے سے نرالے ہیں

رقیبوں نے وفائیں کونسی کی ہیں کہ اے ظالم
انہیں کی اب نظیریں ہیں انہیں کے اب حوالے ہیں

کسی کے نیک و بد سے کچھ غرض مطلب نہیں ان کو
قیامت میں الگ سب سے تمہارے ماننے والے ہیں

مرے بختِ سیہ کا مجھسے شکوہ سن کے ظالم نے
کہا کس ناز سے ہنسکر مرے گیسو جو کالے ہیں

ادھر دیکھو ادھر سوزِ محبت اس کو کہتے ہیں
زباں سوکھی ہوئی کانٹے لگے ہیں منہ میں چھالے ہیں

شکستِ عہد و پیماں میں مزا آتا ہے ساقی کو
بہت جامِ سفالیں کسطرح دل توڑ ڈالے ہیں

نہیں جاتی قفس میں آرزو اب بھی تو گلشن کی
پروں کے ساتھ بازو بھی تڑپ کر توڑ ڈالے ہیں

کہیں سے بھی نہیں اُترے کہیں سے بھی نہیں بگڑے
خدا نے دستِ قدرت سے یہ بت سانچے میں ڈھالے ہیں

رفاقت دیکھ لی میں نے محبت میں رفیقوں کی
پڑی ہے اُن کو جینے کی مجھے مرنے کے لالے ہیں

مری فریاد سُنکر حشر میں بولے تو یہ بولے
قیامت ہیں غضب ہیں قہر ہیں آفت ہیں نالے ہیں

نرالی خواہشیں جی میں اُمنگیں کچھہ نئی دل میں
نئے معشوق ہیں وہ ڈھنگ دنیا سے نرالے ہیں

دل و جان و دین و ایمان صبر و تاب و ہوش لیتا جا
بچھڑ جائیں نہ رستے میں یہ سب تیرے حوالے ہیں

نہ لینا نام دِلی کا ہمارے سامنے بیخود
اُسی اُجڑے ہوئے گلشن کے ہم بھی رہنے والے ہیں

کیا کہوں ذکر جو دشمن کے مزا دیتے ہیں
یہ تو تجھکو بھی مرے دل سے بھلا دیتے ہیں

جان یوں عشق میں اربابِ وفا دیتے ہیں
یہ تماشہ بھی تجھے آج دِکھا دیتے ہیں

پوچھیے خارِ تمنا کی خلش کو دل سے
یہ وہ کانٹے ہیں کھٹکنے میں مزا دیتے ہیں

اے ستم کیش و جفاکار تری عمر دراز
مرنے والے تجھے جینے کی دعا دیتے ہیں

ایک بوسہ پہ تو سودا نہ بنے گا دل کا
سوچ کر دیجیے کچھہ آپ یہ کیا دیتے ہیں

میری عادت سے ابھی آپ نہیں ہیں واقف
وعدے کے ساتھ مجھے یہ بھی سُنا دیتے ہیں

دل کا سودا تو نگاہوں میں ہوا کرتا ہے
کس کو معلوم ہے کیا لیتے ہیں کیا دیتے ہیں

مانگ کر بوسہ رہا دل پہ نہ قابو اپنا
کس نے منہ پھیر کے چپکے سے کہا دیتے ہیں

میں نہ مانوں گا کہ وہ غیر کی سنتے ہونگے
میرے کہنے کو تو باتوں میں اُڑا دیتے ہیں

دیکھے اُس وقت کوئی اُن کو مری آنکھوں سے
گالیاں غیر کو جب ہو کے خفا دیتے ہیں

کیا کیا نہ کیا حشر نے برپا ہو کر
آج ہی کل میں تمہیں یہ بھی دکھا دیتے ہیں

دل کو مٹھی میں ستمگر نے دبا رکھا ہے
میں نے مانگا تو کہا ہنس کے بھلا دیتے ہیں

رات یہ اور بھی فرقت میں گذار و بیخود
صبح ہو جائے تو ہم اُن کو بلا دیتے ہیں

یہ اور وقتِ رخصت اندھیر کر گئے ہیں
وہ اپنے ساتھ لیکر میری نظر گئے ہیں

کہنا مرا نہ کیجے اپنی خبر تو لیجے
دامن مسک گیا ہے گیسو بکھر گئے ہیں

اقرارِ عشق و اُلفت ہی بوالہوس کا حصہ
پوچھا ہے جب کسی نے ہم تو مکر گئے ہیں

اچھا نہیں ہے ایدل یہ اضطراب تیرا
جلدی نہ کر گئے ہیں پیغامبر گئے ہیں

جاتے ہی اُن کے گویا کچھ بھی تھا چمن میں
جوشِ بہارِ گُل کو پامال کر گئے ہیں

جھوٹا ہی کیوں نہ کیجے وعدہ تو منہ سے کیجے
انکار سُنتے سُنتے برسوں گذر گئے ہیں

تڑپی ہے جب مہینوں کُنجِ قفس میں بلبل
اُڑ کر چمن کی جانب دو چار پر گئے ہیں

ہے خیر تو اسی میں لگ جاؤ دل ٹھکانے
ارمان اب بہت سے سینے میں بھر گئے ہیں

ان بدگمانیوں پر ہے اُن کو بدگمانی
دشمن کے پیچھے پیچھے ہم اُن کے گھر گئے ہیں

لاکھوں میں دل ہمارا نکلے گا پاس اُنکے
تیور یہ کہہ رہے ہیں لیکر جگر گئے ہیں

بے عشق گر جئے بھی کس کام کا وہ جینا
ہے زندگی انہیں کی جو تجھ پہ مر گئے ہیں

دم بھر کو بھی جو بیخود اُن کی نظر پھری ہے
صدمے ہمارے دل پر کیا کیا گذر گئی ہیں

تلاشِ یار و عشقِ یاراں دونوں میں کامل ہوں
نظر کے واسطے پتلی تمنا کے لئے دل ہوں

سیہ کاروں میں شامل ہوں سیہ بختوں میں داخل ہوں
کسی بدمست کی نظروں میں کسی کی آنکھ کا تل ہوں

دکھاتا ہوں زمانے کی طرح نیرنگ عالم کو
کہیں شوخی کہیں تمکیں کہیں حسرت کہیں دل ہوں

مری نادانیاں بھی مصلحت آمیز ہوتی ہیں
اگر انصاف سے دیکھو تو اپنے فن میں کامل ہوں

گرہ بنکر مرے دل میں تمنا اُس کی کہتی ہے
مجھے حل کر نہیں سکتا ہی کوئی میں وہ مشکل ہوں

تمہاری زلفِ پُر خم سے یہ آتی ہو صدا مجھکو
رہا کرتا تھا پہلو میں کبھی تیرے وہی دل ہوں

نہ اُٹھوایا خدا نے نازِ بیجا مجھ سے قاتل کا
کیا ہے خون اپنی حسرتوں کا میں وہ قاتل ہوں

تمہارا تو یہ شیوہ ہے جسے تاکا اُسے مارا
نگاہِ لُطف کہتی ہو ستم میں یا بھی داخل ہوں

نہیں ممکن علاج اس بدگمانی کا تری ظالم
اگر دشمن سے بھی تقصیر ہو میں بھی شامل ہوں

کوئی جائے وہاں میرا تصور ساتھ ہو سب کے
نہیں اُس بزم میں لیکن شریکِ اہلِ محفل ہوں

بُرا تو مجھکو کہتے ہو مگر اک دن اسی مُنہ سے
یہ سُنوا دوں گا میں تم کو وفا کا تیری قائل ہوں

سر بازار کہتا ہوں خریدارو چلو دیکھو
زمانے سے انوکھا ہوں نرالا ہوں نیا دل ہوں

اسی آوارگی میں ہم سفر یہ عمر گذری ہے
ٹھکانے کا پتہ کیا دوں کہ میں گم کردہ منزل ہوں

مجھے دینا پڑیگا شرط یہ ہے میں جو مانگوں گا
کبھی جو بے لئے ٹلتا نہیں ہے میں وہ سائل ہوں

مجھے تم جانتے ہو کون ہوں کیا ہوں تو پوچھا تھا
وہ کہتے ہیں اسی تاک میں تو اپنے سے بھی غافل ہوں

کہا تھا خواب میں جو رازِ دل مجھ سے وہ سن لیجے
نہ میں اُس وقت غافل تھا نہ میں اس وقت غافل ہوں

جو تو ہے حسن میں یکتا تو میں ہوں عشق میں کامل
تری صورت کا شیدائی ترا ندِ مقابل ہوں

کسی کی زلف کے سودے نے ایسے پاؤں پھیلائے
تقاضا ہی یہ وحشت کا کہ پابندِ سلاسل ہوں

نزاکت مانعِ تیغ آزمائی ہے نہ مانوں گا
نکل کر تیغ خود چلنے لگے کہدی جو قائل ہوں

وہی بیخود ہوں میں سمجھے ہو بیخود جس کو تم اپنا
تمہاری یاد کیسی میں تو خود اپنے سے غافل ہوں

سراپا درد ہوں بیدرد پر حسن آن پر مائل ہوں
مری فریاد سے ڈرنا کہ میں ٹوٹا ہوا دل ہوں

تڑپنے کیلئے پیدا ہوا ہوں میں وہ بسمل ہوں
کسی بیتاب کی حسرت کسی مہجور کا دل ہوں

مثالِ چشمِ حیراں تیغ کا ہر حلقہ جوہر
مرا منہ تک رہا ہے میں وہ مجبورِ قاتل ہوں

تصور اپنا ہوں دل سے نکلنے کیلئے تیرے
تیری محفل میں اگر بیٹھ جانے کے لئے دل ہوں

مزے سے شرمِ عصیاں کے اگر آگاہ ہو جائے
تمنا ہو یہ زاہد کو گنہگاروں میں داخل ہوں

انہیں دیکھو کہ غفلت بھی ہے کس ہوشیاری سے
مجھے دیکھو کہ میں اُن کے تغافل سے بھی غافل ہوں

خدا جانے جوانی کی طرح پھر میں کدھر جاؤں
تعاقب میں رواں عمرِ رواں کی چند منزل ہوں

خیالِ گیسوئے پرخم سے وحشت کام لیتی ہے
مری دیوانگی دیکھو کہ پابندِ سلاسل ہوں

عدو سے مشورہ کیوں ہے مری پامال کرنے کا
مجھی سے پوچھ لیجے میں مٹا دینے کے قابل ہوں

سوالِ وصل پر اُن کی خموشی مجھ سے کہتی ہے
کبھی اقرارِ واثق ہوں کبھی میں عہدِ باطل ہوں

اُمیدیں ٹوٹ جائیں آرزوئیں خاک ہو جائیں
مگر میں وہ بلا ہوں تیرے ملنے سے بیدل ہوں

طلب کرتے ہیں کیوں کر اہلِ دولت سے یہ پوچھونگا
مجھے تو مانگنا تک بھی نہیں آتا وہ سائل ہوں

اُٹھایا غیر کے پہلو سے فتنے کی طرح تم کو
خدا رکھے انہیں اِن شوخیوں کا میں تو قائل ہوں

بگڑنے ہی نہیں دیتی کسی سے بیکسی میری
مرا غمخوار بن جائے جو دشمن سے مقابل ہوں

مجھے مطلب کروں ناصح سے حجت اُسکو بکنے دو
کوئی دیوانہ ہوں ناداں ہوں یا میں بھی جاہل ہوں

سما کر آنکھ کے پردے میں وہ پردہ نشیں بولا
مجھے دل میں جگہ دیجے کہ میں لیلائے محمل ہوں

خدا چاہے تو اب ہوگی ہماری آرزو پوری
زباں سے آج نکلی ہے کسی بت کے بمشکل ہوں

بقولِ حضرتِ استاد کس گنتی میں ہوں **بیخود**
کسی فن میں نہ لائق ہوں نہ فائق ہوں نہ کامل ہوں

سب کی طرف ہے اور کسی پر نظر نہیں
ہر شخص جانتا ہے ادھر ہے مگر نہیں

تجھ سے تو کچھ گلا مجھے بیداد گر نہیں
اک بات کا خیال ہے دل میں مگر نہیں

ثابت نہیں کسی پہ کدھر ہے کدھر نہیں
بجلی ہے ساعقہ ہے کسی کی نظر نہیں

سچ ہم فدا ہیں غیر پہ مجھ سے سوال ہے
اللہ رے بے خبر تجھے اپنی خبر نہیں

اُن سے فقط نگاہ کے ملنے کی دیر ہے
میر املال وہ بھی کسی بات پر نہیں

اُڑنا قفس کو لیکے بھی دشوار کچھ نہ تھا
مشکل یہ آپڑی ہے کہ بازو میں پر نہیں

آپ اپنی عرضِ وصل پہ نخوت تو دیکھیے
انکار اور وہ بھی ادھر دیکھ کر نہیں

اس سے غرض ہی کیا تھی اُنہیں کوئی کچھ کہے
اُن کی زبان پر تو رہی رات بھر نہیں

افشائے رازِ وصل کہاں اور میں کہاں
اپنی نظر پر آپ کو شاید نظر نہیں

اُلفت کا اپنی آج بھرم ہمپہ کھل گیا
نالے میں بھی دُعا کی طرح سے اثر نہیں

سب کے دلوں کو ہے تری چیٹک لگی ہوئی
عاشق ترا نہ ہو کوئی ایسا بشر نہیں

مانا یہ میں نے آپ کی طینت ہی پاک صاف
کہدیجیے رقیب کے دل میں بھی شر نہیں

پچھلے پہر سے کیوں نہ نکل آئے آفتاب
یہ صبح عیش ہے شب غم کی سحر نہیں

اُن کی طرف سے کہتا ہے کیا کیا جلی کٹی
میرے لئے رقیب سے کم نامہ بر نہیں

دامن سے اپنے اِس کو بجھا کر سدھاریے
جلنے کو میں ہوں ہجر میں شمعِ سحر نہیں

بیخود شراب چھوڑ چکے ان سے چھٹ چکی
توبہ کے بعد پی گئے کتنی خبر نہیں

کیوں کہکے دل کا حال اُسے بدگماں کروں
یہ راز وہ نہیں ہے جسے میں بیاں کروں

کعبے میں جا کے شکوۂ جورِ بتاں کروں
پتھر بھی موم ہو وہ ستم کا بیاں کروں

اپنی تو آپ مجھکو کہانی سُنا چکے
سنیے تو حال میں بھی کچھ اپنا بیاں کروں

مجھکو یہ ضد کہ وصل کا اقرار تم سے لوں
تمکو یہ ہٹ کہ میں نہ کبھی تجھ سے ہاں کروں

یہ کہہ رہی ہے مجھ سے کسی کی نگاہِ شرم
فرصت اگر حیا سے ملے شوخیاں کروں

وہ بیخودی کی بات تھی اتنے خفا نہ ہو
میری مجال کیا ہے جو تم سے زباں کروں

ڈرتا ہوں پھوٹ جائیں نہ چھالے زبان کے
کیونکر بیان لذتِ سوزِ نہاں کروں

تو مجھکو آزما کے وفاداریوں میں دیکھ
میں بیوفائیوں میں ترا امتحاں کروں

شاید مرا پیام یہ پورا نہ کہہ سکے
قاصد کے ساتھ کاٹ کر اپنی زباں کروں

ہیں لاکھ غم ہزار گلے سو شکایتیں
گر ایک بات ہو تو کچھ اُس کا بیاں کروں

میں کیا ستم شعار تجھے جانتا نہیں
کس مُنہ سے شکوۂ ستمِ پاسباں کروں

آجائیں تیری ضد پہ اگر وہ تو لطف ہے
لوٹوں مزے خبر بھی نہ اے آسماں کروں

اُکتا گیا ہے شرع کی پابندیوں سے جی
دل چاہتا ہے بیعتِ پیرِ مغاں کروں

بیخود رفیق ہے نہ کوئی ہم طریق ہے
دل پر جو کچھ گذرتی ہے کس سے بیاں کروں

نقشِ قدم نہیں ہوں نہ رنگِ حنا ہوں میں
کچھ سوچ کر سمجھ ہی کے تجھ پر مٹا ہوں میں

ایسا ہجومِ شوق میں ضبط آشنا ہوں میں
اُن کی نگاہ میں دلِ بے مدعا ہوں میں

مرنے کی اپنے آپ دُعا مانگتا ہوں میں
اُس بیوفا سے مل کے بہت خوش ہوا ہوں میں

آئینہ بن کے چشمِ تمنا بنا ہوں میں
جو مجھکو دیکھتا ہے اُسے دیکھتا ہوں میں

بیخود ہوں تیری نام کا تجھ پر فدا ہوں میں
اِس سے غرض نہ رکھ کہ بُرا یا بھلا ہوں میں

دل دے کے میری جان مُکرتا ہے تو عبث
انداز کہہ رہا ہے ترا دل رُبا ہوں میں

ڈرتے ہیں میرے نام سے جتنے ہیں بوالہوس
مٹ مٹ کے تجھ پہ فتنۂ محشر بنا ہوں میں

ہے ختم امتحانِ وفا میری ذات پر
برسوں تری نگاہ میں ظالم رہا ہوں میں

اس شوقِ نامراد نے رکھا ہے نامراد
گستاخ ہو کے دستِ زلیخا بنا ہوں میں

نالہ یہ کہہ رہا ہے مرا اُن کے کان میں
ان نارسائیوں پہ بھی کتنا رسا ہوں میں

پہنچا نہ رازِ نغمہ منصور تک کوئی
بندہ کی تھی مجال جو کہتا خدا ہوں میں

بولے سوالِ وصل پہ مجھ سے بگڑ کے وہ
جانا نہیں مجھے ابھی تو نے کہ کیا ہوں میں

میری ہی یہ نمود ہے تیرا ہی یہ ظہور ،،
مجھ سے جدا ہے غیر نہ تجھ سے جدا ہوں میں

تم دل ملا کے ہمسے ملوگے غلط ہے یہ
کہتی ہے ہر نگاہ کہ نا آشنا ہوں میں

تیرے خرام پر ہے قیامت مٹی ہوئی
ہر فتنہ کہہ رہا ہے ترا نقشِ پا ہوں میں

دل کا پتہ نگاہ کو اُس کی بتا دیا
اس اپنے چور کے لئے خود رہنما ہوں میں

پیدا دلوں میں ہوگئے اُلفت کے ولولے
ہر شخص چاہتا ہے کہ تجھپر فدا ہوں میں

تعذیر دیجے اُس نے یہ ثابت کیا قصور
پہلے سے تو نے کیوں نہ کہا بے خطا ہوں میں

میں اُن سے چاہتا ہوں صفائی جو وصل میں
مُنہ پھیر کر وہ کہتے ہیں بس بس خفا ہوں میں

یہ کہکے دل بھی نیر کے ہمراہ ہولیا
مجھکو بھی ساتھ رکھ کہ نشانہ ترا ہوں میں

بیخود کا شب کو ذکر جو کچھہ اُن سے آگیا
ٹھہرا کے وہ یہ بولے کہ ہاں جانتا ہوں میں

شوق اپنا آپ میں اپنی زباں سے کیا کہوں
دل جو کچھہ کہتا ہے وہ اُس بدگماں سے کیوں کہوں

بوالہوس دشمن کو پہلے امتحاں سے کیوں کہیں
آپ تم کہدو گے میں اپنی زباں سے کیوں کہوں

تم سمجھہ لو۔ سوچ لو۔ تم تاڑ لو۔ پہچان لو
بات اپنے دل کی میں اپنی زباں سے کیوں کہوں

حشر کے دن داورِ محشر سے ہوگی دو بدو
مجھکو جو کہنا ہے وہ اُس بدگماں سے کیوں کہوں

نالہ آپہنچا ہے لب تک اب چلا یہ چرخ پیر
تجھہ سے کہتا ہوں ستمگر آسماں سے کیوں کہوں

خواب میں لوٹی ہے میں نے اُن کے جوبن کی بہار
اپنی چوری کی حقیقت پاسباں سے کیوں کہوں

کان میں سُن لو اِدھر آکر مری اک بات تم
تم سے کچھ کہتا ہوں میں سارے جہاں سے کیوں کہوں

دل سے میں اُن کے تصور کی شکایت کیا کروں
جو حقیقت ہے مکیں کی وہ مکاں سے کیوں کہوں

داستان اول سے سنئے میری سننی ہے اگر
آپ کہتے ہیں جہاں سے میں وہاں سے کیوں کہوں

جی میں لیلےٰ کے یہ آتا ہے کہوں کچھ حال قیس
پھر یہ کہتی ہے اس کو ساربان سے کیوں کہوں

نیکیاں جو کچھ یہاں کی ہیں وہاں دیں گی بہار
باغِ جنت کو جدا اس خاکداں سے کیوں کہوں

میں جہاں جی چاہیگا جاؤں گا کچھ مطلب تمہیں
پوچھتے کیوں ہو کہ آتے ہو کہاں سے کیوں کہوں

آپ کی جانے بلا ناصح محبت کا مزا
کیا لیا ال کر کسی آرام جاں سے کیوں کہوں

کان میں چپکے سے **بیخود** جو کہا ہے یار نے
رشک آتا ہے مجھے وہ رازداں سے کیوں کہوں

بڑی گرمی ہے بُلبُل کی فغاں میں
چمک جاتی ہے بجلی آشیاں میں

غضب ہے کاٹ دشمن کے بیاں میں
لگا رکھی ہیں کیا چھریاں زباں میں

نزاکت پہلے اپنی آزما لو
بہت نکلیں گے رخنے امتحاں میں

سُنے گا کوئی میرا حال شاید
اثر پاتا ہوں کچھ اپنی زباں میں

بڑی مشّاطہ ہے اُس کی نظر بھی
لگاتی ہے یہ تھگلی آسماں میں

پتہ اُن کا یہ سُن لے مجھ سے قاصد
وہ رہتے ہیں نگاہ پاسباں میں

کیا اک بات میں ثابت دہن کو
یہ جادو ہے تمہاری نئی ہاں میں

فقیری اہل دولت کی نہ پوچھو
چھپی رہتی ہے کملی پرنیاں میں

قفس سے کم نہیں خوفِ اسیری
رہوں گا قید کب تک آشیاں میں

مقدر آج جاگے گا کسی کا
بھری ہے نیند چشمِ پاسباں میں

خطر گلچیں کا ہے صیاد کا ڈر
بچھائے میں نے کانٹے آشیاں میں

خدا کی شان تجھ پہ حُسنِ زیبا
کہاں پیدا ہیں تجھ سے اس جہاں میں

بیاں ہوتے ہیں مجھ سے رازِ دشمن
وہ کیا سمجھے مجھے اپنے گماں میں

کہاں ہوتے ہیں بیخود داغ جیسے
غنیمت ہیں یہ دم ہندوستاں میں

نہ سہی آپ ہمارے جو مقدر میں نہیں
اب وہ پہلی سی تڑپ بھی دلِ مضطر میں نہیں

آج کیوں درد ہمارے دلِ مضطر میں نہیں
کوئی مہمان تو ٹھہرا ہوا اس گھر میں نہیں

موت بچکر شبِ غم مجھ سے کہاں جائیگی
یہ بھی کیا وصل ہے ٹھہرا کہ مقدر میں نہیں

آپ کی بات کی وقعت نہیں اصلا دل میں
آپ دم بھر میں تو ہاں کرتے ہیں دم بھر میں نہیں

ساتھ دے کیونکہ جفا میں یہ ستمگر اُن کا
چرخ گردش میں ہے آیا ابھی چکر میں نہیں

خار بستر کے لئے خاک اُڑانے کے لئے
مجھکو جنگل میں وہ آرام ہے جو گھر میں نہیں

دوسرا کوئی نہ ہو میری مصیبت میں شریک
مجھکو دل کی بھی ضرورت غمِ دلبر میں نہیں

جس سے زخمی ہوں ہزاروں وہ ادا ہی کچھ اور
جس پہ ہم مرتے ہیں وہ بات تو خنجر میں نہیں

اپنی بانی سے نہ باز آئے نہ باز آئیں گے
پھر کہتے وہ نظر آتے مجھے محشر میں نہیں

مجھکو باور تو جب آئے کہ کچھ امید بھی ہو
لکھدیا خط میں وہ اُس نے جو مقدر میں نہیں

عمرِ جاوید شہیدوں کو ملا کرتی ہے
آبِ حیواں کا اثر کیا ترے خنجر میں نہیں

میں نے پوچھا تھا کہو اور ستاؤ گے مجھے
مُنہ سے نکلی ہے ستمگر کے گھڑی بھر میں نہیں

یہ بھی کہتے ہو کہ پتھر سے ترا دل کیا ہے
یہ بھی کہتے ہو کہ یہ آگ تو پتھر میں نہیں

آپ کیوں ذکر سے بیخودؔ کے خجل ہوتے ہیں
یہ تو وہ نام ہے جو آپ کے دفتر میں نہیں

نہ ارمان بن کے آتے ہیں نہ حسرت بنکے آتی ہیں
شب وعدہ وہ دل میں دردِ فرقت بنکے آتے ہیں

پریشاں زلف منہ اُترا ہوا محجوب سی آنکھیں
وہ بزم غیر سے عاشق کی صورت بنکے آتے ہیں

تمنا اُن سی برآئے دلِ مضطر کی کیا ممکن
وہ جب آتے ہیں ناکاموں کی قسمت بنکے آتے ہیں

لرزتی ہی زمیں آسودہ گانِ خاک ہیں بیکل
مرے مرقد پہ وہ شاید قیامت بنکے آتے ہیں

شہیدانِ وفا کا مرتبہ بھی کچھہ نرالا ہے
فرشتے قبر میں حوروں کی صورت بنکے آتے ہیں

نہ بہلانے سے بہلینگے نہ سمجھانے سے سمجھینگے
تری محفل میں ہم اپنی طبیعت بنکے آتے ہیں

کبھی حسرت زباں پر حرف مطلب بنکے رہتی ہی
کبھی ارمان دل میں خارِ حسرت بنکے آتے ہیں

وہ اپنے عاشقوں کو اپنا آئینہ بنائیں گے
کہ جس کے سامنے آتے ہیں حیرت بنکے آتے ہیں

بنے ہیں شیخ صاحب نُقلِ مجلس بزم رنداں ہیں
جہاں تشریف لیجاتے ہیں حضرت بنکے آتے ہیں

بدل دی عشق کی حالت تری دشمن سی ملنے نے
خیالاتِ محبت دل میں وحشت بنکے آتے ہیں

نہ رکھنا ہم سے کچھہ مطلب یہ پہلی شرط ہی اُنکی
وہ جس کے پاس آتے ہیں امانت بنکے آتے ہیں

ستم کی خواہشیں بیخودؔ غضب کی آرزوئیں ہیں
جوانی کے یہ دن شاید مصیبت بنکے آتے ہیں

غمِ اُلفت سے دل لاکھوں پریشاں ہوتی جاتی ہیں
یہ گھر آباد ہو جانیسے ویراں ہوتے جاتے ہیں

یہ میری بیکسی کے مجھپر احساں ہوتے جاتے ہیں
کہ کچھہ خود بخود دل میں پشیماں ہوتے جاتے ہیں

وہی پھر عاشقِ زلفِ پریشاں ہوتے جاتے ہیں
وہی دل کی پریشانی کے ساماں ہوتے جاتے ہیں

ملا کر خاک میں مجھکو بنے ہیں قدرداں میرے
بیاں کن حسرتوں سے میرے ارماں ہوتے جاتے ہیں

بجائے ناخنِ وحشت مجھے درکار ہیں نشتر
کہ اب تارِ گریباں بھی رگِ جاں ہوتے جاتے ہیں

جوانی میں سمجھ آتی ہی ہم قائل نہیں اس کے
کہ جتنی عمر بڑھتی ہو وہ ناداں ہوتے جاتے ہیں

خموشی سے تو ہمدم اور بڑھتی ہو کھٹک دل کی
کریں کیا ضبطِ غم نالے بھی پیکاں ہوتے جاتے ہیں

نگاہِ لطف بھی تلوار کے ہمراہ پڑتی ہے
غضب ہے ستم کے ساتھ احساں ہوتے جاتے ہیں

وہ دل ہی جب نہیں پہلو میں پھر پاسِ وفا کیسا
ہماری عقدۂ دشوار آساں ہوتے جاتے ہیں

کریگا عشقِ پنہاں اب مجھے رسوا زمانے میں
مرے چاکِ جگر چاکِ گریباں ہوتے جاتے ہیں

نگاہیں جب لڑیں آپس میں یہ بھی دیکھتے جاؤ
عیاں کس کی نظر سے رازِ پنہاں ہوتے جاتے ہیں

وہی ہم ہیں وہی دل ہے وہی اُن کی تمنا ہے
نئے سر سے اُنہیں پاتو کے ارماں ہوتے جاتے ہیں

نہ دیکھے ہونگے رندِ لاؤ بالی تم نے بیخود سے
کہ ایسے لوگ اب آنکھوں سے پنہاں ہوتے جاتے ہیں

عدو کو دیکھ کے جب وہ ادھر کو دیکھتے ہیں
نظر چرا کے ہم اُن کی نظر کو دیکھتے ہیں

وہ جس نگاہ سے ہر اک بشر کو دیکھتے ہیں
اُسی نظر سے ہم اپنے جگر کو دیکھتے ہیں

نظر ہی کچھ نہیں آتا ترے سوا ہم کو
تجھی کو دیکھتے ہیں ہم جدھر کو دیکھتے ہیں

عدو کے آتے ہی کچھ اور ہو گئیں نظریں
کسی کی نرگسِ جادو اثر کو دیکھتے ہیں

وہ رکھ کے ہاتھ سے آئینہ تن کے بیٹھ گئے
دہن کو دیکھ چکے اب کمر کو دیکھتے ہیں

کسی کے حُسن سے یہ ہم کو بدگمانی ہے
کہ پہلے نامہ سے ہم نامہ بر کو دیکھتے ہیں

وہ آئے گھر میں ہمارے اُنہیں بھی دیکھینگے
ابھی تو اپنی دعا کے اثر کو دیکھتے ہیں

یہ امتحان کششِ حُسن و عشق کا ہے نیا
نہ ہم اُدھر کو نہ اب وہ اِدھر کو دیکھتے ہیں

مجھے یہ رشک ہے دیکھیں نہ خاکِ پروانہ
کہ بار بار وہ شمعِ سحر کو دیکھتے ہیں

نہ بیٹھو بزم میں دشمن کے سامنے کیونکر
یہ دیکھنا ہے وہ پہلے کدہر کو دیکھتے ہیں

مٹی نہیں ہے ابھی تک بھی حسرتِ پرواز
قفس کو دیکھکے ہم بال و پر کو دیکھتے ہیں

رقیب بنگئے محفل میں دوست بھی اپنے
تجھی کو دیکھتا ہے جس بشر کو دیکھتے ہیں

نگاہِ لطف میں ہے میل بدگمانی کا
دبا دبا کے وہ زخم جگر کو دیکھتے ہیں

نمودِ صبح سے پہلے بدل گئے تیور
کسی کی آنکھ کسی کی نظر کو دیکھتے ہیں

کبھی وہ آئینے میں دیکھتے ہیں اپنی شکل
کبھی وہ **بیخود** آشفتہ سر کو دیکھتے ہیں

ماننے کو تو مری مان لیا کرتے ہیں
چٹکیاں دل میں وہ ہر آن لیا کرتے ہیں

کبھی دیکھا بھی ہے کعبے میں خدا کو زاہد
دون کی آپ جو ہر آن لیا کرتے ہیں

وصل میں یہ تو ہمیشہ سے ہے اُن کا دستور
لاکھ میں ایک مری مان لیا کرتے ہیں

جان لی غیر کی دل مانگ لیا دشمن سے
آپ بھی مُفت کے احسان لیا کرتے ہیں

توڑ کر دل مجھے دیتے ہو تسلی ناحق
اور ہوتے ہیں جو تاوان لیا کرتے ہیں

مانتے ہی نہیں سنتے ہی نہیں پھر میری
دل میں مطلب کی جو وہ ٹھان لیا کرتے ہیں

وصل کی شب جو کسی بات کا آتا ہے خیال
تاڑ جاتے ہیں وہ پہچان لیا کرتے ہیں

سچ تو یہ ہے کہ فرشتوں کو بھی حاصل نہ ہوا
جو مزا عشق میں انسان لیا کرتے ہیں

دیکھے اک بوسۂ لب جان طلب کرتے ہو
دینے والے بھی مری جان لیا کرتے ہیں

سنگِ اسود سے بھی کیا سنگِ درِ یار ہے کم
اُس کے بوسے جو مسلمان لیا کرتے ہیں

ضد ہر اک بات پہ اچھی نہیں ہوتی **بیخود**
دیکھ کہنا بھی کبھی مان لیا کرتے ہیں

بھولے بھٹکے جو کبھی وہ ادہر آجاتے ہیں
دل میں اک آگ نئے سر سے لگا جاتے ہیں

دیکھنے والے کو جب وہ نظر آجاتے ہیں
دیکھتے دیکھتے ہی دل میں سما جاتے ہیں

مسکراتے ہوئے وہ خواب میں آجاتے ہیں
کیا قیامت ہیں کہ سوتوں کو جگا جاتے ہیں

جب کبھی مجھ سے وہ کچھ ہو کے خفا جاتے ہیں
خاک میں سب مرے ارمان ملا جاتے ہیں

تم نے دیکھے ہی نہیں اہلِ وفا کے نقشے
یہ جو مٹتے بھی ہیں تو نقش بٹھا جاتے ہیں

جلوہ عشق کی اُن کو بھی نہیں طاقتِ دید
اپنے مشتاق سے وہ آنکھ چرا جاتے ہیں

وہ کہانی مری سن لیں تو قیامت آجائے
بے سُنے تو مجھے دو چار سنا جاتے ہیں

نقشِ پائے بھی مرے اُن کو عداوت ٹھیری
چلتے پھرتے ہوئے وہ اسکو مٹا جاتے ہیں

کعبہ و دیر سے کیا کام ہے آباد رہیں
اُٹھ کے اس در سے کہیں اہلِ وفا جاتے ہیں

اُن کو مطلب جو سنیں وہ مری مطلب کی کبھی
کاٹ دیتے ہیں مری بات اُڑا جاتے ہیں

کوئی اندھا ہی جو بنجائے تو کیا اس کا علاج
اپنا ہر رنگ میں جلوہ وہ دکھا جاتے ہیں

بزمِ دشمن میں خوشی سے بھی کوئی جاتا ہے
ہمکو کھینچے لئے جاتی ہے قضا جاتے ہیں

یار و غمخوار ہیں دنیا میں بنی کے ساتھی
جب بگڑتی ہے تو سب آنکھ چرا جاتے ہیں

کاش لایا نہ کریں حضرتِ ناصح تشریف
اور دکھتے ہوئے دل کو وہ دکھا جاتے ہیں

نہیں اُٹھتا نگہِ شوق کا بھی بار اُن سے
کیا نزاکت ہے پسینے میں نہا جاتے ہیں

دیکھتا مجھکو جو ہوتا دمِ رخصت کوئی اور
اُس نے منہ پھیر کے جس وقت کہا جاتے ہیں

ہمنے دیکھے ہی نہیں تاڑنیوالے ایسے
دل کے بھیدوں کو نگاہوں میں وہ پا جاتے ہیں

جان دیں ہجر میں یوں آپ کے دشمن بیخود
آپ گھبرائیں نہیں وہ ابھی آجاتے ہیں

دل میں پھر وصل کے ارمان چلے آتے ہیں
میرے روٹھے ہوئے مہمان چلے آتے ہیں

کون ہمراہ جنازہ ہے کہ احباب مرے
اُس پہ ہوتے ہوئے قربان چلے آتے ہیں

اُن کے آتے ہی ہوا حسرت وارماں کا ہجوم
آج مہمان پہ مہمان چلے آتے ہیں

عشق آسان ہے مشکل ہے رسائی اُن تک
سینکڑوں ہوکے پریشان چلے آتے ہیں

چھیڑنا راہ میں اُن کا نہیں دشوار مگر
آگے پیچھے تو نگہبان چلے آتے ہیں

آپ ہوں ہم ہوں مۓ ناب ہو تنہائی ہو
دل میں رہ رہ کے یہ ارمان چلے آتے ہیں

اُس نے یہ کہکے مجھے دور ہی سے روک دیا
آپ سے جان نہ پہچان چلے آتے ہیں

تو ہی جائیگا اگر اب اُنھیں چھیڑا ہمدم
وہ بہت دل میں پشیمان چلے آتے ہیں

پاس اُن کے دمِ رخصت نہیں ٹھیرا جاتا
کہکے اللہ نگہبان چلے آتے ہیں

روٹھ بیٹھے ہیں مگر چھیڑ چلی جاتی ہے
کبھی پیغام کبھی پان چلے آتے ہیں

جمگھٹا رندوں کا اُس پر یہ غضب میخانہ
شیخ صاحب بھی ہیں نادان چلے آتے ہیں

آپ کے سر کی قسم تازہ کوئی بات نہیں
دل میں پہلے ہی کچھ ارمان چلے آتے ہیں

یہ رہا حضرتِ بیخود کا مکاں آؤ چلیں
ابھی دم بھر میں قرتجبان چلے آتے ہیں

اُسکی آنکھوں کے یہ اشارے ہیں
ہمنے لاکھوں جوان مارے ہیں

صلح ہو جائے پھر دکھا دینگے
تم ہمارے ہو ہم تمہارے ہیں

کوئی تو بات ہی ترے لب میں
کہ نزاکت نے قول ہارے ہیں

سادگی کہتی ہے دمِ رنجش
یہ کسی اور کے اشارے ہیں

روزِ محشر سے کیا ڈریں واعظ
ہمنے فرقت کے دن گذارے ہیں

کب گئے وہ یہاں سے خالی ہاتھ
ہاتھ شانے سے وہ جُدا ہو جائے

جان لیکر مری سدھارے ہیں
جس نے گیسو ترے سنوارے ہیں

ہیں بلانوش حضرتِ **بیخود**
اِن سے جب بد کے پی ہی ہارے ہیں

آیا ہے ذکر میرا ہولے سے جب وطن میں
کیا کھلبلی پڑی ہے دشمن کی انجمن میں

آکر یہ گُل کھلایا تمنے نیا چمن میں
چنگاریاں لگی ہیں بلبل کے تن بدن میں

بیخود نے نام پایا اس عاشقی کے فن میں
جادو بھرا ہوا ہے اسکے سخن سخن میں

جو ہوشیار آیا بدمست ہو کے نکلا
کیا جانے کیا بلا ہے ساقی کی انجمن میں

جادو بھی ہمنے دیکھے تسخیر کے عمل بھی
کچھہ بات ہی نئی ہے اُس چشم سحر فن میں

خنجر نے دم چُرایا پیکاں نے منہ بنایا
لیکن نہ فرق آیا قاتل کے بانکپن میں

فقرے ہزار جھوٹے جوڑوں گا حشر کے دن
تیری زبان ہوگی گویا مرے دہن میں

اُس کا پتہ نہ پایا ہر چند جستجو کی
میں سونگھتا پھرا ہوں ہر پھول کو چمن میں

اب چھیڑ چھاڑ اُن کی باتوں میں کوئی دیکھے
اب شوخئے زباں نے گھر کر لیا دہن میں

تصویر کی بھی حالت جو تھا وہ محو حیرت
خلوت کا لطف پایا ہم نے اُس انجمن میں

کچھہ شوق کچھہ محبت کچھہ رشک کی بھی کثرت
تیرے سوا کسی کو دیکھا نہ انجمن میں

عادت جو تھی سفر کی کی ہمنے کوچہ گردی
آرام سے نہ بیٹھے ہم چار دن وطن میں

داغِ دلِ زلیخا کچھہ بھی نہ رنگ لایا
دھبّہ لگا نہ ہرگز یوسفؑ کے پیرہن میں

آنکھوں نے کچھہ اُڑائے نظروں نے کچھہ چُرائے
نکلا نہ ایک دل بھی اُس زلف پُرشکن میں

یکتا ہیں سینکڑوں میں لاکھوں میں بے بدل ہیں
ہم دوستی کے فن میں وہ دشمنی کے فن میں

قاصد کی دیکھنی ہے مجھکو نگاہ بازی
دیتا ہے خط یہ کس کو جا کر اُس انجمن میں

اعجاز سے تو کافر ہوئے ہیں سنگ ریزے
باتوں کا ذکر کیا ہے ہے گفتگو دہن میں

یہ تو مجھے بتاؤ آئے ہو کس طرف سے
بیتاب سانس بھی ہے رعشہ بھی ہے بدن میں

پیری میں جامِ اُلفت **بیخود** سمجھ کے پینا
کچھ زہر بھی ہے شامل اس بادۂ کہن میں

کلیجہ توڑ لیں گی میری آہیں
سمجھکر وہ ذرا دشمن کو چاہیں

مری خواہش کہ وہ مجھسے نباہیں
زمانہ ہم کو چاہے وہ یہ چاہیں

قیامت ہو تری اُٹھتی جوانی
غضب ڈھانے لگیں نیچی نگاہیں

وفا کے عہد باہم ہو گئے ہیں
مگر وہ دیکھیے کب تک نباہیں

پلٹنا اُن کا وعدے سے غضب ہے
زباں کے ساتھ پھرتی ہیں نگاہیں

شکایت سُن کے بے مہری کی بولے
غرض یہ ہے کسی کو ہم بھی چاہیں

زمانہ ہم نے ظالم چھان مارا
نہیں ملتیں ترے ملنے کی راہیں

مجھے امید یہ غیروں سے کب ہے
کہ وہ میری طرح تم سے نباہیں

زمانے کے چلن سیکھے ہیں تم نے
پلٹ جاتی ہیں دم بھر میں نگاہیں

دمِ آخر وہ آ کر کہہ گئے یہ
کہاں تک بیوفاؤں سے نباہیں

عدو سے چھپ کے آ جاتے ہیں دل میں
نکالی ہیں نئی ملنے کی راہیں

اجی توبہ بہت پچھتائے **بیخود**
قیامت تک نہ تم جیسے کو چاہیں

نگاہِ شوخ کہاں شرمسار آنکھوں میں
کھٹک رہا ہے کوئی بیقرار آنکھوں میں

نگاہِ شوخ رہی بیقرار آنکھوں میں
گذر گئی ہی شبِ انتظار آنکھوں میں

نگاہ ملتے ہی ملتے سما گئے دل میں
لیا نہ آپ نے دم بھر قرار آنکھوں میں

اُدھر ہے شوخ نگاہی اِدھر نگاہِ شوق
ہوئے ہیں وصل کے قول و قرار آنکھوں میں

یہ ہر نظر میں دکھائیگی شوخیاں اپنی
نگاہِ شوخ کو رکھو ہزار آنکھوں میں

تری طرف تو ہیں آنکھیں لگی ہوئی سب کی
یہ شکل وہ ہے رہیگی ہزار آنکھوں میں

کھلی رہینگی پسِ مرگ بھی مری آنکھیں
بنے گا حسرتِ دل کا مزار آنکھوں میں

کہاں گئے تھے کہاں رہے شب کو
شکن جبیں پہ نمایاں خمار آنکھوں میں

نگاہِ لطف ابھی غیر تک نہیں پہنچی
اُسے تو رکھتے ہیں اُمیدوار آنکھوں میں

کسے دماغ کہ دیکھے بہار گلشن کی
بسی ہوئی ہے یہاں بزمِ یار آنکھوں میں

بنی ہوئی ہیں جو حیرت سے پتلیاں تصویر
کسی کے آنے کا ہے انتظار آنکھوں میں

وہ بے پئے بھی تو مستی میں چور رہتے ہیں
کہ سرخ ڈوروں کی ہی کیا بہار آنکھوں میں

یہی کفیل ہے تیرے گنہگاروں کی
الٰہی شرم رہے برقرار آنکھوں میں

ابھی مژہ کی نہ آنکھوں سے چلمنیں اُٹھیں
چھپا ہوا ہے کوئی پردہ دار آنکھوں میں

عیاں ہوا ہے یہ سایہ سیاہ بختی کا
کہاں ہے سرمہ مری سوگوار آنکھوں میں

ادا کا نام نہیں ہے حیا کا کام نہیں
کچھ اور ہے تری غفلت شعار آنکھوں میں

چمن ہو بادہ ہو ساقی ہو یار ہو **بیخود**
بغیر اس کے جوانی ہے خوار آنکھوں میں

ہے وفا شرط مرے دل کے خریدار ونمیں
یوں تو ہے ایک جہاں اس کی طلبگار ونمیں

نہ وہ پھولوں میں ہے شامل نہ عزادار ونمیں
جان دیکر بھی رہے ہم تو گنہگار ونمیں

تھی کسر حضرت زاہد ہی کی میخوارو نہیں
لو خبر بادہ کشو آج پہنسے یاروں میں

بجلیاں کوندرہی ہیں پسِ چلمن گویا
کس قیامت کی چمک ہی تری رخساروں میں

جھک گئیں اور بھی وعدہ پہ تمہاری آنکھیں
چارہ سازوں میں لکھوں یا نہیں بیماروں میں

جان وایمان جگر و دل یہ سبھی حاضر ہیں
کونسی شئے تمہیں درکار ہی ان چاروں میں

کردیا خاک مجھے تونے جلاکر اے دل
جھونک دوں تجھکو دہکتے ہوئی انگاروں میں

اپنے جلوے کا وہ خود آپ تماشائی ہے
آئینے اُس نے لگا رکھے ہیں دیواروں میں

جذب دل سے مرے قاتل کو بھی حیرانی ہی
تیر زخموں میں ہیں یا زخم ہیں سوفاروں میں

سر قلم ناخنِ وحشت کا ہو گر حد سے بڑہے
جُرم ہے سینہ فگاری جگر افگاروں میں

چشم بدُور یہ آنکھیں یہ جوانی یہ جمال
آپ بھی ہیں کہ نہیں اپنے خریداروں میں

اس جبینِ عرق اُفشاں پہ نہ چُنئے افشاں
یہ ستارے کہیں ملجائیں نہ سیّاروں میں

خیر ہے غیر کہاں اور کہاں پاسِ وفا
عیب ہے یہ تو ہمیں جیسے گنہگاروں میں

دِل کو زخمی کئے دیتی ہی بھوؤں کی جنبش
یہ وہ جوہر ہیں کہ دیکھے نہیں تلواروں میں

ڈگمگاتے ہیں قدم تا بہ فلک آہوں کے
ابھی طاقت نہیں آئی ترے بیماروں میں

رنج وغم درد والم سب تو گئے جان کے ساتھ
ایک حسرت تری باقی رہی غمخواروں میں

دل کو سودا کبھی رُخ کا ہی کبھی مژگاں کا
کبھی پھولوں میں یہ تُلتا ہی کبھی خاروں میں

تو وہ محبوب کہ تجھپر ہیں فرشتے مفتوں
تو وہ یوسف کہ خدا تیرے خریداروں میں

جو کہی اپنے ہی مطلب کی کہی بیچو ونے
لکھ لیا آج سے ہمنے اسے ہشیاروں میں

قیامت کا پتہ ملتا نہیں دشمن کی محفل میں
یہ چھپکر جا نہ بیٹھی ہو کسی کے گوشۂ دل میں

نزاکت ہاتھ میں خامی ارادوں میں جھجک دل میں
پھر اس پہ بھی ذرا سا حوصلہ ہے میرے قاتل میں

تری وعدہ خلافی کی جلن احباب کے طعنے
جلا ہوں شب کو شمع گور بنکر اپنی محفل میں

ملاؤں دل سے دل کیونکر یہ آئینہ ہے وہ پتھر
نزاکت ہے ادھر دلمیں تو سختی ہے ادھر دل میں

مصیبت اور اُس پر بیکسی پھر اس قدر اتنی
ترا غم بھی ہمارا ساتھ دے مشکل ہے مشکل میں

کشش مجنوں کی ناقہ کی شرارت پاس پردے کا
بہت سی مشکلیں پیش آئیں ہیں لیلیٰ کو محمل میں

ہمارے قتل کرنے کے لئے سامان ہیں کیا کیا
صفائی تیغ میں شوخی نظر میں ناز قاتل میں

یہ دھبہ یہ نشاں یہ داغ مٹکر صاف ہو جائے
تجلی حسنِ کامل کی اگر ہو ماہِ کامل میں

فقط اتنا تعلق دفترِ عالم سے ہے مجھکو
گنا ہے یدِ زاہد میں لکھا ہے حرفِ باطل میں

فلک دیتا ہے اکثر کاملوں کو داغِ ناداری
خراجب ہے یدِ بیضا نے یہ دستِ سائل میں

در و دیوارِ زندان بزمِ ماتم بن کے گونج اُٹھے
مرا نالہ بھی مل جاتا اگر شورِ سلاسل میں

نظر ٹیڑھی ہے رنگت سُرخ ہے لب ہلتے جاتے ہیں
لڑائی لڑ رہے ہو آئینہ رکھکر مقابل میں

ذرا میں سوچ لوں ٹھیرو ذرا دم لو بتاتا ہوں
تمہاری آرزو شاید پڑی ہو گی کہیں دل میں

وہ میرا مضطرب ہونا تڑپنا تھامنا دل کا
وہ اُن کا مسکرا کر دیکھنا دشمن کی محفل میں

کہیں پوشیدہ جلوہ ہے کہیں پر رونظارہ ہے
کبھی دل میں نظر آئے کبھی وہ آنکھ کے تل میں

بڑھا یا دل اُدھر قاتل کا روکا اس طرف دل کو
نکالا کام کن آسانیوں سے ہم نے مشکل میں

گلے سے تیغ ملتی ہے مگر کچھ کھنچ کے ملتی ہے
ابھی اتنی کمی اتنی کسر ہے جذبِ بسمل میں

چلو بزمِ سخن میں حضرت بیخود کو سن آئیں
سُنا ہے آج وہ بھی لائینگے تشریف محفل میں

غضب ہے اس تمنا سے وہ خواہش دل کی کرتے ہیں
زمانہ جانتا ہے اُن کے دشمن مجھ پہ مرتے ہیں

وہیں بیٹھے رہو بس دور ہی سے بات کرتے ہیں
تجھے بھی میٹھے بیٹھے وہم کچھ ناصح گذرتے ہیں
کسی کے دل کو چھینا جان کو چھیٹا ستم ڈہایا
چُرا کر دل وہ کہتے ہیں مکرتی ہے بلا اپنی
یہ کوئی بھید ہی اس میں بھی کوئی راز مخفی ہے
لبِ معجز نما چشم سخن گو جھوٹے ہیں دونو
ہماری جان ہو کر جب جُدا رہتے ہو تم ہمسے
تڑپ اُٹھتا ہوں دل کے ساتھ میں بھی مضطرب ہو کر
بُجھائیں شمع کی دل کی لگی پروانے جب جانیں
نگاہیں جستجوئے غیر سے خالی نہیں رہتیں
تمہیں چاہا ہے چُھو کے پڑے گی جیسی سہلینگے
جھجک کیسی یہ خنجر پھیرنے سے ہچکچانا کیا
فدا ہیں ابروئے پُرخم پہ سیدھی بات تو یہ ہی
نزاکت سے رُکا خنجر گلا ہے سخت جانی کا
کسی کو کیا خبر کٹتی ہے کیونکر رات فرقت کی
مری شامت کہ میں نے اُن کو تصویریں دکھائی تھیں
نہ اپنے قول کے پورے نہ اپنی بات کے سچے
تمہارے منہ سے میں جسدم کسی کا نام سنتا ہوں
خدا سے ڈر جو ہر اک بات پر ارشاد ہوتا ہے

ستم کیسا تمہارے لطف سے بھی ہم تو ڈرتے ہیں
لئے مرتا ہے ہم کو مفت کیوں ہم کس پہ مرتے ہیں
تری نیچی نگاہوں کے اشارے ظلم کرتے ہیں
ہمیں کیا آپکی چوری ہے ہم کیا کوئی ڈرتے ہیں
مرا دل دیکھکر وہ اپنے دل پر ہاتھ دہرتے ہیں
اشارے سے وہ پھرتی ہے یہ وعدے سے مکرتے ہیں
تو پھر کیا جھوٹ کہتے ہیں جو ہم کہتے ہیں مرتے ہیں
تسلی کیلئے اس ناز سے وہ ہاتھ دھرتے ہیں
یہ اپنی آگ میں جلتے ہیں تو کیا گل کترتے ہیں
نظر پر جب کوئی چڑھتا ہے ہم دل سے اُترتے ہیں
مثل مشہور ہے اپنے کئے کو آپ بھرتے ہیں
نہ تڑپیں گے قسم لے لیجئے کیوں آپ ڈرتے ہیں
بھرینگے زخم کیا اُن کے جو دم خنجر کا بھرتے ہیں
وہ اپنا بوجھ بھی گویا مری گردن پہ دہرتے ہیں
ہمیں کچھ جانتے ہیں دل پہ جو صدمے گذرتے ہیں
حُسنِ لیلی و شیریں پہ ابتک نام دہرتے ہیں
وہ رہ رہکر پلٹتے ہیں وہ کہہ کہکر مکرتے ہیں
ہزاروں ہم آتے ہیں ہزاروں شک گذرتے ہیں
مجھے کیونکر یقین آئے خدا سے آپ ڈرتے ہیں

سنبھل جائینگے بیخود آگیا ہی غش نہ گھبراؤ
بہلی تشویش کی تم نے بہلا ایسے بھی مرتے ہیں

ہاتھ میں طاقت اگر اے نازنیں اتنی نہیں
پہیر دے دلبر چھری چین جبیں اتنی نہیں

سچ تو یہ ہے ماہ کی روشن جبیں اتنی نہیں
روشنی جو تیرے رخ میں ہی کہیں اتنی نہیں

جو ہے ظاہر تجھکو الفت دلنشیں اتنی نہیں
بیگماں اتنی نہیں ہے بالیقیں اتنی نہیں

اُس کے قدموں میں ہمارے دل کو لیکر ڈالدے
کیا رسائی تیری زلفِ عنبریں اتنی نہیں

جانتا ہوں بے ثباتی ہی تری ہر بات میں
چار دن قائم رہے تیری نہیں اتنی نہیں

یار بدخو آسماں دشمن زمانہ برخلاف
یہ مصیبت سہ سکے جانِ حزیں اتنی نہیں

جس قدر بیباکیوں کی ہیں ادائیں چلبلی
شوخیاں تجھہ میں نگاہِ شرمگیں اتنی نہیں

اُس کو سمجھے اُس کو دیکھے عقل و چشم اتنی کہاں
یہ رسا اتنی نہیں یہ دوربیں اتنی نہیں

سارباں ملاقے کی شوخی اور دیتی ہے پتا
شوخ طینت لیلی محمل نشیں اتنی نہیں

بہرِ افشاں آسماں کے ہم تو تارے توڑتے
کیا کریں ہم وہ جبینِ نازنیں اتنی نہیں

یہ تو کیونکر کہہ سکوں مجھکو نہیں اُلفت تری
جتنی تو سمجھا ہی دلمیں مہ جبیں اتنی نہیں

ہم نے دیکھا ہے زمانہ ہم نے سہتے ہیں جبیں
بندہ پرور ظلم کی کثرت کہیں اتنی نہیں

دل کو کچھہ روکا ہے کچھہ ہم آگئے ہیں ضد سے باز
تجھکو بھی زیبا ستمگر اب نہیں اتنی نہیں

آپ جاتے ہیں تو اس کو ساتھ لیتے جائیے
پھر پلٹ آئے نگاہِ واپسیں اتنی نہیں

بدنصیبوں کو ترے مر کر ہوئی راحت نصیب
آسماں جتنا مخالف تھا زمیں اتنی نہیں

بتکدے میں دل ٹٹولو دل جنابِ شیخ کا
بت چرا کر جس میں رکھہ لیں آستیں اتنی نہیں

دہ وہواں اُٹھا فلک پر سر اُٹھا کر دیکھیے
پھر نہ کہیے گا کہ آہِ آتشیں اتنی نہیں

پہلے دیکھی غور سے تصویر یوسف پھر کہا
جتنی وحشت میں ہو اچھی دانش اتنی نہیں

سانس کچھ باقی ہیں اب وہ بھی فقط گنتی کی ہیں
آپ پر صدقے کروں جانِ حزیں اتنی نہیں

آپ کہتے ہیں کہ رہتا ہے ترا اکثر خیال
آپ کے دل میں تو گنجائش کہیں اتنی نہیں

عیب اپنے کچھ ہمیں کو خوب آتے ہیں نظر
خوف ہو جسکا نگاہِ نکتہ چین اتنی نہیں

کس قدر مضموں بھرے ہیں دل میں بیخود کیا کہیں
آسماں ہم تو بنا دیں یہ زمیں اتنی نہیں

کوئی تمسا نہیں حسینوں میں
ایک ہو لاکھ مہ جبینوں میں

دل نہیں عاشقوں کی سینوں میں
آگ بھر دی ہے ان خزینوں میں

عید کا چاند ہو گئے تم تو
آنکلتے ہو اب مہینوں میں

تیرے دانتوں میں ہی ضیا کچھ اور
یہ تجلی کہاں نگینوں میں

ناکسوں سے فلک کو رغبت ہی
یہ بھی داخل ہوا کمینوں میں

دسترس گر نہیں نہ ہو اپنی
دل تو رہتا ہے نازنینوں میں

سانس لینا ہے عاشقوں کو محال
کیا بلا بھر گئی ہے سینوں میں

پھر فلک تک نہیں جواب ان کا
گر وفا بھی ہو مہ جبینوں میں

شوق مے اب کہاں ہی وہ بیخود
کبھی پی لیتے ہیں مہینوں میں

یہ مسیحائی کا انداز تو دیکھا ہی نہیں
آپ کا چاہنے والا کوئی مرتا ہی نہیں

اب وہ دل ہی نہیں وہ دل میں تمنا ہی نہیں
تم سنو یا نہ سنو کچھ مجھے کہنا ہی نہیں

ناامیدی نے کہیں کا مجھے رکھا ہی نہیں
اب بجز موت کوئی اور تمنا ہی نہیں

اک جھلک اور بھی ہے جلوۂ زیبا ہی نہیں
چشم حق بیں سے کسی نے تجھے دیکھا ہی نہیں

کیا قیامت ہے تری بزم کا ہنگامہ بھی
اپنی سب کہتے ہیں میری کوئی سنتا ہی نہیں

میرے ہوتے ہوئے غیروں کو بلانے بھیجے
بیٹھے رہیے مجھے کچھ آپ نے سمجھا ہی نہیں

چیر کر سینہ مرا دل کی تلاشی لے لو
کوئی حسرت ہی نہیں کوئی تمنا ہی نہیں

ہم تو آئے ہیں یہاں خاک میں ملنے کیلئے
تم ملو یا نہ ملو اس کی تو پروا ہی نہیں

اب مرے دل کو کہاں چین کہاں صبر و قرار
تیری شوخی نے تو انداز وہ برتا ہی نہیں

قتل کو آئے ہو دشمن کا اشارہ ہو گا
ہیکڑی ہی کوئی یہ بھی مجھے مرنا ہی نہیں

پیشتر موت سے آئی نہ جدائی کی گھڑی
ہجر والے نے مزا موت کا چکھا ہی نہیں

اک نظر کے لئے کیوں موڑتے ہو منہ مجھسے
تیر کا دل بھی ہے مشتاق کلیجا ہی نہیں

اگلے لوگوں میں محبت بھی وفا بھی ہو گی
اس زمانے میں تو ان کا کہیں چرچا ہی نہیں

پوچھئے حال طبیعت تو کہیں آپ کو کیا
رہیے خاموش تو شکوہ ہے کہ پوچھا ہی نہیں

میرے ہی کوچہ سے ہو کر ہے رہ خانۂ غیر
چھپکے وہ جائیں کدھر سے کوئی رستا ہی نہیں

ایک دل سینہ میں ہے اس میں فقط یاد تری
اور قصہ ہی نہیں اور بکھیڑا ہی نہیں

خط بھی اُن کا ہے مرے نام کا عنوان بھی ہے
یہ تو سب کچھ ہے مگر کچھ مجھے لکھا ہی نہیں

منہ تکا کرتا ہے بیٹھا ہوا **بیخود** اُن کا
بات کرتے کبھی کمبخت کو دیکھا ہی نہیں

الزام بھولپن کے اُن بدگمان پر ہیں
لاکھوں کے راز پنہاں جسکی زبان پر ہیں

یہ اوچھی اوچھی باتیں کیسی زبان پر ہیں
قربان دل ہزاروں میری تو آن پر ہیں

گو داغؔ کے فسانے سب کی زبان پر ہیں
رحلت کے خاص صدمے **بیخود** کی جان پر ہیں

فرقت کی رات تو نے اے موت شرم رکھ لی
احسان تیرے کیا کیا مجھ سخت جان پر ہیں

جو تم سے کہہ مرے ہیں اس میں نہ فرق سمجھو
مر کر بھی مرنیوالے قائم زبان پر ہیں

دربان کو کچھ چکھاؤں جا کر سلام کر لوں
اتنا اگر بتا دے کس کے مکان پر ہیں

رخسار پر تمہارے تکیے کے نیل کیسے
سو سو گمان دل میں اک اک نشان پر ہیں

اف رے تنک فراجی اللہ رے ترش روئی
سو کیسے جواب سارے انکی زبان پر ہیں

بلبل کی کوئی حالت دیکھے چمن میں آکر
گلچیں کے ظلم کیسے اس بے زبان پر ہیں

مژگاں کے وہ اشارے الفت کے یہ شرارے
کانٹے جگر کے اندر چھالے زبان پر ہیں

وعدے کی شب آلہی آجائیں جبر سے وہ
کچھ بجلیاں چمکتی آج آسمان پر ہیں

صیاد وہم تیرا کہو یگا روپ میرا
باندھے ابھی تو تو نے ای بدگمان پر ہیں

غصے میں بھی نہ نکلی مطلب کی بات منہ سے
شکوے گلے ہزاروں اُن کی زبان پر ہیں

روشن ہے یہ حقیقت جلووں سے مہر و مہ کے
حصے میں ہیں زمیں کے جو آسمان پر ہیں

افتاد عاشقی کی دشمن سے پوچھ لیجے
سب عمر بھر کے دکھڑے اس کی زبان پر ہیں

غماز دل بنا ہے بیخود ستم ہوا ہے
پوشیدہ راز میرے اُن کی زبان پر ہیں

سو امتحان دل میں ہر امتحان پر ہیں
مجھکو گمان کیا کیا اُس بدگمان پر ہیں

مانا یہ ہم نے کھیلے ہم اپنی جان پر ہیں
جانیں ہزار صدقے قاتل کی آن پر ہیں

کیا اے مغاں تماشے تیری دکان پر ہیں
جو ہے وہ جانتا ہے ہم آسمان پر ہیں

پھر کچھ دیا ہے دہوکا پھر کچھ کچھ چلا ہے
پھر کچھ بھرم وفا کے اُس بدگمان پر ہیں

چرچے ہمارے غم کے شکوے ترے ستم کے
کس کی زبان پکڑیں سب کی زبان پر ہیں

دربان کی سٹی گم ہے سُنکر سوال میرے
کب سے تھے غیر حاضر کب سے مکان پر ہیں

ارمان ٹِڈی دَل ہیں پیکان ہیں اُس کا تنہا
قربان صدقے دل میں سب میہمان پر ہیں

خالق کے دیکھتے ہیں مخلوق میں تماشے
بُت سے لڑی ہیں آنکھیں عشق اسکی شان پر ہیں

قیدِ قفس نے چھوڑی پرواز کی نہ طاقت
کیا ناتواں ہے بلبل کیا دہان پان پر ہیں

جھیلیں جہاں جفائیں اللہ یاد آیا
احسان ان بتوں کے سارے جہان پر ہیں

بِھپرے ہوئے کھڑے ہیں تابِ نظارہ کس کو
محشر میں کان سب کے اُن کے بیان پر ہیں

رُتبے تری گلی کے ایسے بلند نکلے
جن کے بنے ہیں مدفن سب آسمان پر ہیں

جانیں فدا ہیں سب کی ہے دل کشی غضب کی
کچھ حُسن پر ہیں شیدا کچھ آن بان پر ہیں

صورت ہی کہہ رہی ہے سیرت ہی کہہ رہی ہے
عاشق جنابِ زاہد اُس بے نشان پر ہیں

گلچین ہے باغبان ہے صبا ہے خزان ہے
سب کے ستم الٰہی بلبل کی جان پر ہیں

اُڑ جاتے یہ نزاکت لیکر کہیں نہ تجھکو
یہ دوش پر ہیں زلفیں یا میری جان - پر ہیں

انداز داغ کے سب الفاظ داغ کے سب
اُن کی قلم سے نکلے میری زبان - پر ہیں

میخانہ ہے یہ بیخود بس آؤ سیر کر لی
باتیں کہاں یہ زیبا حضرت کی شان پر ہیں

سب کا ہے دلنشیں مُعین الدیں
دل جہاں ہے وہیں مُعین الدین

فخرِ دنیا و دیں معین الدیں
بے گماں بالیقیں مُعین الدیں

دلنشیں بالیقیں معین الدیں
بالیقیں دلنشیں معین الدیں

قطب سائے ہیں اختر تاباں
اور ماہِ مُبیں معین الدیں

خسروِ خاندانِ حضرتِ چشت
مسند آرائے دیں معین الدیں

بادشاہِ شہاں غریب نواز — زیبِ تاج و نگیں معین الدین
دل یہ کہتا ہے آپ کا در ہو — اور میری جبیں معین الدین
دل ہمارا مکانِ خلوت ہے — اور اس میں مکیں معین الدین
آپ کا ہے مزارِ پاک جہاں — ہے وہ خلدِ بریں معین الدین
نام کندہ ہے آپ کا دل پر — مثلِ نقشِ نگیں معین الدین
وہ معاوں ہیں دین و دنیا کا — ہر جگہ ہر کہیں معین الدین
میں کہے جاؤں میں جیے جاؤں — تا دمِ واپسیں معین الدین
عشق نے کر دیا مجھے یک سو — ہے مرادِ دلنشیں معین الدین
ساتواں آسمان ہے گویا — تیرے در کی زمیں معین الدین
شکلِ دلکش جہاں نظر آئی — میں پکارا وہیں معین الدین
لڑکھڑانے لگے قدم میرے — تھام لو آستیں معین الدین
کیا مصیبت بیاں کروں اپنی — دل میں طاقت نہیں معین الدین
میری دُنیا تو ہو چکی ہے خراب — ہو نہ برباد دیں معین الدین
چاہتا ہے تری نگاہ کرم — یہ ملول و حزیں معین الدین
رنگ ہر گل میں ہے جدا اُس کا — کہیں احمد کہیں معین الدین

کون بیخود کا ہے سوا تیرے
دل بھی اپنا نہیں معین الدین

جھوٹ سچ آپ تو الزام دئے جاتے ہیں — بات سنتے نہیں دشنام دئے جاتے ہیں
ترچھی نظروں سے کئے اُس نے بہت دل زخمی — تیر ٹیڑھے ہیں مگر کام دئے جاتے ہیں

کہہ گیا یہ بھی کوئی روٹھ کے جانے والا
ہم تجھے موت کا پیغام دیئے جاتے ہیں

دل ملا دیتی ہیں آپس میں نگاہیں لڑ کر
جنگ میں صلح کے پیغام دیئے جاتے ہیں

پاسباں جاگ اُٹھیں وہ تو انہیں دیدینا
لکھ کے کاغذ پہ یہ اک نام دیئے جاتے ہیں

درد جاگیرِ جگر داغ ہے دل کا خلعت
جاں نثاروں کو یہ انعام دیئے جاتے ہیں

آپ کے لطف و عنایت کا یہی ہے بدلا
غم لئے جاتے ہیں آرام دیئے جاتے ہیں

دل ہوا جان ہوئی ان کی بھلا کیا قیمت
ایسی چیزوں کے کہیں دام دیئے جاتے ہیں

یہ تو پوچھے کوئی مطلب ہی نہیں جب مجھ سے
کوسنے کیوں سحر و شام دیئے جاتے ہیں

مہربانی بھی تو اُن کی ہے شرارت آمیز
چھانٹ کر ترش مجھے آم دیئے جاتے ہیں

تیرِ قاتل کو کلیجے سے لگا رکھا ہے
ہم تو دشمن کو بھی آرام دیئے جاتے ہیں

چُوک اُن سے ہو خطا غیر کی دشمن کا قصور
لُطف یہ ہے مجھے الزام دیئے جاتے ہیں

کام آجائیگا دشمن کی محبت میں کبھی
احتیاطاً دلِ ناکام دیئے جاتے ہیں

اب تو کُھل کھیلے وہ بیخود سے خدا خیر کرے
اب تو خود بھر کے اُسے جام دیئے جاتے ہیں

بڑی چالوں بڑی تدبیر سے بیداد کرتے ہیں
وہ کن کن آرزوؤں سے مجھے برباد کرتے ہیں

فرشتے چیخ اُٹھتے ہیں وہ جب بیداد کرتے ہیں
مری فریاد کے ڈر سے یہ سب فریاد کرتے ہیں

وہ مجھکو یہ جتا کر جیل میں بیداد کرتے ہیں
ہمیں اس کا مزا ہے شاد کو ناشاد کرتے ہیں

دُعا آٹھوں پہر یہ عاشقِ ناشاد کرتے ہیں
رہیں دُنیا میں وہ دنیا کو جو برباد کرتے ہیں

اُٹھائے نازِ بیجا وہ بھی تنہا اک وقت اے قاصد
وہ اُن گذری ہوئی باتوں کو اب کیوں یاد کرتے ہیں

دُعاؤں پر ملیں گی گالیاں یہ ہم نہ سمجھے تھے
زباں سے اپنی کیا نکلا وہ کیا ارشاد کرتے ہیں

گلا کٹ کر جو اپنا ہچکیوں کے ساتھ دم نکلا
ہوا قاتل کو یہ وہم ہوا کہ ہم فریاد کرتے ہیں

ہمیں اسلام سے اتنا تعلق ہے ابھی باقی
بتوں سے جب بگڑتی ہے خدا کو یاد کرتے ہیں

نہ بت ہی اپنی سنتے ہیں نہ سنتا ہے خدا اپنی
کوئی پرساں نہیں فریاد پر فریاد کرتے ہیں

ہم دونوں ہیں تصویرِ یہ تصویری کا عالم ہے
نہ ہم کچھ منہ سے کہتے ہیں نہ وہ ارشاد کرتے ہیں

ہمارے صبر کا دنیا میں ہم کو اجر ملتا ہے
لبِ خاموش کا ایما ہے یوں فریاد کرتے ہیں

بتائیں تجھکو زاہد ہم فنا فی اللہ کے معنی
جب اپنے کو مٹا لیتے ہیں اُسکو یاد کرتے ہیں

مری تربت پر آکر اُن کو کیا آنسو بہانے تھے
ملا کر خاک میں مٹی مری برباد کرتے ہیں

یہاں تو دم پہ بنجاتی ہے اِس جھوٹی تسلی پر
وہ ولمیدنہ سمجھتے ہیں ہم اس کو شاد کرتے ہیں

مجھے کس سے محبت غیر سے اب کیا کہوں اُن کو
شکایت بھی وہ کرتے ہیں تو بے بنیاد کرتے ہیں

اگر ایسا ہی دو بھر ہوں تو مجھکو قتل کر دیجے
یہ کیوں کہیے غلامی سے تجھے آزاد کرتے ہیں

اسی کھٹکے میں گذری رات ساری وصل کی مجھکو
وہ اب کہنے کو ہیں کچھ اب وہ کچھ ارشاد کرتے ہیں

گلا کاٹوں تو میں کاٹوں چھری پھیروں تو میں پھیروں
تمہارے دستِ نازک کب مری امداد کرتے ہیں

تری چالوں میں ظالم حضرتِ بیخود نہ آئیں گے
سبب اپنی خموشی کا یہ کب ارشاد کرتے ہیں

اب کسی بات کا طالب دلِ ناشاد نہیں
آپ کی عینِ عنایت ہے یہ بیداد نہیں

آپ شرما کے نہ فرمائیں ہمیں یاد نہیں
غیر کا ذکر ہے یہ آپ کی روداد نہیں

تھی کوئی شرط بھی تو عہدِ وفا کے ہمراہ
یہ نیا لطف ہے یہ یاد ہے وہ یاد نہیں

اور ہی دل سے کچھ انکار عزا دیتا ہے
پھر اُسی طرح سے ہاں کیجئے ارشاد۔ نہیں

پھر گلگشت وہ آئے کہ قیامت آئی
حشر برپا ہے یہ گلزار میں شمشاد نہیں

ہم تو ہر حال میں ہیں تیری خوشی کے بندے
لطف سے شاد ہیں بیداد سے ناشاد نہیں

ہم نے تکرار جو کی حشر کے دن وعدے پر
چلدئے کہکے وہ چپکے سے ہمیں یاد نہیں

ناز کس بات پر اتنا ہے کوئی بات بھی ہو
ظلم و بیداد تو کچھ آپ کا ایجاد نہیں

دم نکل جائیگا حسرت ہی میں اک دن اپنا
سچ کہا تم نے کچھ انسان کی بنیاد نہیں

پہلے نالے کو سُنا غور سے پھر ہنس کے کہا
آپ کی ساری بناوٹ ہے یہ فریاد نہیں

کچھ نظر آتی ہے دنیا مجھے خالی خالی
دام بچھا ہے مگر گھات میں صیاد نہیں

ہیں مصیبت میں پھنسا غیر کا جی چھوٹ گیا
بندہ پرور یہ کرامت ہے یہ بیداد نہیں

بعد اُستاد کے ہے ختم غزل **بیخود** پر
معجزہ کہئے اسے طبع خداداد نہیں

قدر کیا دل کی اگر زلفِ پریشاں میں نہیں
اُس کو یوسفؑ کون کہتا ہے جو زنداں میں نہیں

صبر پر قابو ہے لیکن روزِ ہجراں میں نہیں
دل پہ قبضہ ہے مگر بزمِ جاناں میں نہیں

وہ ہماری التجائیں وہ ہمارا مدعا
اور وہ کہنا کسی کا یہ ہے امکاں میں نہیں

جب ملے جس سے ملے دل کھول کر دل سے ملے
اس سے بڑھکر اور خوبی کوئی انساں میں نہیں

بیکسی چھائی ہوئی ہے سینۂ صد چاک پر
یہ وہ پردہ ہے کہ جو میری گریباں میں نہیں

لاؤ دیدہ و دل ہمارا ہو چکی بس دل لگی
یہ تو ہم بھی جانتے ہیں زلفِ پیچاں میں نہیں

ناؤ کاغذ کی چلا کرتی ہے ظالم ایک بار
اب وہ پہلی دلفریبی تیرے پیماں میں نہیں

رنگ قسمت کا بدلنا تھا فقط اقرار سے
ورنہ کیا انکار کا پہلو تری ہاں میں نہیں

چھیڑ ہے امید کی بھی کاوشِ حسرت کے ساتھ
کب تلاشِ صبحِ عشرت شامِ ہجراں میں نہیں

آپ کیوں بدلیں طبیعت آپ کیوں بدلیں مزاج
دل بدل دیجے مرا کیا یہ بھی امکاں میں نہیں

ہو گیا **بیخود** خزاں آتے ہی کیسا دل نڈھال
ایسے مرجھائے ہوئے غنچے گلستاں میں نہیں

دل کے لینے کو وہ تیار نظر آتے ہیں
خاک میں ملنے کے آثار نظر آتے ہیں

کوچۂ یار میں اغیار نظر آتے ہیں
باغِ فردوس میں بھی خار نظر آتے ہیں

جتنے دنیا میں یہ دلدار نظر آتے ہیں
میری آنکھوں میں دل آزار نظر آتے ہیں

حُسن کی طرح سے اب عشق بھی کمیاب ہوا
مرنے والے کہیں دو چار نظر آتے ہیں

سرنگوں دیکھ کے مجھکو وہ عدو سے بولے
میری صورت سے یہ بیزار نظر آتے ہیں

دشمنوں کی کہیں اغیار سے بگڑی تو نہیں
آج کچھ سوچ میں سرکار نظر آتے ہیں

مے کشو اور پلا دو ابھی دو چار گلاس
شیخ صاحب مجھے ہشیار نظر آتے ہیں

وصل میں دیکھتے ہیں غور سے چتون اُس کی
جب ہمیں صبح کے آثار نظر آتے ہیں

کہیں لپٹی نہ ہو قدموں سے قیامت اُن کے
سہمے سہمے دمِ رفتار نظر آتے ہیں

بے سبب تو نہیں واعظ یہ صفت جنت کی
آپ حوروں کے طلبگار نظر آتے ہیں

نہیں ممکن کہ سب ارمان ہوں پورے شبِ وصل
ان میں دو چار تو دشوار نظر آتے ہیں

آئینہ دیکھتے ہیں چھوڑ کے جب زلفوں کو
آپ وہ اپنے گرفتار نظر آتے ہیں

ہو گئے قتل پہ میرے یہ اشارے کیسے
مُسکراتے ہوئے سوفار نظر آتے ہیں

وہ جہاں بیٹھ گئے بزم میں دہنے بائیں
دلِ عشاق کے انبار نظر آتے ہیں

جان کر عاشقِ شیدا مجھے شوخی سے کہا
آپ تو کچھ ہمیں بیمار نظر آتے ہیں

ذرہ خورشید مری آنکھ میں کانٹا گل ہے
ہر جگہ حُسن کے انوار نظر آتے ہیں

برچھیاں تانے ہوئے ناز ہیں اُف رے بیداد
غمزے کھینچے ہوئے تلوار نظر آتے ہیں

دل جلاتے ہیں جدائی میں یہ اخگر بنکر
مجھکو تارے جو شب تار نظر آتے ہیں

غیر کے شکوے پہ ظالم نے بگڑ کر یہ کہا
تجھکو اغیار ہی اغیار نظر آتے ہیں

نام پر حضرت بیخود کے نہ جانا ہرگز
مجھکو لاکھوں میں یہ ہشیار نظر آتے ہیں

نہ جینے دے گا نہ یہ جمال ہمیں — آئینہ پھینک کر سنبھال ہمیں
ہے بہت حسرتِ وصال ہمیں — ایک دن بھی ہے ایک سال ہمیں
عشق نے کچھ کیا نہال ہمیں — کچھ وفا پر ہے احتمال ہمیں
باتوں باتوں میں وہ بگڑ بیٹھے — راس آئی نہ عرض حال ہمیں
کیوں نہ بے انتہا جفا سہتے — تھی محبت بھی تو کمال ہمیں
مٹگیا امتیازِ عشق و ہوس — مرگِ دشمن کا ہے ملال ہمیں
عرضِ مطلب پہ ہنس کے فرمایا — سن لیا۔ ہے ترا خیال ہمیں
ہم کہاں اور بزمِ غیر کہاں — کھینچ لایا ترا خیال ہمیں
حسرتیں کہہ رہی ہیں قاتل سے — تیر سے پہلے تو نکال ہمیں
تم ستم کرکے شاد ہو دل میں — اس خوشی کا ہوا ملال ہمیں
کون ہیں ہم کہاں سے آئے ہیں — نہیں معلوم اپنا حال ہمیں
وہ ہٹا ابرِ زلف ابرو سے — وہ نظر آگیا ہلال ہمیں
کھوئے ہوش نازکی نے تری — پہلے دامن سے تو سنبھال ہمیں
شوخیاں اُن کی جائیں کیا ممکن — صبر آجائے کیا مجال ہمیں
آئینہ دیکھکر وہ یہ سمجھے — مل گیا حسن بیمثال ہمیں

Supplied by Mirza Lal ... ETAWAH

چشمِ قاتل سے سو کہتا ہی خون
عشق و دشمن تمہیں مبارک ہو
بیوفائی اسی کو کہتے ہیں
دل کسے دوں مجھے بتا تو سہی
جو تمہاری گلی سے اُٹھ کے گیا

کہائے جاتا ہے یہ غزال ہیں
ل گیا اور مہ جمال ہیں
چھوڑ بیٹھا ترا خیال ہیں
ہر ادا کا ہے یہ سوال ہیں
نہ ملا پھر وہ خستہ حال ہیں

ناقصوں میں ہیں ہمنوائے بیخود
تو سمجھتا ہے باکمال ہیں

نزع میں چار پہر مجھکو گذر جاتے ہیں
یہ وہ منزل ہے جہاں سیکڑوں مر جاتے ہیں
اُس کی حسرت ہی میں سب جی سے گذر جاتے ہیں
شمع کی طرح سے اک رات کے مہمان تھے ہم
جھانک کر کس نے سوئے راہ گذر دیکھ لیا
اے اجل تو تو برے وقت میں کام آتی ہے
سوتے رہتے ہیں تو قسمت مری سو جاتی ہے
میرے عاشق نہ تو تم مرے معشوق رہو
دیکھئے بارگہ حسن سے کیا حکم ملے
دیکھئے بحرِ شہادت کے شناور ہم ہیں
بیوفا پھر کی محبت پہ نہ ہو تو نازاں
آگئی لہر طبیعت میں ادھر آ نکلے

ہجر کی شب ملک الموت بھی مر جاتے ہیں
پاؤں پر کہتے ہی تری راہ میں سر جاتے ہیں
ہم نے دیکھا ہو تڑپتے ہوئے مر جاتے ہیں
ہو گئی رات جدائی کی بسر جاتے ہیں
لوگ نہلائے ہوئے ہاتھ سے جگر جاتے ہیں
پھر یہ کیوں لوگ ترے نام سے ڈر جاتے ہیں
آنکھ کھلتی ہے تو کہتے ہیں کہ گھر جاتے ہیں
لطف بھی جور ہیں جب حد سے گذر جاتے ہیں
ہاتھ باندھے ہوئے ہم پیش نظر جاتے ہیں
خون میں ڈوبے ہوئے تا بہ کمر جاتے ہیں
دل میں آ تر ے ہوئے بھی دل سے اُتر جاتے ہیں
دیکھ لیں تجھکو ابھی ایک نظر جاتے ہیں

اُگُل کھلانا کوئی تازہ تو نہیں ہے منظور
مسکراتے ہوئے یہ آپ کدہر جاتے ہیں

وقت بیوقت وہاں آپ بھی جاتے ہونگے
بیابان بن بن کے جہاں شام وسحر جاتے ہیں

جذب دل بڑھ کے اُنہیں روک یہ دیکھا تونے
راہ میں مجھ سے چُرا کر وہ نظر جاتے ہیں

اُن کا رونا دمِ رخصت کوئی دیکھے آکر
موتیوں سے مرے دامن کو وہ بھر جاتے ہیں

تیرے تیروں نے بھی سیکھے ترا انکار کے ڈھنگ
دل مرا توڑ کے یہ سوئے جگر جاتے ہیں

اس محبت پہ یہ جلدی کا سبب کچھ نہ کھلا
بنکے دل آئے تھے وہ۔ بنکے نظر جاتے ہیں

اُن کا وعدہ پہ یہاں رات کو آنا معلوم
اپنی پرچھائیں سے جو دن کو بھی ڈر جاتے ہیں

منزلِ گور میں کیلی کا نہیں ہے کھٹکا
رات دن قافلے بے خوف وخطر جاتے ہیں

خوب صیاد نے گلچین کو یہ بھیجی سوغات
خط ہیں یہ کہکر مرے نوچے ہوئے پر جاتے ہیں

چل بسا عاشقِ ناکام یہ کہکر اُن سے
لیجے میرا بھی سلام آپ اگر جاتے ہیں

دو بجے رات کے تشریف وہ لائے ہیں یہاں
منہ اندھیرے یہ تقاضا ہے کہ گھر جاتے ہیں

کون کہتا ہے کہ عاشق کبھی مرتا ہی نہیں
تم اُدھر پھیر لو منہ ہم ابھی مر جاتے ہیں

بادۂ عشق کی تاثیر یہ دیکھی بیخود
خشک ہوتا ہے لہو ہوش بکھر جاتے ہیں

اب اُن سے اور ہم کس بات کا ارمان کرتے ہیں
ستم بھی وہ جو کرتے ہیں بڑا احسان کرتے ہیں

کسی پردہ نشیں پر جان تک قربان کرتے ہیں
فرشتوں سے جو ہو سکتا نہیں انسان کرتے ہیں

چھری پھیری ہے یہ کہکر تجھے قربان کرتے ہیں
وہ مجھپر جور کے پردے میں بھی احسان کرتے ہیں

جو تجھسے ہو نہیں سکتا ترے ارمان کرتے ہیں
بڑے دعووں سے قبضہ دل پہ یہ مہمان کرتے ہیں

وہ ماہر ہیں دل آزاری کے فن سے کیسی کیسی
کہ یہ چبھتی ہوئی باتیں کہیں انجان کرتے ہیں

تمہارا ذکر کیا۔ تم خوش ہوئے کیوں تم کو کیا مطلب
وہ کوئی اور ہے ہم جس پہ صدقے جان کرتے ہیں

بہت واعظ کو وصفِ بادۂ اطہر سے رغبت ہے
کوئی دن میں شرابِ ناب کی دوکان کرتے ہیں

دمِ کشتن یہ کہتی ہے نزاکت میرے قاتل کی
نہ دیکھو دست و بازو قتل تو اوسان کرتے ہیں

سنبھالیں دل۔ وہ اپنے گھر سدھاریں۔ رو چکے مجھکو
مرے ماتم میں اپنی جان کیوں ہلکان کرتے ہیں

تمہارے تیر کہتا ماہوں یہ اُلٹی رسم بھی دیکھی
سُنا تم نے مری دعوت مرے مہمان کرتے ہیں

کبھی سیدہی طرح جو بات بھی مجہہ سے نہ کرتے تھے
وہ میری التجا میں اب خدا کی شان کرتے ہیں

کلائی اُن کی نازک۔ کند خنجر۔ اُس پہ کم مشقی
بڑی مشکل سے وہ مشکل مری آسان کرتے ہیں

یہ طرزِ جان نثاری ہم نے پروانے سے سیکھی ہے
تمہیں جب دیکھتے ہیں جان ہم قربان کرتے ہیں

کہاں تک راہ دیکھیں نزع میں ہم اُسکے آنے کی
امیدیں چل بسیں سب کوچ اب ارمان کرتے ہیں

جہاں بچکر چلا کوئی۔ وہیں ہیں سدِ رہ ہم بھی
نگہبانی ترے تیروں کی تا امکان کرتے ہیں

نیا ہر حکم۔ پہر تاکید۔ ہو تعمیل جلد اس کی
وہ خط لکھتے ہیں مجھکو یا رقم فرمان کرتے ہیں

اُسی محفل کے لگ بہاگ دیکھہ لیتے ہیں اُسے ہم تو
جہاں اُن کے نہ ملنے کا گلا انجان کرتے ہیں

اداؤں کی ہوئی بھرمار آنکھیں چار ہوتے ہی
وہ اپنے دل کا پورا آج ہی ارمان کرتے ہیں

دلِ ویراں میں باقی ایک دو حسرت تو رہنے دیں
اب اس اُجڑے ہوئے گھر کو وہ کیوں سنسان کرتے ہیں

کبھی بہولے سے اُن کو کہدیا تہا بیوفا ہم نے
وہی شکوہ وہ ابتک ہر گھڑی ہر آن کرتے ہیں

اُنہیں ٹھوکر پر اپنی ناز مُردے کو جلاتی ہے
مجھے مر کر یہ دعوائے جان یوں قربان کرتے ہیں

ترے مشتاقِ جلوہ راز یہ موسیٰ سے پوچھینگے
نظر ملتے ہی پہلے نذر کیوں اوسان کرتے ہیں

مری دعوت بھی ہو گی وصل کے ہمراہ سنتا ہوں
زبانی خرچ ہے ہر روز وہ سامان کرتے ہیں

لگاتا ہے اُنہیں الزام شاید بیوفائی کا
رقم کیوں خط میں وہ القاب میر جان کرتے ہیں

ابھی آنکھوں میں پھرتے تھے ابھی وہ آ چھپے دل میں
کہاں دیکھوں کدھر ڈھونڈوں مجھے حیران کرتے ہیں

دکھا کر خاکِ پروانہ ہوا ارشاد یہ مجھ سے
اسی برتے پہ عاشق وصل کا ارمان کرتے ہیں

ترے جلوے کی شاہد ہیں ہزاروں میں مری آنکھیں
تری آواز کی تصدیق میرے کان کرتے ہیں

جتا کر تو نے اُلفت اُن کو بیخودؔ ہاتھ سے کھویا
کہیں ایسا غضب بھی عشق میں نادان کرتے ہیں

ردیف واؤ

بنا کر داغ رکھا تھا خیالِ روئے رخشاں کو
دلِ یعقوب سے نسبت نہ تھی یوسف کے زنداں کو

تم اپنے عیش کے بندے ہو اس کی قدر کیا جانو
ہمارے دل سے پوچھو آفتِ شبہائے ہجراں کو

تصور دل میں رہتا ہے ہمیشہ اُن کی صورت کا
نقابِ چہرۂ زیبا کہوں اپنے گریباں کو

دلِ بدظن نے اپنے کر دیا کچھ بدگماں ایسا
نگاہوں میں مجھے رکھنا پڑا اُنکے نگہباں کو

مرے سینے میں وہ سوز و گدازِ عشق ہے ظالم
گھلا کر جس نے پانی کر دیا دم بھر میں پیکاں کو

مرا سامانِ وحشت بھی کھپا جاتا ہے نظروں میں
خدا رکھے بہت ہی چاک پہنتا ہے گریباں کو

شبِ وعدہ یہ ساری سختیاں آسان ہو جاتیں
بدل لیتے امیدِ مرگ سے گر اُس کے ارماں کو

ہزاروں فتنے برپا کر گئے دم بھر میں نالے سے
بنا رکھا ہے روزِ حشر ہمنے روزِ ہجراں کو

وہ اٹھا ابر آئی فصلِ گل کھلنے لگے غنچے
اٹھا کر سر مری وحشت نے وہ تاکا بیاباں کو

یہ کاوش یہ خلش یہ درد یہ لذت کہاں اُس میں
نہ دو پیکانِ تیر سے نسبت ہمارے دل کے حرماں کو

مری صورت بری ہے آپکی خصلت نہیں اچھی
محبت ہو ہی جاتی ہے برے دل سے بھی تو انساں کو

بتوں سے مل کے **بیخود** تم کہیں کافر نہ ہو جانا
بنا لیتے ہیں اپنا سایہ کافر ہر مسلماں کو

بزمِ دشمن میں بلاتے ہو یہ کیا کرتے ہو
اور پھر آنکھ چُراتے ہو یہ کیا کرتے ہو

بعد میرے کوئی مجھسا نہ ملے گا تم کو
خاک میں کس کو ملاتے ہو یہ کیا کرتے ہو

ہم تو دیتے نہیں کچھ یہ بھی زبردستی ہی
چھین کر دل لئے جاتے ہو یہ کیا کرتے ہو

کرچکے بس مجھے پامال عدو کے آگے
کیوں مری خاک اڑاتے ہو یہ کیا کرتے ہو

چھینٹے پانی کے نہ دو نیند بھری آنکھوں پر
سوتے فتنے کو جگاتے ہو یہ کیا کرتے ہو

ہو نہ جائے کہیں دامن کا چھڑانا مشکل
مجھکو دیوانہ بناتے ہو یہ کیا کرتے ہو

محتسب ایک بلانوش ہی اے پیرِ مغاں
چاٹ پر کس کو لگاتے ہو یہ کیا کرتے ہو

کام کیا داغِ سویدا کا ہمارے دل پر
نقشِ اُلفت کو مٹاتے ہو یہ کیا کرتے ہو

پھر اسی مُنہ پہ نزاکت کا کروگے دعوٰی
غیر کے ناز اُٹھاتے ہو یہ کیا کرتے ہو

اُس ستم کیش کے چکموں میں نہ آنا **بیخود**
حالِ دل کس کو سُناتے ہو یہ کیا کرتے ہو

دونوں ہی کی جانب سے ہو گر عہدِ وفا ہو
چاہت کا مزا جب ہے کہ تم بھی مجھے چاہو

یہ ہم نہیں کہتے ہیں کہ دشمن کو نہ چاہو
اس چاہ کا انجام مگر دیکھئے کیا ہو

شمشیر سے بڑھکر ہیں حسینوں کی ادائیں
بے موت کیا قتل ان اچھوں کا بُرا ہو

معشوق طرحدار ہو انداز ہو اچھا
دل آئے نہ ایسے پہ تو پھر دل کا بُرا ہو

پورا کوئی ہوتا نظر آتا نہیں ارمان
اُن کو تو یہ ضد ہے کہ ہمارا ہی کہا ہو

تم مجھکو پلاتے تو ہو سے سینہ پہ چڑھکر
اس وقت اگر کوئی چلا آئے تو کیا ہو

وعدہ وہ تمہارا ہے کہ لب تک نہیں آتا
مطلب یہ ہمارا ہے کہ باتوں میں ادا ہو

خنجر کی ضرورت ہے نہ شمشیر کی حاجت
ترچھی سی نظر ہو کوئی بانکی سی ادا ہو

خالی تو نہ جائیں دمِ رخصت مرے نالے
فتنہ کوئی اُٹھے جو قیامت نہ بپا ہو

چوری کی تو کچھ بات نہیں مجھکو بتادو
میرا دلِ بیتاب اگر تم نے لیا ہو

اُن سے دمِ رفتار یہ کہتی ہے قیامت
فتنے سے نہ خالی کوئی نقشِ کفِ پا ہو

بدظن ہیں وہ اس طرح کے سرمہ اُسے سمجھیں
بیمار کی آنکھوں میں اگر نیل ڈہلا ہو

خط کھول کے پڑھتے ہوئے ڈرتا ہوں کسی کا
لپٹی ہوئی خط میں نہ کہیں میری قضا ہو

مرنا ہے اُسی کا جو تجھے دیکھ کے مرجائے
جینا ہے اُسی کا جو محبت میں جیا ہو

ہے دل کی جگہ سینہ میں کاوش ابھی باقی
پیکاں کوئی پہلو میں مرے رہ نہ گیا ہو

مجھکو بھی کہیں اور سے آیا ہے بلاوا
اچھا ہے چلو آج بھی وعدہ نہ وفا ہو

بیخود کا فسانہ تو ہے مشہور زمانہ
یہ ذکر تو شاید کبھی تم نے بھی سُنا ہو

کسی پردہ نشیں کی قدر زاہد کو بھلا کیا ہو
کوئی اُس شخص سے پوچھے کہ جس نے اُس کو دیکھا ہو

اگر یہ انقلابِ عشق ہو جائے تو پھر کیا ہو
مجھے تم سے تنفر ہو تمہیں میری تمنّا ہو

مری اُلفت کا یارب ڈھنگ دنیا سے نرالا ہو
نیا ارمان ہو دل میں نیا دل روز پیدا ہو

خدا جانے تمنّائی کا تیرے حال پھر کیا ہو
اگر تو بات کا پورا اگر وعدے کا سچّا ہو

تجھے اب چاہنے والے کی دنیا میں ضرورت کیا
یہ آئینہ ہو تو ہوا اور تیرا حُسن زیبا ہو

مثل مشہور ہے یہ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے
تعجب کیا اگر دشمن سے اُس نے مجھکو پوچھا ہو

شکایت پر جفاؤں کی گِلے پر بد مزاجی کے
وہ کہتے ہیں اُسے چاہو جو کوئی ہم سے اچھا ہو

Supplied by
Mirza La

فقط تیری محبت ہو نہ ارماں ہو نہ حسرت ہو
نہ ہو دل بھی تو بہتر ہو کہ دل کا بھی نہ کھٹکا ہو

سبب ہیں کیا بتاؤں تم کو اپنی بدگمانی کا
کہیں جاتا ہوا شاید کسی کے ساتھ دیکھا ہو

دکھائے یہ کرشمے اُس کی اُلفت ہم تو جب جانیں
جدھر اُٹھ جائے آنکھ اپنی اُسی کا روئے زیبا ہو

یہ شوخی ہے نئی یہ شرم دنیا سے نرالی ہے
ملا کر آنکھ کہتے ہیں ادھر دیکھے تو اندھا ہو

ہم اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے جوانی میں
یہی آغاز اُلفت ہے تو آگے دیکھیے کیا ہو

قیامت خیز ہے رفتار تیری میں تو جب جانوں
ترے قد کے برابر ایک بھی گر فتنہ برپا ہو

تمہیں بیخود سے اُلفت ہے تو پھر ہم کیا کریں شکوا
اجارہ ہے کسی کا اس میں تم چاہو جسے چاہو

جلانے کا مرے موقع ملے کیوں چرخِ پرفن کو
لگا دوں آگ پہلے برق کے گرنے سے خرمن کو

کرے تاثیر مجھ پر وہ نظر یہ غیر ممکن ہے
ہمیشہ جس نظر سے دیکھتے رہتے ہو دشمن کو

جہاں باندھا چمن میں آشیاں ہم نے گری بجلی
جگہ اب ڈھونڈیے صیاد کے گھر میں نشیمن کو

دلِ مضطر نے مجھکو لا بٹھایا کس کے پہلو میں
یہ گھبرا کر سرِ محفل سمیٹا کس نے دامن کو

نہ کرنا تھا نہ کرنا تھا کہا دل کا نہ کرنا تھا
غلط فہمی تو دیکھو دوست سمجھا ہم نے دشمن کو

نظر کو جب نہیں حاجت تو پھر پردے سے کیا حاصل
ہماری آنکھ کا پردہ سمجھ لو اپنی چلمن کو

شکایت کے وہاں ہر بات میں پہلو نکلتے ہیں
سنائے کوئی دل کا حال کیونکر ایسے بدظن کو

ہماری خاک سے چلتا ہے بچکر جب یہ چلتا ہے
لگے ہیں چار چاند ایسے کہاں تیرے توسن کو

خلش تیرِ نظر کی دیکھنا دل ہی نہ مٹجائے
جہاں ٹانکا لگاؤ توڑ دینا نوک سوزن کو

دعائیں مانگتا ہوں میں الٰہی موت آجائے
لبِ معجز نما سے کوستے ہیں جب وہ دشمن کو

کبھی آلودہ دامن رندِ میکش رہ نہیں سکتا
برس کر ابرِ رحمت دھو دیا کرتا ہے دامن کو

رہِ الفت میں دل کھو کر اجل کو یاد کرتا ہوں
بچھڑ کر راہبر سے ڈھونڈتا پھرتا ہوں رہزن کو

یہ گردن پھر جھکی یہ آنکھ پھر نیچی ہوئی دیکھو
نظر ہو جائیگی دیکھو نہ تم بھی اپنے جوبن کو

عیاں سب راز ہو جاتا محبت کا عداوت کا
ہماری آنکھ سے دیکھا تو ہوتا تم نے دشمن کو

مری دیوانگی سے قیس کی وحشت کو کیا نسبت
ملا لو آستیں سے آستیں دامن سے دامن کو

مرے دل کی طرح بازو کی مچھلی بھی تڑپتی ہے
دکھا دے اک نظر ساقی صراحی دار گردن کو

زمانے میں کہیں ہوتا ہے مجھ سا دل جلا پیدا
کیا کرتی ہی روشن برق میری شمع مدفن کو

مہینوں تک دلِ بیتاب خنجر کیلئے تڑپا
رہی شمشیر کی برسوں تمنا میری گردن کو

صنم خانہ سے **بیخود** کا اُکھڑنا ہے بہت مشکل
بتوں کے ساتھ اس نے گانٹھ رکھا ہی برہمن کو

دل ہو نہ ہو مگر یہ تمنا ضرور ہو
دل کی جگہ بغل میں کوئی رشکِ حور ہو

ممکن ہے یہ رقیب کا سارا فتور ہو
شرماؤ تم تو جب کہ تمہارا قصور ہو

بے پردہ میرے سامنے وہ رشکِ حور ہو
قاصد تری نگاہ میں شاید فتور ہو

کچھ چھیڑ چھاڑ وصل میں باہم ضرور ہو
وہ بخشدیں تجھے جو مزے کا قصور ہو

پیدا کیا ہے جس نے اُسی کے ظہور ہو
سر سے لگا کے تا بقدم تم تو نور ہو

اُٹھ جائے گر نگاہ سے پردہ حجاب کا
ہر ذرہ برقِ ایمن دہر سنگ طور ہو

کیا فرض ہے کہ جس کا دل آئے تمہیں پہ آئے
سارے جہاں میں ایک تمہیں رشکِ حور ہو

کھائی نہ تم نے غیر کی دعوت قسم تو کھاؤ
لو ہاتھ لاؤ دل میں تو قائل ضرور ہو

ملتا نہیں ہی دل تو ملاقات سے حصول
بیٹھے ہو میرے پاس مگر مجھ سے دور ہو

بدمست کر دیا ہے مجھے چشم مست نے
کوئی پئے شراب کسی کو سرور ہو

کنیاتے ہیں رقیب سے چلتا ہی مجھہ زور
غصہ کسی پہ اترے کسی کا قصور ہو

زاہد بتوں سے چاہیئے در پردہ رسم وراہ
شاید اسی لباس میں وہ رشک حور ہو

بھیجا ہے بزم غیر سے پیغام یہ مجھے
دل سے ہو پاس گو مری نظروں سے دور ہو

افسوس ظلم کا بھی سلیقہ تمہیں نہیں
ہم نے تو یہ سنا تھا بہت ذی شعور ہو

تعذیر بے قصور یہ ملتی تو ہے مجھے
مجھہ سے سزا کے بعد اگر کچھہ قصور ہو

میری خبر کہاں تمہیں اپنی خبر نہیں
بیہوش ہو شباب کے نشہ میں چور ہو

کھنچتا ہی ان بتوں کا تو بس کھنچتا ہی دل
معشوق تو وہی ہی کہ جس کو غرور ہو

وعدے کی رات غیر کے گھر وہ چلے گئے
اے اور بیقرار دلِ نا صبور ہو

پڑ جائے پھر جبین پہ شکن پھر نظر پھرے
ہاں پھر اسی طرح سے کہو مجھکو دور ہو

دل بھی ملے نظر بھی ملے جام بھی ملے
یوں کس طرح سے بزم میں حاصل سرور ہو

بیخود رہے وہ درد سے کیونکر نہ رسم وراہ
ٹکڑے جگر ہوئے ہیں دل جس کا چور ہو

لگا دو آگ خاطر سے ہماری غیر کے غم کو
اٹھا کر جھونک دو دوزخ میں اس نارِ جہنم کو

کلیجے سے لگا رکھا ہے ہمنے آپ کے غم کو
یہی بدلا ہے اس کا آپ تڑپاتے ہیں یوں ہم کو

زرائے شعبدے دیکھے ترے کوچہ کے ذروں میں
بنایا تھا اسی مٹی سے شاید ساغرِ جم کو

مثل ہے یہ تو قسمت سب کی سب کے ساتھہ ہوتی ہی
عدو کو گالیاں دی ہیں تو بوسہ دیجئے ہم کو

دلِ پر آرزو لیجے یہ جانِ پر الم لیجے
کمی کس چیز کی ہے بندہ پرور آپکے دم کو

وہ اپنے حسن کی سنتے رہے تعریف پہلے تو
کہا پھر کس مزے سے کیوں بناتے ہو اجی ہم کو

اسی کی آرزو میں خاک چھانی دیر و کعبہ کی
اسی کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں ملتا ہی نہیں ہم کو

سدہارو گھر کو جاؤ ہاتھ دھو لو تیغ کو پونچھو
قیامت اب ہماری نعش پر آئیگی ماتم کو

تجلی کیوں نہ پردہ ڈال دیتی چشم موسےٰ پر
دکھاتا تھا اُسے تو جلوہ اپنا سارے عالم کو

کوئی تم کھیل سمجھے تھے عدو سے فیصلہ ہونا
تمہاری بات رکھ لی حشر میں دینا دعا ہم کو

رقیبوں کے لئے اچھا ٹھکانا ہو گیا پیدا
خدا آباد رکھے میں تو کہتا ہوں جہنم کو

یہی آئینۂ نخوت اسی سے آپ کی شہرت
دعائیں دیجئے صاحب ہماری چشم پرنم کو

قیامت ڈھا رہی ہیں گرمیاں خورشید محشر کی
یہی موقعہ تو ہے اے داغہائے دل ذرا چمکو

ہمارا دل یہ کہتا ہے بلائیں لیجئے اُن کی
وہ کہتے ہیں ہمیں کو روئے تو چھیڑے اگر ہم کو

نہ آنسو آنکھ میں آئے نہ دل میں داغ ہو پنہاں
وہ کہتے ہیں چھپاؤ رازداروں سے مرے غم کو

سپہر کینہ پرور کی سخاوت میں ظرافت ہے
دئے موتی مگر چھوٹے دئے ظالم نے شبنم کو

ہمارا حوصلہ تھا بار الفت کے اٹھا لینے کا
خدا کی کارسازی ہے کہ یہ دولت ملی ہم کو

نہ دیکھ انسان کو اے آسماں چشم حقارت سے
ارے تیرے فرشتوں نے کیا ہی سجدہ آدم کو

مری تقدیر کے اسکو ملے ہیں پیچ و خم سارے
کلیجے سے لگالوں میں تمہاری زلف پرخم کو

زباں استاد کی بیخود ترے حصے میں آئی ہے
پھر اتنا بھی نہیں کوئی خدا رکھے ترے دم کو

ایجاد وہاں جب کوئی بیداد نئی ہو
فریاد بھی ہاں اے دل ناشاد نئی ہو

اُن کا یہ اشارہ ہے کہ فریاد نئی ہو
میرا یہ تقاضا ہے کہ بیداد نئی ہو

گذری ہوئی باتوں میں مزا کچھ نہیں ہوتا
معشوق نیا ہو کوئی بیداد نئی ہو

گر وصل نہ ہو دل تو بہلتا رہے میرا
ہر روز جفا اے ستم ایجاد نئی ہو

جنت کی کہانی سے تو اکتا گئے واعظ
اس وقت تو حضرت کوئی ارشاد نئی ہو

بسنے کے لئے جاتے ہیں کیوں لوگ عدم کو
مجھ پر وہ ستم ہو جو ہوا ہو نہ کسی پر ،،،،،،
ہر آن رہے جلوہ ترا آنکھہ کے آگے
میرا نام نہیں دہو کہ نہ ہو دھوکے میں سُنیں وہ
ہر وقت نئی دم پہ بنے اُن کی ستم سے
دنیا کی طرح رنگ بدلتی رہی اُلفت

دنیا ہی میں بستی کوئی آباد نئی ہو
محشر میں اگر پیش ہو روداد نئی ہو
ہر آن تری حُسن خداداد نئی ہو
ترکیب کچھہ ایسی دم فریاد نئی ہو
ہر لحظہ مریجان پر اُفتاد نئی ہو
جب یاد کروں تجھکو تری یاد نئی ہو

جاتے ہو وہاں مجھکو بھی دینا خبر آکر
گر بات کوئی بیخود ناشاد نئی ہو

ہٹو جاؤ چلو بس ہو چکی تدبیر رہنے دو
تم اپنے ہی لئے بیخود یہ اپنے تیر رہنے دو
عدو کی بزم میں تعظیم میری ہو چکی بس بس
یہ نالہ بنکے نکلے گا یہ آنسو بنکے نکلے گا
نزاکت آئینہ تک عکس کو جانے نہیں دیتی
زباں سے پھول جھڑتے ہیں نئی جادو بیانی ہے
رہائی قید غم سے سخت جانوں کی نہیں آساں
نہ ہو ہم دل جلوں کی خاک میں تاثیر کیا ممکن
تمہارے حسن کی خوبی نظر آجائیگی تم کو
عدو سچا ہے تم سچے ہمارا منہ نہ کھلواؤ
مٹائے سے مقدر کی کجی مٹتی نہیں ہمدم

جنوں میں چارہ سازو تم مری زنجیر رہنے دو
بتوں کے دل میں نالے کرچکے تاثیر رہنے دو
مری نظروں میں گھٹتی ہے مری توقیر رہنے دو
جو یوں نکلا تو کیا نکلا نہ کھینچو تیر رہنے دو
یہی نقشہ ہے تو بس کھنچ چکی تصویر رہنے دو
نہ دو یوں گالیاں مجھکو دم تقریر رہنے دو
لبوں پر آگیا کھنچ کر دم شمشیر رہنے دو
دکھائے گا اثر یہ سرمۂ تسخیر رہنے دو
بجائے آئینہ آگے مری تصویر رہنے دو
خطا وہ کرچکا تم دے چکے تعذیر رہنے دو
خفا ہیں گر وہ مجھ سے یہ مری تقدیر رہنے دو

نہیں تو ہیں جو کہدینگے ہم اپنے خوابکی باتیں
تمہیں تو ہو جو دوگے خواب کی تعبیر رہنے دو

رہو تقدیر پر شاکر کہ تم تو خود ہی **بیخود** ہو
جو ہیں ہُشیار اُن کو بندۂ تدبیر رہنے دو

اے کاش مری آہ میں اتنا اثر تو ہو
میرا خیال اُس کو مجھے دیکھکر تو ہو

یہ شام ہی سے دُھوم ہے رخصت کی کس لئے
میں روکتا نہیں تمہیں جانا سحر تو ہو

دل جانتا ہے تو نے جو مجھپر کئے ہیں ظلم
کہتے ہیں اس کو آہ تجھے بھی خبر تو ہو

پہلی نظر میں وہ مجھے عاشق سمجھ گئے
پہچان بے نگاہ کو اتنی نظر تو ہو

یہ کیا کہ آج کچھ ہے تو کل کچھ زبان پر
شکوہ ہو یا ہو شکر مگر عمر بھر تو ہو

یہ حشر بھی تو کم نہیں کچھ قتل عام سے
بیداد گر نہیں نہ سہی فتنہ گر تو ہو

ہم اِس کو داد ظلم کی محشر میں جان لیں
شرمِ گنہ سے آپ کی نیچی نظر تو ہو

آتے ہی آتے آئیگا فریاد میں اثر
جلدی پڑی ہے کیا ابھی ٹکڑے جگر تو ہو

اقرار سے غرض ہے نہ انکار سے غرض
اُس شوخ کو قیام کسی بات پر تو ہو

شوخی نئی ہے کہتے ہیں بجلی کو دیکھکر
بیتاب و بے قرار کوئی اسقدر تو ہو

مرنیکی اپنے کچھ ابھی جلدی نہیں ہمیں
رخصت شبِ فراق کہیں چارہ گر تو ہو

کس کام کی ہے ایسی نزاکت اگر ہوئی
معشوق بیدہن ہو بلا سے کمر تو ہو

یہ کیا کہ دشمنی میں بھی ہونے لگی کمی
ملتا رہے وہ رنج کہ جس میں گذر تو ہو

وہ بعدِ امتحانِ محبت یہ کہہ گئے
سچ کر دکھائے جھوٹ کو اتنا ہنر تو ہو

بیخود ہوا نہ وصل تو کچھ اس کا غم نہیں
وقتِ اخیر یار کے زانو پہ سر تو ہو

فدا ہے جہاں دیکھہ پایا کسی کو
نہ دنیا الٰہی دل ایسا کسی کو

ستم کے سوا کچھہ نہ آیا کسی کو
جلانا کسی کو ستانا کسی کو

ستاؤں نہ پھر میں بھی کیا کیا کسی کو
جو ہو جاے میری تمنا کسی کو

مزا عاشقی کا ہے مجھے خاک ملتا
ستم بھی تو کرنا نہ آیا کسی کو

لبِ جانفزا کو ہے انکار مشکل
کرے قتل کیونکر مسیحا کسی کو

شبِ وصل یہ کہہ رہی ہیں نگاہیں
کھٹکتی ہے میری تمنا کسی کو

حسین کوئی دنیا میں گذرا ہی تم سا
ہوا ہی خدائی کا دعوا کسی کو

محبت میں کیسا مزا پڑ گیا ہے
جفا کا کسی کو وفا کا کسی کو

ترا وصل اپنی ہی تقدیر میں تھا
یہ ارمان ظالم نہ تھا کیا کسی کو

یہ دزدیدہ نظروں کی شوخی نئی ہے
دیا دل چُرا کر کسی کا کسی کو

ہنسی کھیل سمجھا ہی دل کا تڑپنا
دکھانا ہے یہ بھی تماشا کسی کو

بہت سیر کی ہم نے باغِ جہاں کی
مگر تجھہ سے بہتر نہ دیکھا کسی کو

زمانہ میں پیدا نہیں مرنیوالے
سمجھہ کر ذرا تم مٹانا کسی کو

وہ سمجھے کہ یہ بھی ہی عاشق ہمارا
جہاں مضطرب دیکھہ پایا کسی کو

بتوں کی تو یارب خدائی نئی ہے
قیامت میں بخشیں گے یہ کیا کسی کو

ملا کر مجھے خاک میں وہ یہ بولے
خبردار اب دل نہ دینا کسی کو

بہت منہ چھپانا بھی اچھا نہیں ہی
کریگا یہ پردہ تو رسوا کسی کو

ہوا دل تو نظروں ہی نظروں میں چمپت
دکھاتے ہم اپنا کلیجا کسی کو

کہاں ہیں زمانہ میں نادان تم سے
ملیگا نہ معشوق ایسا کسی کو

شبِ وصل ہم رازِ دل کہہ دیتے
سمجھتے اگر دوست اپنا کسی کو

یہ محفل ہے بیخودؔ یہ خلوت نہیں ہے
خبردار تونے جو چھیڑا کسی کو

برگشتہ ہے کچھ اُن کی نظر دیکھیے کیا ہو
بے طرح دھڑکتا ہے جگر دیکھیے کیا ہو

دیتا ہوں محبت کی خبر دیکھیے کیا ہو
اُن پر مری باتوں کا اثر دیکھیے کیا ہو

انجام محبت کا ہے کھٹکا ابھی باقی
ہے وردِ زباں شام و سحر دیکھیے کیا ہو

بنجاؤ جو دشمن کے طرفدار عجب کیا
ہوتا ہے یہی تم سے مگر دیکھیے کیا ہو

باندھی تو ہے طعنہ سے مرے قتلِ عدو پر
نازک ہی بہت اُن کی کمر دیکھیے کیا ہو

وعدے کے وفا ہونے میں دن بھر کا ہے وقفہ
دم بھر کی نہیں ہم کو خبر دیکھیے کیا ہو

جانے پہ وہ آمادہ ہیں ہم زیست سے ہیں تنگ
آتی ہے قیامت کی سحر دیکھیے کیا ہو

تشریف وہ لاتے ہیں کہ آتی ہے قیامت
بیٹھا ہوں سرِ راہگذر دیکھیے کیا ہو

آغازِ محبت نے تو یہ رنج دئے ہیں
انجام کی ہے کس کو خبر دیکھیے کیا ہو

ایسا نہ ہو اُس بزم میں آنسو نکل آئیں
غمّاز ہے یہ دیدۂ تر دیکھیے کیا ہو

مرہم کی جگہ تیر کے پیکاں کو بھی رکھا
بھرتا ہی نہیں زخمِ جگر دیکھیے کیا ہو

اندیشۂ عقبےٰ نے مزا زیست کا کھویا
ہر دم ہے یہی خوف و خطر دیکھیے کیا ہو

ہے شام ہی سے آج تو بیخودؔ کا برا حال
کس طرح سے ہو رات بسر دیکھیے کیا ہو

ہم تو شیدائی ہیں اُس دل کے کہ جس میں تو بھی ہو
غنچۂ گل سے غرض کیا اس میں تیری بو بھی ہو

یوں بسر ہو زندگی تو زندگی کا لطف ہے
دل بھی پہلو میں ہے دل کے برابر تو بھی ہو

Supplied by ...

بات کی تو جی اٹھے دیکھا تو پھر ہم مر گئے
لب میں گر اعجاز ہو تو آنکھ میں جادو بھی ہو

یوں مبارکباد دیتے ہیں اُن کو وصلِ غیر کی
بات بھی کھلنے نہ پائے چھیڑ کا پہلو بھی ہو

ہیں یہی دشواریاں جب تک ہے امیدِ وصال
فیصلہ یہ بھی چکے جھگڑا کہیں یکسو بھی ہو

ضبطِ غم رازِ نہاں کا پاس رسوائی کا ڈر
یہ تو سب کچھ ہو مگر دل پر مرا قابو بھی ہو

خوش گلہ خوش وضع خوش خو خوش لباس و خوش مزاج
تجھ میں اتنی خوبیوں پر اک وفا کی خو بھی ہو

تیر نظروں کے چلیں ابرو کے خنجر ہوں رواں
چور زخموں سے مرا سینہ بھی ہو پہلو بھی ہو

کس سے ممکن ہے ہماری تشنہ کامی کا علاج
حلق سے اترے اگر پانی تو پھر آنسو بھی ہو

جس پری رو نے بلا ہیچو و مسخر کر لیا
کلمہ وہ پڑھتا ہی دیتا ہے اگر ہندو بھی ہو

تاثیر تو فغاں میں ہوئی ہے کبھی نہ ہو
ڈرتا ہوں آہ سے کہیں الٹی ہنسی نہ ہو

آتا ہے وہم دوزخ و جنت کے ذکر پر
یہ کوچۂ رقیب وہ اُن کی گلی نہ ہو

کہتا ہے دل کہ شکل یہ دیکھی ہوئی سی ہے
ہم جس پہ مر رہے ہیں کہیں تم وہی نہ ہو

اُس نے دیا ہے عرضِ تمنا پہ یہ جواب
وہ بات کیا کہ جس میں ہماری خوشی نہ ہو

وہ باغ میں بھی آکے ستم توڑنے لگے
غنچہ پہ ہے گمان یہ دل کی کلی نہ ہو

کیوں چھیڑتے ہو ذکرِ دلِ بیقرار کا
دشوار وصل میں بھی کہیں زندگی نہ ہو

خالی نہیں فریب سے یہ عزمِ قتلِ غیر
میرے ہی خون پر کمر اُس نے کسی نہ ہو

حسرت برس رہی ہے مری ہر نگاہ سے
رسوائے عام چاہیے یہ بیکسی نہ ہو

سچ جانچ وہ بات ہماری اگر سنیں
پھر ہر سخن پہ طعن سے اس طرح جی نہ ہو

ناصح یہ بات جھوٹ ہی ہم اور ترکِ عشق
ایسا تو بھول کر بھی ہوا ہی کبھی نہ ہو

انسان ہی کو ہوتی ہے انسان کی تو قدر
قربان اس بیان کے صدقے زبان کے
روشن جو شمع ہوتی ہے آتا ہے یہ خیال
آتا نہیں یقین کہ وہ آئیں گے یہاں

اس کا علاج کیا جو کوئی آدمی نہ ہو
ناصح کی بات ہی نہیں جو بے تکی نہ ہو
یہ بھی کہیں ہمارے ہی دل کی لگی نہ ہو
پیغامبر نے دل سے کہیں یہ گھڑی نہ ہو

بیخودی کی آنکھ کہتی ہے میخوار ہے یہ شخص
میں شرط باندھتا ہوں اگر اس نے پی نہ ہو

آ گئے پھر ترے ارمان مٹانے ہم کو
کبھی پوچھا نہ تری تیغِ ادا نے ہم کو
بھاگ کر کعبے سے چوروں کی طرح آئے ہیں
ہچکیاں آنے کا باعث نہ کھلا کچھ شبِ غم
دن میں سو بار تری چال پہ مٹ جاتے ہیں
سر اُٹھانے نہ دیا حشر کے دن بھی ظالم
ایک دن بھی جو تجھے غیر سے ممکن کیا ہے
بیٹھنے ہی نہیں دیتا دلِ مُضطر نچلا
ٹالدیں گے شبِ وعدہ جو اجل آئے گی
تیغ سے بڑھکے ہیں چلتے ہوئے فقرے اُسکے
کچھ تو ہے ذکر سے دشمن کے جو شرماتے ہیں
چشمِ دشمن میں ہے یا ترے قدموں میں ہے
مول لیتے اُسے کونین سے بھی کچھ کم ہیں

دل سے پہلے یہ لگا دیں گے ٹھکانے ہم کو
مُنہ لگایا نہ کبھی زُلفِ دوتا نے ہم کو
اے بتو تم سے ملایا ہے خدا نے ہم کو
یار نے یاد کیا تھا کہ قضا نے ہم کو
کیسی مٹی سے بنایا ہے خدا نے ہم کو
کچھ ترے خوف نے کچھ اپنی وفا نے ہم کو
ہاتھ باندھے ہوئے آؤ گے منانے ہم کو
کہیں اپنا ہی سا وہ شوخ نچانے ہم کو
ہیں بہت نوکِ زباں اُن کی بہانے ہم کو
بے چھُری ذبح کیا عذرِ جفا نے ہم کو
وہم میں ڈال دیا اُن کی حیا نے ہم کو
ملے تقدیر سے وہی تو ٹھکانے ہم کو
نہ دیا آنکنے والوں نے جُھکانے ہم کو

ظلم کا شوق بھی ہے شرم بھی ہے خوف بھی ہے
خواب میں چھپ کے وہ آتے ہیں ستانے ہم کو

آئے محفل میں کوئی بن کے نہ ساقی جب تک
لطف دیتے نہیں مطرب کے ترانے ہم کو

چار داغوں پہ نہ احسان جتاؤ اپنا
کون سے بخش دیئے تم نے خزانے ہم کو

بات کرنیکی کہاں وصل میں فرصت **بیخود**
وہ تو دیتے ہی نہیں ہوش میں آنے ہم کو

لا بٹھایا تری چوکھٹ پہ خدا نے ہم کو
نہ اُٹھیں حشر بھی آئے جو اُٹھانے ہم کو

دیکے دم لوٹ لیا ناز و ادا نے ہم کو
باڑ پر رکھہ ہی لیا تیغ قضا نے ہم کو

مرنے والوں میں ترے ایک ہمیں نکلے ہیں
آزمایا ہے کئی بار قضا نے ہم کو

دیکھکر آئینہ دل تھام لیا پھر یہ کہا
اُف بُری چیز بنایا ہے خدا نے ہم کو

اُس کا شکوہ ہے غلط اُس کی شکایت جھوٹی
سچ تو یہ ہے کہ ڈبویا ہے وفا نے ہم کو

رشک دشمن نے بڑا کام نکالا اپنا
دوست دیتے نہ کبھی جان گنوانے ہم کو

اے اجل تو ہی ذرا تھام کے بازو لے چل
ضعف دیتا نہیں اُس کوچے میں جانے ہم کو

کچھہ نہ کچھہ رنگ دکھائیگی محبت اپنی
دیکھہ جاتے ہیں وہ ملنے کے بہانے ہم کو

خوب شرمندہ کیا خوب ہی پامال کیا
اپنی اُلفت نے اُسے اُسکی جفا نے ہم کو

جب تو مانوسگے جو لیجا کے دکھا لائینگے
خوب معلوم ہیں دشمن کے ٹھکانے ہم کو

لاکھ عزت سے یہ ذلت بھی نہیں عشق میں کم
آپ اُٹھتے ہیں وہ محفل سے اُٹھانے ہم کو

اب وہ اُکتا کے تصور سے مرے کہتے ہیں
آہی جاتا ہے یہ کمبخت ستانے ہم کو

موت ایسی کہیں ہوتی ہے محبت میں نصیب
دن دکھایا ہے یہ دشمن کی دُعا نے ہم کو

غیر سے اُن کو سروکار نہیں کچھہ **بیخود**
اس پہ مرتے ہیں کہ عاشق کوئی جانے ہم کو

بات کرینگی شبِ وصل اجازت دیدو
مجھکو دم بھر کے لئے غیر کی قسمت دیدو

دیکھکر دل کو بگڑ جائے گی نیت دیدو
دیکھو دیکھو یہ پرائی ہے امانت دیدو

بے طلب بوسہ جو دیتے ہو عنایت دیدو
اور اک بات کی بھی ہم کو اجازت دیدو

تم کو اُلفت نہیں مجھ سے یہ کہا تھا میں نے
ہنسکے فرماتے ہیں تم اپنی محبت دیدو

دل مرا مُفت لیا چور بنایا اُلٹا
خود جھگڑتے ہیں کہ واپس ہمیں قیمت دیدو

ہم ہی چُھو کے سحر وصل منانا ہی نہ تھا
اب یہ ہے حکم کہ جانے کی اجازت دیدو

مفت لیتے بھی نہیں پھیر کے دیتے بھی نہیں
یوں سہی خیر کہ دل کی ہمیں قیمت دیدو

کی ہے اک کافرِ بدکیش کی دعوت ہم نے
دو گھڑی کے لئے زاہد ہمیں جنت دیدو

میری گردن پہ ذرا ناز سے تھم تھم کے چلے
اپنی تلوار کو تم اپنی نزاکت دیدو

خواہش وصل پہ برسوں میں ملا ہی یہ جواب
بات کے سوچ سمجھ لینے کی مہلت دیدو

آسماں سا نہ ملیگا کوئی شاگردِ رشید
اس ستمگار کو تم اپنی خلافت دیدو

دل لگی ہے یہ نئی چھیڑ نئی کہتے ہیں
غیر دل لیتا ہے تم اُس کی ضمانت دیدو

بخشے جاتے ہیں یہ کیوں داغِ جدائی ہم کو
جس کو تم چاہتے ہو اُس کو یہ دولت دیدو

دل کے دینے سے وہ پہلے پہل انکار مرا
اور کہنا کسی ظالم کا بمنت دیدو

کم نہیں پیرِ خرابات نشیں سے بیخود
میکشو لو اسے میخانہ کی خدمت دیدو

کیوں فدا تم پہ دوسرا بھی ہو
جھوٹ کی اس کے انتہا بھی ہو
کج ادائی میں اک ادا بھی ہو

رشک آئے اگر خدا بھی ہو
اُس نے قاصد سے کچھ کہا بھی ہو
نیچی نظروں میں کچھ حیا بھی ہو

مرضِ عشق کی دوا بھی ہو — اس کا مارا کوئی جیا بھی ہو

غیر پر کاش وہ خفا بھی ہو — دل لگی ہی میں دل بُرا بھی ہو

ہم سُنا دیتے داستاں اپنی — آپ کو بات کا مزا بھی ہو

سر جھکانے سے فائدہ صاحب — نیچی نظروں میں جب حیا بھی ہو

سوچوں انجامِ عشق کیا ناصح — کچھ محبت کی انتہا بھی ہو

لاکھ پردوں میں دیکھتا ہوں اُسے — میری آنکھوں سے کچھ چھپا بھی ہو

اُس کی رگ رگ میں درد رہتا ہے — دل مرا تیرے کام کا بھی ہو

کھینچ کے کہتی ہے مجھ سے تیغ اُس کی — چل پرے ہٹ تری قضا بھی ہو

آرزو ہے کہ آرزو نہ رہے — کہیں پوری مری دعا بھی ہو

ایسی چلتی ہوئی کہاں شمشیر — جس میں کوئی تری ادا بھی ہو

کیا وہ قابو میں آ نہیں سکتے — ہم سے جب ترکِ مُدعا بھی ہو

دل جلاتے ہو عشق کی صورت — حُسن کی طرح بیوفا بھی ہو

کہہ چکے ہم جو ہم کو کہنا تھا — ہاں مگر آپ نے سُنا بھی ہو

اُن کے نزدیک ہے گلا ہر بات — مُنہ بنا لیں جو التجا بھی ہو

مُنہ لگایا نہ دُخترِ رز کو کبھی
کوئی بیخود سا پارسا بھی ہو

یہ نہ ہو دل میں محبت کا اثر کچھ بھی نہ ہو — داغِ حسرت ہی سہی یارب اگر کچھ بھی نہ ہو

راہ میں فتنہ بپا اے فتنہ گر کچھ بھی نہ ہو — نیچی نظروں کو اگر مدِ نظر کچھ بھی نہ ہو

دل ملاؤ غیر سے میری خبر کچھ بھی نہ ہو — ایک پر یہ کچھ عنایت ایک پر کچھ بھی نہ ہو

رنج و غم درد و الم یہ سب ہیں میرے غم کے ساتھ
تیرے پردے نے اُٹھائے ہیں زمانے میں فساد
اس حیا اس خامشی کے ہم بھی قائل ہو گئے
نغمہ دل کش ہو اگر ہو نالہ ہو تو دل گداز
خیر اچھا ہاتھ کا سچا سہی وزدِ حنا
تو ہی تو ہو جس طرف دیکھیں اُٹھا کر آنکھ ہم
عیش و راحت رات دن ہو خوش نصیبوں کو نصیب
باعثِ ایجادِ عالم زینتِ ہر دو جہاں
رنجشِ باہم مٹے تو غم مٹے کاوش مٹے
کیا غضب ہے تم کسی اقرار پر جمتے نہیں
وصل کا پیماں وفا کا عہد توبہ ظلم سے
قتل سب کو آپ بے شمشیر و خنجر کیجئے
کچھ سنا تم نے عدو کہتا ہے وہ تم سے ملے
دونوں مفسد ہیں ترا انکار میرا اضطراب
غیر سا عیار ثانی جس کا دنیا میں نہیں

عاشقی کا لطف ہی کیا ہے اگر کچھ بھی نہ ہو
سامنے تو ہو تو پھر یہ شور و شر کچھ بھی نہ ہو
دل میں سب کچھ ہو زباں پر فتنہ گر کچھ بھی نہ ہو
وہ تو پھر کچھ بھی نہیں جس میں اثر کچھ بھی نہ ہو
یہ نہیں ممکن اسے دل کی خبر کچھ بھی نہ ہو
تیرے جلوے کے سوا پیشِ نظر کچھ بھی نہ ہو
تیرہ بختوں کے لئے شام و سحر کچھ بھی نہ ہو
شرم کی جا ہے اگر اس پر بشر کچھ بھی نہ ہو
دردِ پہلو زخمِ دل داغِ جگر کچھ بھی نہ ہو
یوں نہیں لیلو دل کو قصہ مختصر کچھ بھی نہ ہو
ہو تو سب کچھ ہو نہ ہو تو فتنہ گر کچھ بھی نہ ہو
کہہ رہی ہے نازکی زیبِ کمر کچھ بھی نہ ہو
دوستی میں دشمنی کا جس کو ڈر کچھ بھی نہ ہو
یہ نہ ہوں تو فتنہ برپا رات بھر کچھ بھی نہ ہو
آپ جیسا سادہ دل جس کو خبر کچھ بھی نہ ہو

کہہ دیا بیخود کی بیکاری نے دنیا سے لِے
اس نکمے سے تو شاید عمر بھر کچھ بھی نہ ہو

پوچھو وہیں ڈھونڈو اُو وہیں نقشِ وفا کو
اس طرح سے برباد نہ کر اہلِ وفا کو

کھو آئے مٹا آئے جہاں جا کے حیا کو
ڈھونڈے سے بھی ملتے نہیں لوگ وفا کو

پھر آپ دکھا دیجئے شوخی کی ادا کو
بھولا ہوا بیٹھا ہے کوئی اپنی قضا کو

اتنا بھی اثر کم نہیں فرقت میں بہت ہے
وہ کہتے ہیں کوسینگے ہم اب تیری دعا کو

آئینے میں تم نے کبھی دیکھا کہ نہ دیکھا
اس شوخی و انداز کو اس ناز و ادا کو

منہ پھوڑ کے میں کچھ کہوں یہ مجھ سے نہ ہوگا
پوچھیں وہ مرا حال غرض اُن کی بلا کو

پڑتی ہیں ترے حسن پہ حیرت سے نگاہیں
دیکھا نہیں ان دیکھنے والوں نے خدا کو

اُس شوخ پہ مرتا ہے مگر مر نہیں چکتا
آتے ہوئے موت آتی ہے دشمن کی قضا کو

اللہ رے تری چشم فسوں ساز کا پردہ
ملنے کی اجازت نہیں شوخی سے حیا کو

بجلی ہے چھلاوہ ہے قیامت ہے بلا ہے
دیکھو تو ذرا تم نگہِ ہوش رُبا کو

مارا ہے ہمیں دل نے دکھا کر ترا کوچہ
رہزن نہیں سمجھے تھے ہم اس راہ نما کو

مدفن سے نکل کر کوئی دامن نہ پکڑ لے
ٹھکرا کے چلا کر نہ مزارِ شہدا کو

ہو پیر جواں جس سے وہ اے شیخ یہی ہے
چکھ تو سہی کمبخت مے روح فزا کو

پھولوں میں عدو کے کہیں کھا جاؤ نہ دھوکا
تم سونگھنے بیٹھے ہو کہاں بوئے وفا کو

اٹھکھیلیاں کرتی ہوئی گلزار میں آئی
یہ چال تری کس نے سکھا دی ہے صبا کو

ہے خوف مجھے حشر میں ہو حشر نہ برپا
روکے ہوئے رہیگا ذرا اپنی ادا کو

آتے ہی ستم اُن کی جوانی نے یہ ڈھایا
آنکھوں میں جگہ مل گئی کمبخت حیا کو

میں جان گیا جان ہی لیگی تری شوخی
میں تاڑ گیا دور ہی سے اپنی قضا کو

نکلے نہ تمنا کسی کمبخت کے دل کی
کر لیجئے پکی گرہِ بندِ قبا کو

بیخود اُنہیں ملنے دو جو دشمن سے ملیں وہ
لازم ہے کہ اب تم بھی کسی اور کو تاکو

وہی ہے جلوہ گر ہر سمت ای اہل نظر دیکھو
اُسی پر آنکھ پڑ جاتی ہے ہر پہر کر جدہر دیکھو

عدو کے ٹالنے کو تم اِدہر دیکھو اُدہر دیکھو
مگر ہم تم کو دیکھے جائیں تم چاہو جدہر دیکھو

گریباں چاک ہے میرا یہی ماتم میں سحر دیکھو
مجھی کو شمع بھی روتی رہی ہے رات بہر دیکھو

چلے آئے مرے گھر تک یہ اعجازِ محبت تہا
اُڑا کر لیگئے دل کو یہ جادو کا اثر دیکھو

خدا سے حور کے بدلے تمہیں ہم لیکے چھوڑینگے
جمے رہنا قیامت میں تم اپنی بات پر دیکھو

عدو کی بزم میں رازِ محبت کُھل گیا دیکھا
کہا تہا کس نے تم سے مُسکرا کر تم اِدہر دیکھو

عبث سر کاٹتے ہو امتحانِ عشق یہ کیسا
محبت دیکھنی ہے تو مرا دل چیر کر دیکھو

اسیرانِ قفس لو پر نکل آئے قیامت کے
مرے صیاد نے چھوڑیں ہیں زلفیں دوش پر دیکھو

خریدارِ محبت کے لئے بازارِ اُلفت ہیں
کوئی فولاد کا دل کوئی پتھر کا جگر دیکھو

لڑائی سے یہ نہیں تو روکے بیٹھے ہیں ہم تکو
کہ دل کا بھید کہدیتی ہے لڑ نہیں نظر دیکھو

ادائیں دیکھنے بیٹھے ہو کیا آئینہ میں اپنی
دیا ہے جس نے تم جیسے کو دل اُس کا جگر دیکھو

نگاہِ ناز کے ڈہوکے میں آکر ہنس گیا کیسا
سرِ بزم عدو تاکید ہی مجھہ پر اودہر دیکھو

نہ حسرت ہی نکلتی ہے نہ خنجر تم سے کہچتا ہے
نزاکت نے ہمارے قتل پر باندہی کمر دیکھو

سوالِ وصل پہ کچھ سوچکر اُس نے کہا مجھہ سے
ابھی وعدہ تو کر سکتے نہیں ہیں ہم مگر دیکھو

جوانی بے مے معشوق کٹنے کی نہیں ہمدم
کوئی خورشید رو تا کو کوئی رشکِ قمر دیکھو

نہ کرنا ترک **بیخود** محتسب کے ڈر سے مئخواری
کہیں دہبا لگا لینا نہ اپنے نام پر دیکھو

یہ انقلابِ دلِ بے قرار کیونکر ہو
خطا معاف یہ سب کا شعار کیونکر ہو

تری طرح سے اُسے اضطرار کیونکر ہو
زمانہ آپ سا بے اعتبار کیونکر ہو

شگفتہ اپنا دلِ داغدار کیونکر ہو
خزاں رسیدہ چمن میں بہار کیونکر ہو

یہاں یہ ضبط کہ مرجائیں تو بھی اُف نہ کریں
وہاں یہ شوق کہ دل بے قرار کیونکر ہو

ہنسے وہ پہلے رکیا بعد وعدہ پھر یہ کہا
مری قسم کا تجھے اعتبار کیونکر ہو

دوبارہ زیست قیامت ہی مرنے والوں کی
کسی سے حشر میں اب آنکھ چار کیونکر ہو

وہ نازنیں ہیں تو نازک ہی اُن کا پیماں بھی
مری وفا کی طرح استوار کیونکر ہو

زمانہ کہتا ہے بے لطف وصلِ دائم کا
مجھے تو فکر ہے یہ ایکبار کیونکر ہو

وہ بزمِ غیر میں آنکھیں چرائے بیٹھے ہیں
نظر کا تیر مرے دل کے پار کیونکر ہو

ستم ہیں اُس کی ادائیں غضب نگاہیں ہیں
شمار ظلم کا روزِ شمار کیونکر ہو

بغیر دل کی گواہی کے ہم نہ مانیں گے
ترے بیان پہ دار و مدار کیونکر ہو

لبوں پہ جان سرہانے اجل فلک سرپر
کسی کے آنے کا اب انتظار کیونکر ہو

یہاں خیال کہ وہ شرمسار ہو نہ کہیں
وہاں حجابِ ستم آنکھ چار کیونکر ہو

سنا نہ ہم نے کبھی ہوشیار بیخود کو
جو پی گیا ہو بہت ہوشیار کیونکر ہو

ہے وہ خودبیں کہیں اپنا ہی خریدار نہو
یہی آئینہ کبھی مصر کا بازار نہ ہو

یہ نہ ہو شرط تو پھر وعدہ بھی زنہار نہو
شب کو انکار نہ ہو صبح کو تکرار نہ ہو

یار ہی وہ ہے کسی کا جو کبھی یار نہو
ہم اُسی کے ہیں جسے ہم سے سروکار نہ ہو

حکم ہے دیکھ ادھر آنکھ خبردار نہ ہو
ہم کو گھورے تو خدا کا تجھے دیدار نہ ہو

وہ کرم ظلم ہے جس کا کبھی اظہار نہ ہو
وہ ستم بھی ہے عنایت جو دل آزار نہ ہو

جنس وہ ہوں جسے شہرت سے سروکار نہ ہو
میں اُدھر ہوں کہ جدھر چشم خریدار نہ ہو

جب نہ مانے وہ کسی طرح تو میں نے یہ جڑی
کون پوچھے تمہیں اس طرح جو انکار نہ ہو

دل ہو پہلو میں تو پہلو سے نہ وہ دور رہے
مُنہ پہ آنکھیں ہوں تو آنکھوں سے جُدا یار نہ ہو

کبھی شوخی سے جو آ جاتا ہے لب تک اقرار
روک دیتی ہے نزاکت کہ خبردار۔ نہ ہو

حور کے ذکر نے یہ آگ لگا دی کیسی
وہ گیا کہکے وہ مغرور ہمیں پیار نہ ہو

اُن کا خط وصل کا پیغام پھر اُس پر تاکید
دم نہ دیتا ہو مجھے نامہ بر عیّار نہ ہو

قتل کو آئے ہیں تیور یہ کہے دیتے ہیں
نازُکی سے جو نہیں دوش پہ تلوار نہ ہو

رشک ہی مجھکو وہ نکلا ہے جنازہ کس کا
آپ کی جان سے دور آپ کا بیمار نہ ہو

دیکھ لوں جلوہ ترا پھر مجھے دوزخ بھی قبول
یوں تو جنّت بھی جہنم ہے جو دیدار نہ ہو

دل کے بٹّے ہیں سو داغ جگر ملتے ہیں
ہم تو لٹ جائیں اگر آپ کی سرکار نہ ہو

مجھ سے سُن لیجئے پھر روزِ جزا کے معنے
پھر کہے دیتا ہوں یہ آپ کا دربار نہ ہو

اس طرح دل میں رہو یوں مری آنکھوں میں پھرو
دیکھنے کو بھی کہیں حسرتِ دیدار نہ ہو

نہ دیا غیر نے جب دل تو تڑپی ہم نے
ایسے موقع پہ کبھی ہم سے تو انکار نہ ہو

شوقِ دیدار نے پردے تو اُٹھائے سارے
اب کہیں اُن کی حیا بیچ میں دیوار نہ ہو

لڑنے بیٹھے ہو تو یہ نیم نگاہی کیسی
تیر میں تیر ہے وہ دل کے بھی جو پار نہ ہو

فرق ہے کوہکنی اور جگر کاوی میں
مجھکو اُس کام سے نفرت ہے جو دشوار نہ ہو

تم تو ڈرتا نہیں دشمن کے کسی اور سے بھی
ڈر ہے اس کا کہ کہیں آپ سے تکرار نہ ہو

عرضِ مطلب پہ ملا مجھکو یہ برسوں میں جواب
سُن لیا میں نے گلے کا مرے بس بار نہ ہو

اُن کو ہے نام سے **بیخودؔ** کے محبت ایسی
مانگتے ہیں وہ دعائیں کہ یہ ہشیار نہ ہو

عذر بیجا ہے کہ جھگڑا نہ قضا سے کچھ ہو
وہ چلے آئیں عیادت کو بلا سے کچھ ہو

سچ تو یہ ہے کہ قیامت ہی تری زلف نہیں
دل تڑپ جاتا ہی جنبش جو ہوا سے کچھ ہو

میکشی غیر کی محفل میں مبارک اُن کو
ہم ہی جب اُٹھگئے پھر اپنی بلا سے کچھ ہو

روٹھکر وہ تو چلے اب نہ منیں گے ہرگز
جان جائے کہ رہے اُن کی بلا سے کچھ ہو

صبح کو اُٹھکے وہ ہر روز بدل جاتے ہیں
خاک اُمید ہمیں اپنی وفا سے کچھ ہو

ہاتھ باندھے ہوئے آؤ جو دُعا ہو مقبول
کیا کریں تم ہی کہو جب نہ دُعا سے کچھ ہو

ٹوٹ کر بھی کہیں نادان جُڑا کرتی ہے
اب تو **بیخود** نہ دعا سے نہ دوا سے کچھ ہو

ردیف ہائے ہوز

باقی نہ رہا عشق و محبت میں مزا وہ
دل بیچتے پھرنے کا زمانہ ہی گیا وہ

کیا ہوگئی اللہ زمانے کی ہوا وہ
یاروں میں نہ اُلفت ہے نہ الفت میں وفا وہ

ہوجاتی ہے دم بھر کے لئے دل کو تسلی
چپکے سے مرے کان میں کہدیتے ہیں کیا وہ

ہم ٹوہ میں دل کی جو گئے بھیس بدل کر
بھولا نہیں عیّار ہے پہچان گیا وہ

ہیں اور بھلا غیر کی یوں چال میں آتا
انصاف سے پوچھو تو مجھے مان گیا وہ

قاصد تجھے سودا ہے کہیں دل نہ اُلٹ جائے
آئینگے یہاں میری عیادت کو بھلا وہ

ہم جان بھی دیتے اُنہیں ہم اُن کو دعا بھی
مشکل یہ ہے لیتے نہیں کچھ دل کے سوا وہ

یارب ہمیں ملجائے کوئی غیرتِ یوسف
جو خواب میں دیکھا نہ ہوا آنکھوں سے دکھا وہ

اب خیر اسی میں ہے کہ سن لیجئے دشنام
جب روٹھ گئے پھر کوئی سنتے ہیں بھلا وہ

ملتا ہے خدا ڈھونڈنیوالے کو سُنا ہے
ہم ڈھونڈ پھرے ساری خدائی نہ ملا وہ

اس واسطے کہتے تھے کہ ایسوں سے نہ ملنا
جو ہم سے کہا غیر نے تم نے بھی سُنا وہ

آتی ہیں بہت یاد جوانی کی اُمنگیں
وہ شکر میں لذت ہے نہ شکوے میں مزا وہ

بیخود کہیں یوں کرتے ہیں اظہارِ تمنّا
وہ بات کہی آپ نے جو سُن نہ سکا وہ

جیتے جی مٹ گئے کمال تو دیکھ
پائمالوں کی اپنے چال تو دیکھ

اے دل اُس شوخ کا جمال تو دیکھ
گات تو دیکھ چال ڈھال تو دیکھ

کون کہتا ہے دیکھ حال مرا
آئینے میں کبھی جمال تو دیکھ

شکلِ دشمن میں کیا لگے ہیں لعل
آبرو کا نہ ہو خیال۔ تو دیکھ

کہیں چھوڑی نہ آرزو دل میں
تیر کی اپنے دیکھ بھال تو دیکھ

سیرِ گلشن نہ دیکھ اے بُلبُل
دیکھنا چاہتی ہے حال تو دیکھ

چھٹ رہی ہیں ہوائیاں مُنہ پر
راز داروں کا اپنے حال تو دیکھ

کیا یہی ہیں نباہ کی باتیں
ہر گھڑی کا یہ تو ملال تو دیکھ

دم نکلتا ہے یا نہیں میرا
تیر کو دل سے تو نکال تو دیکھ

ہر مصیبت میں کام آتی ہے
بیکسی کا مرا خیال تو دیکھ

ہے بجا آئینے کی حیرانی
اپنا تو حُسنِ بیمثال تو دیکھ

بے لڑے دل پہ قبضہ کرتی ہیں
اپنی آنکھوں کا یہ کمال تو دیکھ

سیکڑوں مدح خواں ہیں **بیخود** کے
بیکمالی میں یہ کمال تو دیکھ

مری آنکھوں میں ایسی بسگئی تعمیرِ میخانہ / کہ مسجد میں نظر آنے لگی تصویرِ میخانہ

بغل میں دل ہے دلمیں خواہش تعمیرِ میخانہ / بڑے پردوں میں رہتی ہے ابھی تصویرِ میخانہ

مٹادے کیوں نہ دل کی کلفتیں تاثیرِ میخانہ / کہ بھٹی کی ہی خاکستر بھی تو اکسیرِ میخانہ

ہمارا نالۂ مستانہ ہے تفسیرِ میخانہ / کہ تو دل ہاتھ میں ہے جیب میں تصویرِ میخانہ

یہ میخواروں کی کمظرفی ہے یا تقصیرِ میخانہ / نہیں بکواس ان کی داخلِ تحقیرِ میخانہ

دکھانا روشنی مسجد سمجھکر شیخ آتا ہے / شبِ تاریک میں چمکی ہے کیا تقدیرِ میخانہ

مرید باادب دیکھے تو ہم نے رند ہی دیکھے / اگر مرشد ہے دنیا میں کوئی تو پیرِ میخانہ

ہوئی اتنی ہی شہرت جتنی واعظ نے مذمت کی / زمانہ کی نظر میں بڑھ گئی توقیرِ میخانہ

پھسل کر حوضِ مے پڑنا گہاں کیا چوٹ کھائی ہے / اسے کہتے ہیں دیکھ اے محتسب تعذیرِ میخانہ

نکالیگی نگاہِ نازِ ساقی خارِ حسرت کو / خلش دل کی مٹادیگی یہ نوکِ تیرِ میخانہ

بنی شیخِ حرم کیواسطے مسجد جو پہلو میں / خدا کی شان دگنی ہوگئی توقیرِ میخانہ

جو پھر وحشت کی لی دیوانگانِ دخترِ رز نے / بنیں گے طوقِ گردن حلقۂ زنجیرِ میخانہ

ترقی اور ہو کچھ زیب و زینت اور ہو جائے / لگا دی جائے جنت میں اگر تصویرِ میخانہ

کرے گا دل کو روشن دستِ رنگین مہرِ ساقی کا / ہر اک انگلی ہے جس کی شمع پر تنویرِ میخانہ

یہ چسکا اور یہ نظارہ دونوں جان لیوا ہیں / شکارِ مے جگر اپنا تو دل نخچیرِ میخانہ

ابھی گھر دل میں وہ مخمور آنکھیں کرتی جاتی ہیں / ابھی تکمیل کو پہنچی نہیں تعمیرِ میخانہ

بہار آئی وہاں کھینچی مے گلرنگ ساقی نے / یہاں گلشن میں کھچکر آگئی تاثیرِ میخانہ

وہ آیا ذکرِ مے لب پر وہ رونے میں پڑی کثرت / وہ چھیڑی حضرتِ واعظ نے پھر تقریرِ میخانہ

دکھاتی ہے کرامت شیخ جی کو بادہ خواروں کی / ہمیں اک چلتی پھرتی چاہیئے تصویرِ میخانہ

یہ سب جلوے انہیں کے ہیں یہی جھلو نمیں باقی ہیں / **فروغ** اب پیرِ میخانہ ہی **طالب** میرِ میخانہ

ابھی جام و سبو اُٹھوا دئے کیوں آپ نے **بیخود**
ابھی تو کھینچنی ہے اور اک تصویرِ میخانہ

دلِ روشن ہے اپنا جامِ پُر تنویرِ میخانہ / نظر آتی ہے اپنے عکس میں تصویرِ میخانہ

مقدر سے مرے وابستہ ہی تقدیرِ میخانہ / مری قسمت کے چکر سے بنی زنجیرِ میخانہ

یہی ہے شرحِ پیمانہ یہی تفسیرِ میخانہ / کہ نقطوں میں دکھا دوں کھینچکر تصویرِ میخانہ

کبھی ہم جانِ میخانے کی تھے اے پیرِ میخانہ / رہیگی جان بنکر ہم میں اب تصویرِ میخانہ

رخِ روشن سے ساقی نے کیا مدہوش لاکھوں کو / یہ کیسی برقِ عالم سوز تھی تنویرِ میخانہ

فرشتے آدمی کی شکل میں ہمنے یہیں دیکھے / غضب کی چیز ہے دنیا میں فیضِ پیرِ میخانہ

یہاں ایسا مریضِ دل شکستہ کون آئے گا / کہ خاکِ پائے ساقی بنگئی اکسیرِ میخانہ

رہائی محتسب نے پائی شاید قیدِ ہستی سے / کھلی دیکھی ہے ہم نے خواب میں زنجیرِ میخانہ

یہاں تک غور کی زاہد نے میخواروں کی حالت پر / نظر کے سامنے رہنے لگی تصویرِ میخانہ

برس جائیگی ہُن ساقی جو برسیں چار بوندیں بھی / گھٹا وہ گھر کر آئی کھل گئی تقدیرِ میخانہ

جگہ خالی ہے زاہد کے لئے بھی بزمِ رنداں میں / اگر تشریف لائیں تو بنادیں میرِ میخانہ

ہوا ہے میکشوں سے جب کبھی واعظ کا کچھ جھگڑا / چلی ہے بن کے موجِ بوئے مے شمشیرِ میخانہ

سبب کیا حضرت زاہد جو آنکھیں بند رکھتے ہیں / ادائے بیخودی تو خاص ہے جاگیرِ میخانہ

جہاں راہِ سلوک اک جام پیکر اُس نے طے کر لی / پہنچ جاتا ہے سیدھا خلد میں رہگیرِ میخانہ

مغاں دفتر میں لکھ دے نام پھر جنت ہی مٹھی میں / مقدر کا لکھا بن جائے گی تحریرِ میخانہ

نشانہ ہے قضا کا اس کا چلنا ناز و تمکیں سے / قدِ دلدوزِ ساقی بنگیا ہی تیرِ میخانہ

اسی حسرت میں مٹ جائیں تو کیا مٹ جائیگی حسرت
رہیگی خاک کو بھی حسرتِ تعمیرِ میخانہ

وہ عالم کا تماشا کیا اسی مُی کے کرشمے تھے
وہ کیا تھا ساغرِ جم میں یہی تصویرِ میخانہ

جلاتا ہے وہ دل یہ آگ یا ہمیں لگاتا ہی
یہی ظالم ہیں دو پیر فلک یا پیرِ میخانہ

بھلا یہ حوضِ کوثر اور **بیخود** کوئی نسبت بھی
کہاں پہنچی ہے لیکر خاکِ دامن گیرِ میخانہ

کوئی چل جاتا ہی جب تیر نظر تیر کے ساتھ
خود تڑپ جاتا ہی صیاد بھی نخچیر کے ساتھ

دل کا سودا نہیں کرنا مجھے تحقیر کے ساتھ
جان حاضر ہے اگر لیجئے توقیر کے ساتھ

بدمزاجی بھی بڑہی زلف گرہ گیر کے ساتھ
ضبطِ فریاد کی بھی قید ہی زنجیر کے ساتھ

میری صورت سے ہوئے عشق کے ظاہر آثار
کہچ گئی آہ بھی شاید مری تصویر کے ساتھ

زخم کو دیکھہ کے ڈرتے ہو جو مُنہ پھیر لیا
کچھہ اشارے بھی تو چلتے رہیں شمشیر کے ساتھ

چشمِ سفاک سے بچنا دلِ مشتاق ذرا
اک بلا اور بھی ہے زلفِ گرہ گیر کے ساتھ

کچھہ بناتے بھی ہیں کچھہ دل کے طلبگار بھی ہیں
شوخیٔ طبع بھی ہی شوخیٔ تقریر کے ساتھ

کبھی قسمت کی شکایت کبھی رونا دل کا
رات بھر رہتی ہیں باتیں تری تصویر کے ساتھ

جس میں کوشش ہو سوا کام بگڑتا ہی وہی
دشمنی ہی مری تقدیر کو تدبیر کے ساتھ

گالیاں دیتے ہو کیوں پھیر لو تم بوسۂ لب
ہمکو لینا نہیں منظور یہ تحقیر کے ساتھ

میں مسلمان ہوں اس کا بھی ذرا دھیان رہے
میری گردن پہ چھری پھیرئیے تکبیر کے ساتھ

تیغ بھاری نظر آتی ہے کمر ہے پتلی
آنہ رہنا کہیں تم جھوک میں شمشیر کے ساتھ

آنکھہ بھی مجھہ سے لڑی سخت زبانی بھی ہوئی
ایک برچھی بھی کلیجے میں لگی تیر کے ساتھ

آہِ مظلوم میں تاثیر نہ ہو کیا معنے
آسماں کو بھی ہی گردش مری تقدیر کے ساتھ

صبر کیجے ابھی بیخود نہیں پچھتائیے گا
عشق میں کام بنا کرتے ہیں تدبیر کے ساتھ

سینے سے دل نکل آیا تری پیکاں کے ساتھ
صاحب خانہ بھی رخصت ہوا مہمان کے ساتھ

ہی ترے وصل کا ارمان مری جان کے ساتھ
جان بھی تن سے نکل جائیگی ارمان کے ساتھ

منہ چھپائے ہوئے جاتا تھا کہیں رات کو میں
ہولیا وہ بت کافر مجھے پہچان کے۔ ساتھ

شوق سا شوق شب وصل بھرا ہے دل میں
دیکھیے ارمان نکلتے ہیں کس ارمان کے ساتھ

دم نکل جائے تو ہم قول سے پھرتے ہیں کہیں
کہدیا منہ سے جو کچھ ہمنے وہ ہے جان کے ساتھ

میں یہ ایمان سے کہتا ہوں کہ عاشق ہوں ترا
قبر میں جائیگا ایمان ہی انسان کے ساتھ

خواب میں آنے کے وعدے پہ وہ فرماتے ہیں
شرط یہ ہے کہ ہم آئیں گے نگہبان کے ساتھ

میں کہاں اور عذاب غم الفت کیسا
کیا کیا ہائے مرے دل نے مری جان کے ساتھ

ہونٹ ملتے ہوئے ماتھے پہ شکن ہاتھ میں تیغ
قتل کو میرے وہ آتے ہیں عجب شان کے ساتھ

چاک کرتے ہو مری ضد پہ گریبان رقیب
دل بھی پھٹ جائے تو ہے لطف گریبان کے ساتھ

مجھکو ڈر ہے کہیں بدنام نہ کردے دشمن
آپ پھرتے تو ہیں دن رات نگہبان کے ساتھ

کیوں الجھتے ہو ہر اک بات پہ بیخود اس سے
تم بھی ناداں بنے جاتے ہو ناداں کے ساتھ

ردیف یائے تحتانی

یونہیں ایک ایک کر کے وصل میں ارمان ہزار آئے
پھر انہیں یہ تو دیکھو ایک کو ٹالا تو چار آئے

جوانی کا وہ عالم جس پہ دل بے اختیار آئے — وہ صورت پیاری پیاری دیکھتی ہی جس کو پیار آئے

قیامت ہی جو ایسے پر دلِ امیدوار آئے — جسے وعدے سے نفرت ہو جسے ملنے سے عار آئے

مری بیتابیاں چھپا جائیں یارب انکی نگہوں پر — تڑپتا دیکھ لوں آنکھوں سے جب مجھکو قرار آئے

ہمارا فرض تھا سر کو تہِ شمشیر رکھہ دینا — قضا کو کیا کریں ہم بوجھہ گردن کا اُتار آئے

جفا و ظلم سے وہ ہوں پشیماں اُنکے دشمن ہوں — ترے وعدے کیے ہیں ہم کہاں اے نگاہِ شرمسار آئے

مرا دل مجھکو واپس دو تجے سب کچھہ ہی نے بھر پایا — قسم لے لیجئے مجھسے پھر اگر یہ جانہار آئے

نگاہوں میں اشارے ہوں اشاروں میں ہوا مطلب — ادھر تمکو حیا آئے ادھر کچھہ ہم کو پیار آئے

خدا جانے کہ کیا گذری خدا جانے کہ کیا بیتی — جناب شیخ کعبے سے نہایت شرمسار آئے

نگاہِ ناز خنجر تھی چھری تھی تیر تھی کیا تھی — نکل کر جب تری محفل سے آئے دلفگار آئے

قیامت کا تو وعدہ اُسکا یہ مضمون قیامت کا — یہ ممکن ہی نہیں کمبخت تجھکو اعتبار آئے

مٹا دوں اپنی ہستی خاک کر دوں اپنے آپے کو — مری باتوں سے گر دشمن کے بھی دلمیں غبار آئے

گذرلی جو قیامت دل پر اُسکا ذکر تو چھوڑو — تمہاری اب خوشی کیا ہی نہ آئے یا قرار آئے

کہیں کیا تم سے ہم اے اہلِ محشر ماجرا اپنا — مصیبت تھی کہ راحت جس طرح گذری گذار آئے

اجازت مانگتی ہی دخترِ رز محفل میں آنیکی — مزا ہو شیخ صاحب کہہ اُٹھیں بے اختیار آئے

وفا کے عہد و پیماں پر قسم مجھ سے نہ کہلواؤ — کہیں ایسا نہ ہو میری قسم کا اعتبار آئے

نہ مندر میں نشاں اُسکا نہ مسجد میں پتا اُسکا — یہاں بھی ڈھونڈ آئے ہم وہاں بھی ہم پکار آئے

خدا جانے کہ وہ بیخود سے اتنے بدگماں کیوں ہیں
کہ ہر جلسے میں فرماتے ہیں دیکھو ہوشیار آئے

بل بھی چتون پر ہنسی کے ساتھہ ہے — بانکپن کس سادگی کے ساتھہ ہے

نبض کو جنبش کمی کے ساتھ ہے | موت کا کھٹکا غشی کے ساتھ ہے

تم رُلا کر کیوں ہنساتے ہو مجھے | دل میں کاوش گُدگُدی کے ساتھ ہے

داغِ اُلفت سے بہلجاتا ہے جی | دل لگی دل کی لگی کے ساتھ ہے

اک زمانہ بنگیا اپنا رقیب | یاد اُس کی ہر کسی کے ساتھ ہے

کچھ لگاوٹ بھی ہے چشمِ قہر میں | کچھ رُکھائی بھی ہنسی کے ساتھ ہے

تیر و خنجر اُن کے تنہا نکلے کب | دل کسی کے دم کسی کے ساتھ ہے

کاٹتے ہیں تیز خنجر سے گلا | دوستی بھی دشمنی کے ساتھ ہے

زالِ دنیا بھی ہے عالم آشنا | اک لگاوٹ ہر کسی کے ساتھ ہے

کیوں پریشاں ہو پریشانی سے زلف | دل مرا بگڑی بنی کے ساتھ ہے

کہتے ہیں بلبل کو ہرجائی ہے یہ | عشق اس کو ہر کلی کے ساتھ ہے

نعش میری قبر میں تنہا نہیں | اک ہجوم بیکسی کے ساتھ ہے

مُسکرا کر پونچھ لیتے ہیں وہ اشک | میرا ماتم بس خوشی کے ساتھ ہے

ہم تری حوروں کو واعظ کیا کریں | عشق ہم کو اک پری کے ساتھ ہے

موت سے کوئی جگہ خالی نہیں | ہر جگہ یہ آدمی کے ساتھ ہے

آکے وعدہ پر بگڑ بیٹھے ہیں وہ | رنج وابستہ خوشی کے ساتھ ہے

صاف باطن جان لیتے ہیں جسے | فتنہ پردازی اُسی کے ساتھ ہے

مر گیا بیخود تو کیا اس کا ملال
موت تو آخر سبھی کے ساتھ ہے

حصر کعبہ پہ کیا ہے دیر سہی | حج کا موسم نہیں تو سیر سہی

جو نہ کرنی تھیں التجائیں کیں
اب بھی آزردہ ہیں تو خیر سہی

کس کی شامت جو تم کو جھٹلائے
بیر ہے مجھکو تم سے بیر سہی

دل ملاتا ہوں دل سے اُس بُت کے
ایک کعبہ تو ایک دیر سہی

ایسے نادان سے گلا کیسا
غیر سمجھا ہے مجھے وہ غیر سہی

ہم سے ظاہر میں تو ملا کیجے
غیر کی یاد دل میں خیر سہی

شبِ غم کس سے دل کو بہلاؤں
کوئی اپنا نہیں تو غیر سہی

ساتھ ہو لیجے میری میت کے
مفت کی یہ بھی ایک سیر سہی

چلیے بیخود کو لے کے مہرولی
سیر ہیں یہ بھی ایک سیر سہی

یہ کس پہ غصہ ہے بھر خدا کے لئے
بتاؤ کس نے خفا کر دیا خدا کے لئے

مچل گیا دلِ شیدا تو پھر قیامت ہی
نہ مسکرا کے کہیں دیکھنا خدا کے لئے

جو بولے اُن سے کوئی دوسرا تو لڑتے ہیں
اُٹھے مزاج یہ کس سے بھلا خدا کے لئے

گذر گئی جو مصیبت گذر گئی ظالم
نہ پوچھ مجھ سے مرا ماجرا خدا کے لئے

یہ ہر گھڑی کا بگڑنا یہ ہر گھڑی کا ملال
کہو تو کچھ تمہیں کیا ہو گیا خدا کے لئے

یہی ہے غصہ تو ہم التجا سے باز آئے
کریں نہ آپ ہمارا کہا خدا کے لئے

سُنائیے ہمیں قصہ ہماری اُلفت کا
نہ کہیے حال کسی اور کا خدا کے لئے

تمہیں کو مانگیں گے ہم تو خدا سے محشر میں
وہاں تو عذر نہ کرنا ذرا خدا کے لئے

کچھ اور کام نہیں ہم کو اُن سے اے قاصد
چلے وہ آئیں ذرا کی ذرا خدا کے لئے

وہ کہہ رہے ہیں قیامت میں اپنے بیخود سے
رہے خیال ہمارا ذرا خدا کے لئے

تھے خفا پہلے ہی میرے نام سے
چڑ گئے وہ اور بھی پیغام سے

صبح تک تڑپا کئے ہم شام سے
وہ وہاں سوتے رہے آرام سے

ہو شب فرقت بسر آرام سے
موت آجائے الٰہی شام سے

ہجر میں کچھ غم غلط ہوتا رہے
پھوڑیئے دل کے پھپھولے جام سے

ہو گئی مقبول اس کو کیا کروں
جو دعا مانگی بتوں کے نام سے

خیر سے گذرے کہیں وعدے کی شب
اُن کو غصہ آ رہا ہے شام سے

قبر میں بھی ہے خیالِ زلفِ یار
جان دیکر بھی نہ چھوٹے دام سے

رو دیئے میری مصیبت سُنکے وہ
دن پھرے ہیں گردش ایّام سے

آرزوئے وصل ایدل خیر ہے
باز آ تو اس خیالِ خام سے

ہم سکھاتے کام دل کو عشق کا
ڈر یہ ہے جاتا رہیگا کام سے

شعر کب ہوتا ہی بے تائید غیب
شاعری بھی کم نہیں الہام سے

یہ معمہ آج **بیخود** سے کُھلا
ہوش گم ہوتے ہیں میرے نام سے

آئینے سے جو کبھی اس کو حجاب آتا ہے
عکسِ رخ ڈال کے چہرہ پہ نقاب آتا ہی

صبر آتا ہے جدائی میں نہ خواب آتا ہے
رات آتی ہے الٰہی کہ عذاب آتا ہے

شوخیاں عہدِ جوانی کی قیامت ہونگی
حشر ڈھانے کیلئے ان کا شباب آتا ہے

اس کو نفرت کہوں شوخی کہوں یا شرم کہوں
میری تصویر سے بھی اُن کو حجاب آتا ہے

بیقراری دلِ بیتاب کی خالی تو نہیں
یا وہ خود آتے ہیں یا خط کا جواب آتا ہے

سچ تو یہ ہے کہ بُری شے ہے محبت اُسکی
جان کھونے کو دل خانہ خراب آتا ہے

چارہ گر عشق کی ایذا میں ہی راحت ہم کو
درد ہوتا ہے جو پہلو میں تو خواب آتا ہے

مجھ سے پوچھے جو کوئی کون ہی قاتل تو کہوں
وہ تبسم جو دم قہر و عتاب آتا ہے

چاہنے والے سے یکتائی کا دعوی کیسا
دل بیتاب کو شوخی کا جواب آتا ہے

منہ میں واعظ کے بھی بھر آتا ہی پانی اکثر
جب کبھی تذکرۂ جام و شراب آتا ہے

کس قیامت کی یہ آمد ہے خدا خیر کرے
فتنۂ محشر بھی ہمراہ رکاب آتا ہے

رند مشرب کوئی **بیخود** سا نہ ہوگا واللہ
پی کے مسجد ہی میں یہ خانہ خراب آتا ہے

میرے بلائے سے تو قضا بھی نہ آئیگی
ہر چند میں کھولا سے ابھی - نہ آئیگی

صیاد کے ہوں جال میں کیسی ہوائے گل
مجھ تک تو اب چمن کی ہوا بھی نہ آئیگی

خلوت میں اور مجھ سے ملاقات جھوٹ ہی
کھاؤ تو تم قسم کہ حیا بھی نہ آئیگی

جانے نہ پائے پھیر کے لاای فغاں اُسے
مشکل کے وقت کام ذرا بھی نہ آئیگی

بت بن کے آپ بیٹھ گئے بزم ناز میں
یہ تمکنت رہی تو ادا بھی نہ آئیگی

پوچھا تھا اب کب آؤ گے وہ کہہ کے چلدیئے
چل ہٹ پرے ہماری بلا بھی نہ آئیگی

کرتا ہوں جب میں آہ تو کہتا ہی دل مرا
کیا عرش کو یہ جا کے ہلا بھی نہ آئیگی

ہم اُن کے بھول پن سے بہت دلمیں شاد ہیں
آئی نہ جب وفا تو جفا بھی نہ آئیگی

وہ ہولیا وہیں کا جو اس تک پہنچ گیا
پھر کر تو اب وہاں سے صبا بھی نہ آئیگی

وہ مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ جنت ہی اپنا گھر
دشمن کو موت تم نے سنا بھی نہ آئیگی

چتون شریر شوخ نظر چلبلا مزاج
خالی تو شوخیوں سے حیا بھی نہ آئیگی

وہ شوخ بیوفا ہے تو کیا اے وفا ہمیں
لیجا کے اُس گلی میں مٹا بھی نہ آئیگی

یہ کہہ کے اور اُس نے جلایا جفا کے بعد	تاثیر تیری آہ میں جب ابھی نہ آئیگی

بیخود کی خامشی سے اُنہیں یہ یقین ہے
فریاد لب پہ روزِ جزا بھی نہ آئیگی

تیرہ بختوں میں کہاں بذ سرو ساماں ہمسے
خواب میں ہو گیا ہو کوئی پریشاں ہمسے
بوجھ سے دستِ تسلی کے دبے جاتے ہیں
جب یہ غصہ ہے تو پرسے کی شکایت کیسی
بیوفاؤں سے ہے آباد زمانہ سارا
چشم سفاک ہی لڑنے کے لئے ہے تیار
بس بس اے دست جنوں سب درازی کب تک
چرخ سا دشمنِ عشاق مقدر سا عدو
غیر کے عشق میں ایسا نہ ہو اڑ جائے ہنسی
یہ لگاوٹ کی ادائیں ہیں نزاکت کیسی
کبھی پہلو میں خلش ہی کبھی دل میں کاوش
عیش و راحت کے طلبگار بہت ہوتے ہیں
غیر کے منہ پہ خوشامد کی نہ لیجے اتنی
چاہنے والوں سے یہ شرم یہ پردہ یہ حیا
وصل میں ہمنے جو زلفوں کی بلائیں لی تھیں
پھرتے آنکھوں میں ہیں پھرتے ہیں مگر پوشیدہ

کھنچ کے ملتا ہے ترا سایۂ ایواں ہمسے
آج کچھ کہتے ہیں اُس شوخ کے ارماں ہمسے
ناتواں وہ ہیں کہ اُٹھتے نہیں احساں ہمسے
کھلنے دیگی نہ اُسے رنجشِ پنہاں ہمسے
اک فقط تو نے نباہی شبِ ہجراں ہمسے
پھر اُلجھتی ہے تری زلفِ پریشاں ہمسے
جلکے دامن میں چھپا چاکِ گریباں ہمسے
اور پھر عہد شکن آپ سا ناداں ہمسے
کام آجائیگا لے لیجئے ارماں ہمسے
ہمسے چلتا ہے ترا خنجرِ بُرّاں ہمسے
شوخیاں کرتے ہیں کیا کیا ترے پیکاں ہمسے
کم نکلتے ہیں غم و رنج کے خواہاں ہمسے
آپ نے شکوہ کیا آپنے ہاں ہاں ہمسے
دل میں پوشیدہ رہی آپکے ارماں ہمسے
مانگ لے اپنے لئے اے شبِ ہجراں ہمسے
رہتے دلمیں ہیں مگر رہتے ہیں پنہاں ہمسے

کر دیا عشقِ صنم نے ہمیں کافر بیخود
ورنہ کعبے میں بھی ملتے نہ مسلماں ہمسے

ایسی کیا گوں ہی جو دل پھر جفا دے کوئی
سیدھے منہ بات بھی کی ہو تو بتادے کوئی

خوبیاں ظلم میں کب تیغ بتادے کوئی
جان پر کھیلنے والے کو دعا دے کوئی

شورِ محشر نہ سہی فتنۂ رفتار سہی
میری سوتی ہوئی قسمت کو جگادے کوئی

تیر برسانے لگیں بوسۂ لب پر آنکھیں
ہمسے تقصیر کسی کی ہو سزا دے کوئی

صاف انکار میں۔ ہی حسنِ طلب کا پہلو
یعنی اب اور بھی کچھہ دل کے سوا دے کوئی

مرنے والوں کا وفا کہتے ہیں بھروسہ کیا ہے
کہیں ایسا نہ ہو کمبخت دغا دے کوئی

ساتھ ہی شکوۂ بیجا کے یہ ارشاد بھی ہے
میں نے کچھہ جھوٹ کہا ہو تو بتادے کوئی

پڑ گیا ہے بہت ایدل تجھے الفت کا مزا
لطف تو جب ہی مزا تجھکو چکھادے کوئی

شبہ ہوتا ہی کہ دل ہم نے کہیں کھویا ہے
یاد آجائے اگر کچھہ بھی پتا دے کوئی

لے تو چلتا ہوں تجھے پاس مغاں کے زاہد
اسکا ذمہ نہیں کرتا جو پلا دے کوئی

آج تک جس سے ملا رنج ملا داغ ملا
دیکھئے کل کی ملاقات میں کیا دے کوئی

غیر کے عشق کی شہرت کہیں مٹ سکتی ہے
یہ بھی کیا نقشِ قدم ہے کہ مٹا دے کوئی

آبداری تری شمشیر کی یہ کہتی ہے
پانی پی پی کے مرے دم کو دعا دے کوئی

دیکھئے مرتے ہیں ہم آپ بہت کہتے تھے
جان جاتی ہوئی آنکھوں ہی دکھادے کوئی

آنکھ کو جلوے کے آثار نظر آتے ہیں
یہی شوخی ہے تو پردے کو اٹھادے کوئی

میں جو کہتا ہوں مجھے قول وفا کا دیجے
کہتے ہیں وہ مری دیتی ہے بلا دے کوئی

پھر کسی شوخ کا دم بھرنے لگے ہیں بیخود
کہیں ایسا نہ ہو پھر دم پہ بنا دے کوئی

کیں منتیں جو ہم نے یہ اُن کا جواب ہے
عاشق کی ہر لباس میں مٹی خراب ہے
وہ شوخ سر سے تا بہ قدم لاجواب ہے
کی اُس نے ہم سے بات مگر کچھ ڈھکی ہوئی
یہ وہ نہیں کہ جس کو مصیبت مٹائیگی
بے پردہ سامنے ہو تو کھل جائے میرا حال
اچھا کیا جو آپ نے دل کو مٹا دیا
تقدیر میں کہاں جو کریں آرزوئے وصل
رہتی ہے ہر گھڑی تری تصویر سامنے
موسیٰ کو کوہِ طور پہ تھی آرزوئے دید
اے دل خیال خام ہے امیدِ صبحِ وصل
برچھی چبھی ہے سینے میں نیچی نگاہ کی
پیغامبر کو وعدہ کی شب یہ ملا جواب
یہ گھر بھی آپ کا ہے کسی غیر کا نہیں

کہتے ہو ہٹ پرے ابھی کیا اضطراب ہے
آئینہ دل کا صورتِ چشمِ پُر آب ہے
یادشنِ نخیر ہائے غضب کا شباب ہے
پردے میں بھی اُسے ابھی اتنا حجاب ہے
کیا داغ آرزو بھی ہمارا شباب ہے
اُلفت کی پردہ پوش تمہاری نقاب ہے
مٹنے کا اُس کے غم کسے اپنی حساب ہے
بیوجہ بے سبب تمہیں یہ اجتناب ہے
میرا خیال بھی تو زلیخا کا خواب ہے
سمجھے نہ تھے کہ برقِ تجلی نقاب ہے
رخصت شبِ فراق سے پہلے شباب ہے
آنکھوں سے بھی تو شوخ تمہارا حجاب ہے
کہہ دینا اُن سے آج طبیعت خراب ہے
دم لیجے بیٹھئے ابھی کیا اضطراب ہے

بیٹھا ہے سر جھکائے ہوئے اُن کی بزم میں
کس دُھن میں آج **بیخودِ** خانہ خراب ہے

ہر گز نہ تھی اُمید یہ تقدیر سے مجھے
سچ ہے وفا شعار کہاں ہوتے ہیں حسیں
بھیجا ہے عطر فتنے میں کاغذ بسا ہوا

یوں چھین لے گی موت ترے تیر سے مجھے
تم مل گئے ہو اک مری تقدیر سے مجھے
آتی ہے بو وفا کی تحریر سے مجھے

Supplied by Mirza Law H…

کی تم نے دوست بن کے مری ساتھ دشمنی
اب کچھ گلا نہیں فلکِ پیر سے مجھے

عاشق نہ تھا میں تو زلفِ گرہ گیر کا تری
کرنا تھا قتل باندھ کے زنجیر سے مجھے

دل میں کھٹک رہی ہے رقابت رقیب کی
یہ پھانس کم نہیں ہے ترے تیر سے مجھے

اے چارہ گر یہ درد تو جائیگا دم کے ساتھ
آرام ہو چکا تری تدبیر سے مجھے

کیوں آشکار حشر میں ہوا اپنا رازِ دل
لینی ہے خامشی تری تصویر سے مجھے

تم کو خبر ہے دل ہے مرا کس کی قید میں
ہے اُلفت کس کی زلف گرہ گیر سے مجھے

اس سے بہل رہا ہے دلِ دردمند کچھ
نالہ بھی کم نہیں ہے مزامیر سے مجھے

مانگا جوابِ عرضِ تمنا تو یہ کہا
ہوتا ہے دردِ سر تری تقریر سے مجھے

پہلو میں دل ہو دل میں کسی کا خیال ہو
درکار اور کچھ نہیں تقدیر سے مجھے

کچھ اور آفتیں ابھی آنی ہیں ہجر میں
ثابت ہوا یہ موت کی تاخیر سے مجھے

مجھ سے کے ڈر سے اُس نے مرے ہونٹ سی دئے
پہلے سزا ملی مری تقصیر سے مجھے

تدبیرِ وصلِ یار تو بیخود عبث ہوئی
آیندہ کچھ امید ہے تقدیر سے مجھے

غزل نعتیہ

جب نظر خواب میں وہ چہرۂ انور آئے
میری آنکھوں میں ادب سے دلِ مضطر آئے

آنکھ کہتی ہے نظر روضۂ انور آئے
دل کی خواہش ہے کہ وہ سینے کے اندر آئے

میں تو کیا ایک خدائی ہے تمہاری عاشق
اُس کی قسمت ہے جسے دیدار میسر آئے

آپ کی زلف کہاں اور شبِ قدر کہاں
منہ تو چشمۂ خورشید میں دہو کر آئے

مرحبا طالعِ بیدار خوشا بختِ سعید
دہوم ہے حشر میں وہ شافعِ محشر آئے

یاد تازہ رہے ہر وقت نبی کی یا رب
دردِ فرقت میں مجھے چین نہ دم بھر آئے

کبھی اچھے نہ ہوں بیمارِ غمِ عشقِ رسولؐ
گر کہیں حضرتِ عیسےٰ بھی نہ باور آئے

دل میں بس جائے اگر گیسوئے احمدؐ کا خیال
سانس بھی آئے تو خوشبوئے معطر آئے

عشقِ احمدؐ میں ہی ہر عضو کو ہر عضو سے رشک
دل تڑپ جائے اگر نام زباں پر آئے

پاؤں توڑے ہیں رہِ عشقِ نبی میں برسوں
موت آئی نہ کبھی خضر تو اکثر آئے

راہ میں نکہتِ گیسو نہ اُڑا لائے کوئی
اُن کے روضہ سے صبا آنکھ بچا کر آئے

ق

پیشوائی کے لئے جمع تھے انصارِ نبیؐ
جب مدینے کی طرف شافعِ محشر آئے

اُٹھ کے دی گردِ سواری نے خبر آمد کی
شور تھا اہلِ زیارت ہیں مقرر آئے

گرم رَو ہوں قدِ بے سایہ کا عاشق ہوں میں
سایہ جل جائے اگر مہر برابر آئے

بزمِ میلاد ہے یا بزمِ سخن ہے بیخود
ہر طرف دہوم ہے مدّاحِ پیمبر آئے

یہ چپکے چپکے اپنے آپ ہی گفتار کیسی ہے
یہ اپنے عکس سے آئینے میں تکرار کیسی ہے

مرا دل چھین لینے کے لئے تیار کیسی ہے
نگاہِ یار بد مستی میں بھی ہشیار کیسی ہے

کرم میں بدگمانی آپ کو سرکار کیسی ہے
دلِ بیمار کی پرسش یہ سو سو بار کیسی ہے

فریب و مکر ہے یا اُن کی دشمن مجھ پہ مرتے ہیں
الٰہی خیر یہ حسرت بھری گفتار کیسی ہے

بہت سی قسم کے دل ہیں بہت سی دل کی قسمیں ہیں
ہمیں معلوم کیا تم کو یہ شے درکار کیسی ہے

سوالِ وصل پر نیچی نظر اقرار ہے گویا
حیا ان فتنہ گر آنکھوں کی ظاہر دار کیسی ہے

قیامت کو بھی ہم نے تو یہی کہتے سنا اکثر
خدا جانے تری اے فتنہ گر رفتار کیسی ہے

غضب کا حسن آفت کی ادا باتیں قیامت کی
خدا جانے تری ای فتنہ گر رفتار کیسی ہے

نہیں اک بات ہے لیکن نہیں اک بات ہے اسمیں
تجھے ہر بات پر آساں مجھے دشوار کیسی ہے

غنیمت ہے کہ وہ ذکرِ وفا پر یہ تو کہہ اٹھے
اسے ہم سیکھ تو لیتے مگر دشوار کیسی ہے

ہماری طرح کیا تو بھی ہے عاشق اُس پری رو کا
تجھے یہ بیقراری سایۂ دیوار کیسی ہے

قیامت کیا بتائیگی نظر اپنی کہاں اُس کی
میرے دل سے کوئی پوچھے تری رفتار کیسی ہے

تغافل کا گلا ہے حضرتِ دل یہ نہیں کہتے
نگاہِ یار مستِ بادۂ پندار کیسی ہے

کہا موسیٰ سے ہنس کر طور پر برقِ تجلی نے
ابھی سے بیخودی یہ طالبِ دیدار کیسی ہے

جب آنکھیں چار ہوتی ہیں بدل جاتا ہے رنگ اُسکا
تری تصویر میری شکل سے بیزار کیسی ہے

اُنہیں دشمن کا ڈر تمہارا رات بھر کہتے رہے مجھ سے
یہ آہٹ دیکھنا اُٹھکر پسِ دیوار کیسی ہے

لہو رویا ہے بیخود یا اُڑایا ہے کوئی ساغر
یہ سرخی تیری آنکھوں میں جگر افگار کیسی ہے

وصال و ہجر کیسا دل تپاں یوں بھی ہے اور یوں بھی
محبت میں مگر نقصانِ جاں یوں بھی ہے اور یوں بھی

جفا بھی ہو وفا بھی امتحاں یوں بھی ہے اور یوں بھی
ہر اک جانب سے کچھ وہم و گماں یوں بھی ہے اور یوں بھی

لگی کیوں اپنا بس چلتے کروں فریاد و زاری میں
کہ آخر تو مخالف آسماں یوں بھی ہے اور یوں بھی

کرم ہو لطف ہو غصہ ہو چاہے یا ترحیں کچھ ہو
مگر انداز اُس کا دلستاں یوں بھی ہے اور یوں بھی

کبھی کہتا ہے آتے ہیں کبھی یہ ہے بلاتے ہیں
تماشا ہے کہ قاصد کا بیاں یوں بھی ہے اور یوں بھی

اِدھر نالے کی شوخی ہے اُدھر لیلیٰ کی بیتابی
پریشاں مضطرب کچھ ساربان یوں بھی ہے اور یوں بھی

محبت کا سناؤں یا عداوت کا بیاں تم کو
سنوگے کسطرح یہ داستاں یوں بھی ہے اور یوں بھی

نظر سیدھی ہوئی تو اسکی مژگاں نے چڑھائی کی
فغاں ہو آہ ہو یا ضبطِ غم ضبطِ محبت ہو
نہ وعدے سے اسے تسکین نہ اس کو کارگر تلقیں

یہ سینہ تو وہ تیر و سناں یوں بھی ہے اور یوں بھی
خفا مجھ سے مگر وہ بدگماں یوں بھی ہے اور یوں بھی
یہ دل کمبخت سرگرمِ فغاں یوں بھی ہے اور یوں بھی

ستم کی طرح بیخود لطف سے بھی ان کے ڈرتا ہوں
مرے لب پر تو شورِ الاماں یوں بھی ہے اور یوں بھی

نگاہِ ناز میں شوخی ہوئی ایزاد یہ کیسی
کرم میں ظلم کیسا لطف میں بیداد یہ کیسی
وہ آئے عید آئی اب یہ کیوں فریاد و زاری ہے
قلق ہے سر کے کٹنے کا نہ غم ہے اپنے مرنے کا
ستم کی ایسی کیا جلدی ہے ٹھہرو دل تو آنے دو
اجل آئی ہماری یا وہ کافر راہ پر آیا
خوشامد اُن کی کی تھی کچھ شکایت کی نہ تھی ہمنے
جفائے تازہ وہ پہلے مجھی پر آزماتے ہیں
وہ ہم کو ہوئے بیٹھے ہیں ہم اُن کا کلمہ پڑھتے ہیں
خوشی ہے وصل کی ہم کو نہیں غم ہجرِ دشمن کا
قیامت کی لگاوٹ شرط اس ڈھل کے وعدے پر

شرارت پردے پردے میں ستم ایجاد یہ کیسی
نرالی رسمِ اُلفت اے ستم ایجاد یہ کیسی
خوشی میں بدشگونی اے دلِ ناشاد یہ کیسی
وفا کو ہم تو روتے ہیں ہوئی برباد یہ کیسی
ابھی دو چار دن دیکھو ابھی بیداد یہ کیسی
ہمیں دشمن نے دی آکر مبارکباد یہ کیسی
وہ باتوں میں بگڑ بیٹھے پڑی افتاد یہ کیسی
مجھی سے پوچھتے ہیں پھر ہوئی ایجاد یہ کیسی
الٰہی سہو یہ کیسا خدا یا یاد یہ کیسی
ادھر شادی اُدھر ماتم پڑی اُفتاد یہ کیسی
ذرا سی قید میں یا رب بڑی میعاد یہ کیسی

گرہ میں جب نہ تھا کچھ پھر دیا دل اُس کو کیوں بیخود
سخاوت مفلسی میں خانماں برباد یہ کیسی

نہ کھلنے دی زباں اُس بدگماں کی

رکھی کچھ دل میں کچھ حسرت بیاں کی

بتاؤں مصلحت تم کو فغاں کی
ہوئی تاثیر یہ اُلٹی فغاں کی

مرا دل دیکھکر شوخی سے بولے
دبی رہتی ہے کہنی آسماں کی

ستم ٹوٹا جو کچھہ مطلب کی کہدی
اُڑی ہے نیند اُن کے پاسباں کی

تمہارے کان تک پہنچے نہ پہنچے
اُٹھا لائے ہو یہ آفت کہاں کی

گرانبارِ مصائب ہوں کچھہ ایسا
غضب آیا اگر حسرت بیاں کی

وہ غصے میں تری ترچھی نگاہیں
بھلا فریاد کیا مجھ ناتواں کی

شریکِ جور پھر کس کو کرو تم
جُھکی پڑتی ہے ٹہنی آشیاں کی

کہا تھا ہم نے آو لیں بلائیں
وہ لڑنیں ادائیں بانکی باں کی

بنائے لاکھ باتیں نامہ بر تو
اگر ہو جائے بدلی آسماں کی

کئی دن سے کہاں تھے آپ ناصح
جھجک کر پوچھتے ہیں وہ کہاں کی

الٰہی ہاتھ ٹوٹیں باغباں کے
کہیں چھنتی ہے بات اُسکی زباں کی

قیامت ہے بیانِ دردِ فرقت
کوئی تازہ خبر کہئے وہاں کی

عدو کا حال کچھہ پوچھا تھا اُس نے
اُجاڑی کیسی بستی آشیاں کی

چمن ہی کو لگا دی آگ ہم نے
بگڑ جاتی ہے حالت رازداں کی

بیاں اک گھر کے ہم نے داستاں کی
تباہی کون دیکھے آشیاں کی

ہوئے مدہوش اک ساغر میں **بیخود**
کرامت دیکھنا پیرِ مغاں کی

گذارش منہ ہی منہ میں کیا مگر دُہرائی جاتی ہے
عجب انداز سے تربت مری ٹھکرائی جاتی ہے

کہ وہ نیچی نظر کچھہ خود بخود شرمائی جاتی ہے
نظر میں قہر لب پر مسکراہٹ پائی جاتی ہے

عدو گر جھوٹ بھی بولے تو آجائے یقیں اُن کو
ہماری بات سچی بھی ہو تو جھٹلائی جاتی ہے

اکیلا تم کو رخصت کس طرح کر دوں ذرا ٹھہرو
تمہارے ساتھ جانے کو قیامت آئی جاتی ہے

فلک کا بے سبب آزار دینا میں نہ مانوں گا
مجھے تو اس میں کچھ اُن کی شرارت پائی جاتی ہے

مری صورت سے کیوں ملنے لگی ہے آپ کی صورت
یہ زردی صبح کو چہرہ پہ کیسی چھائی جاتی ہے

محبت بھی اُسے ہم سے ہے نفرت بھی اُسے ہم سے
کبھی یہ پائی جاتی ہے کبھی وہ پائی جاتی ہے

خدا کی شان ہے ایسے بھی اُلفت دوست ہوتے ہیں
قسم دشمن سے جھوٹی میرے سر کی کھائی جاتی ہے

بیاں کی ہے اگر کچھ آرزو دل کی تو وہ تجھ سے
کوئی پوچھے تری تصویر کیوں شرمائی جاتی ہے

بڑی بھاری خیانت ہے محبت ہو جو کم اُس کی
یہ شئی دل میں امانت کی طرح رکھوائی جاتی ہے

صفائی کا مزا شمشیر کی یہ ہے کہ چل نکلے
یہ قسمت تو نہیں دشمن کی جو چمکائی جاتی ہے

مجھے بیرحم کہتے ہو خیال اتنا نہیں تم کو
یہ کس پہ ڈھلتی جاتی ہے یہ کس پر چھائی جاتی ہے

خرام ناز میں یہ فتنہ زائی واہ کیا کہنا
قیامت سی قیامت ہے زمیں چکرائی جاتی ہے

عیادت کے لئے وہ بےخبر آتا نہ ہو یارب
کہ جانِ ناتواں سینے میں کچھ گھبرائی جاتی ہے

وہ فرماتے ہیں لیکر ہاتھ میں تصویر بیخود کی
یہ اپنی شکل تو دیکھے یہ کیوں اترائی جاتی ہے

مرے نصیب میں گردش ہے ہر زماں کیسی
یہ چال تو نے نکالی ہے آسماں کیسی

دلوں میں لینے لگے ہیں یہ چٹکیاں کیسی
بتوں نے پائی ہے چلتی ہوئی زباں کیسی

جھکی ہوئی ہے جو گردن تو آنکھ بھی نہ اُٹھے
حیا کے ساتھ نظر میں یہ شوخیاں کیسی

کوئی ہزار طرح سے ہزار سمجھائے
لگی ہیں راحت و تسکیں مگر یہاں کیسی

وہ چھوتے ہیں کہیں دل سے لب پہ جب آئی
مجھی سے ہوتی ہیں میری برائیاں کیسی

کسی کا عشق کہاں اور ہم کہاں ناصح ،،
تجھے بھی سوجھتی رہتی ہے بدگماں کیسی

سمجھ رہا ہوں کہ میرے لئے ہی تو بیتاب
غضب ہیں چلتی ہوئیں تیری شوخیاں کیسی

مجال کیا ہے جو تیور پہ میل آنے دے
تری نگاہ ہی میری مزاجداں کیسی

وفا کے ہونے کا انکار تو نہیں ہم کو
یہ شئی زمانے میں ہوگی مگر وہاں کیسی

سرِ نیاز کو فرصت نہیں ہے سجدوں سے
جبیں ہوئی ہے مری وقفِ آستاں کیسی

دئے نگاہ نے دھوکے وفا کے لاکھوں کو
نظر فریب کو یہ گھات ہی رواں کیسی

وفا سے کاش کسی کو ہم اپنا کر لیتے
ہوئی ہی عمر محبت میں رائیگاں کیسی

مجال کیا جو کسی اور کا تصور ہو ،،
ہمارے دل پہ یہ نظریں ہیں بدگماں کیسی

خیال بھی نہیں ہوتا ہے بدگمانی کا
وہ ڈھونڈ لیتے ہیں ایک وجہ امتحاں کیسی

حیا ہے جس نے کبھی آئینہ نہ دیکھا ہو
اُسے خبر ہے کہ ہوتی ہیں شوخیاں کیسی

غضب کے شوخ طبیعت ہیں حضرت بیخود
کسی کو چھیڑ کے کھائی ہیں گالیاں کیسی

یوں غیر کی اُلفت کا ہی چرچا مرے آگے
لکھا تری تقدیر کا آیا مرے آگے

سو جان سے قربان ہوں تو بھی تو ہی تھوڑا
بیٹھا ہے مرا رشکِ مسیحا مرے آگے

یہ ناز یہ انداز کہاں غیر نے دیکھے
کچھ اور ہے شوخی کا تقاضا مرے آگے

آفت مرے دم پر ہے لڑائی ہی عدو سے
ہر روز نیا ہنگامہ ہے دعوا مرے آگے

کیا رشک ہی آتا ہے حسینوں کا جو کچھ ذکر
لیتے نہیں وہ نام کسی کا مرے آگے

موسیٰ نے نہ دیکھا تھا جو میں دیکھ رہا ہوں
کیونکر نہ ہو آئینے کو سکتا مرے آگے

نیرنگ دکھاتی ہے یہ دُنیا مجھے کیا کیا
ہوتا ہے زمانے کا تماشا مرے آگے

ظاہر کی ڈِھٹائی کو ڈِھٹائی نہیں کہتے
اللہ رے تغافل کہ وہ سُن سُنکے مرا حال

کس شوق سے کہتے ہیں تجھے قتل کرینگے
پھر بھول گئے رسم وفا رسمِ محبت

تصویر تری بات بھی کرتی نہیں مجھ سے
ناصح بھی مجھے عقل سے خالی نظر آیا

دم بھرنے لگا سینے میں دل اور کسی کا
کہتا ہے تصور بھی یہ اُس زلف سیہ کا

ایسا ہی تو ناداں ہے جو بات نہ سمجھے
دیکھے ہوئے ہے چاہنے والوں کی نگاہیں

وہ دل میں لئے جاتے ہیں کیا مری آگے
فرماتے ہیں یہ ذکر ہے کس کا مرے آگے

ہوتی ہے بیاں اپنی تمنّا مرے آگے
پھر تم نے کیا غیر کا شکوا مرے آگے

یہ کھینچتی ہے اپنے کو کتنا مرے آگے
ہے ذکرِ محبت ہو شربا کا مرے آگے

آیا یہ بڑا بول تمہارا مرے آگے
کچھ مال نہیں ہے شب یلدا مرے آگے

بن جاتا ہے وہ جان کے بھولا مرے آگے
دشمن نہ کبھی دون کی لے گا مرے آگے

اتنی تو خبر ہے مجھے ساقی نے سرِ بزم
کچھ کان میں **بیخود** کے کہا تھا مرے آگے

اک مصیبت ہے عاشقی کیا ہے
اور ساقی پلا ابھی کیا ہے

کم سنی ہیں یہ قہر کی باتیں
رنج و اندوہ و حسرت و حرماں

عشق کو عمرِ خضر دینی تھی
کوئی کرتا ہے جب مری تعریف

وہ دمِ نزع مجھ سے کہتے ہیں

مرنے والوں کی زندگی کیا ہے
تیری سرکار میں کمی کیا ہے

حشر ڈہاؤ گے تم ابھی کیا ہے
دل سلامت رہی کمی کیا ہے

چار دن کی یہ زندگی کیا ہے
سُن کے کہتے ہیں وہ اجی کیا ہے

ہوش میں آ یہ دل لگی کیا ہے

یہ بھی ہم کو خبر نہیں اب تک
رنگ لائیگی غیر کی اُلفت
اب فقط اس لئے ہے یہ تکرار
بولنی آگئی جسے اُردو

عیش کیا چیز ہے خوشی کیا ہے
دیکھیے گا اسے ابھی کیا ہے
کوئی پوچھے تری خوشی کیا ہے
سامنے اُس کے فارسی کیا ہے

ہم بھی **بیخود** سے آج مل آئے
اک فرشتہ ہے آدمی کیا ہے

صفت ہو کب رقم تیری معین الدین اجمیری
حقیقت کیا بھلا میری مُعین الدین اجمیری
مراسر ہو گلی تیری معین الدین اجمیری
ترا در ہو جبیں میری مُعین الدین اجمیری
مری تقدیر برگشتہ مری تدبیر لاحاصل
پھر اُس پر آرزو تیری معین الدین اجمیری
تری توصیف میں قاصر تری تعریف میں عاجز
قلم میرا زباں میری معین الدین اجمیری
ٹھکانا دین و دنیا میں نہیں میرا کہیں ہرگز
نگہ تو نے اگر پھیری معین الدین اجمیری
ثنائے حق ثنا تیری رضائے حق رضا تیری
ولائے حق ولا تیری معین الدین اجمیری
مئے اُلفت کی ایسی چاٹ تو نے ڈالدی مجھکو
کہ اب ہوتی نہیں سیری معین الدین اجمیری
تری الفت سے سینے میں نہ دل خالی نہ میں خالی
یہ گویا جان ہو میری معین الدین اجمیری
یہاں بھی تو وہاں بھی تو ادھر تو ہی اُدھر تو ہی
فلک تیرا زمیں تیری معین الدین اجمیری
خدا کے فضل سے ساری مرادیں اُسکی بر آئیں
یہ چوکھٹ جس نے آگھیری معین الدین اجمیری
تصدق مہر و مہ روضہ پہ صبح و شام ہوتے ہیں
فلک پھرتا ہی چاک پھیری معین الدین اجمیری
فلک نے کجروی کی ہو زمیں نے پیروی کی ہو
زمانے نے نظر پھیری معین الدین اجمیری
رہا اب دل میں کیا باقی نہ دم باقی نہ غم باقی
فقط اک یاد ہے تیری معین الدین اجمیری

جو تیرا جلوۂ دلکش قیامت تک کوئی دیکھے
نہ ہو دیدار سے سیری معین الدین اجمیری

جہاں میں ہوں وہاں تو ہو جہاں تو ہو وہاں میں ہوں
کہوں اپنی سنوں تیری معین الدین اجمیری

جو مسکن ہے مرا دائی تو مدفن ہو درِ اقدس
لقب ہو میرا اجمیری معین الدین اجمیری

ترا بیخودؔ ترا شیدا ترا عاشق ترا خادم
تجھی کو شرم ہے میری معین الدین اجمیری

جڑی ہی کچھ اُدھر ایسی کسی نے
کہ پھیری ہے نظر ایسی کسی نے

بہت کچھ دیکھنے والوں نے دیکھا
نہیں دیکھی کمر ایسی کسی نے

ستمگر یوں تو ہو گذرے ہیں لاکھوں
جفا کی تھی مگر ایسی کسی نے

قیامت آگئی جاتے ہی اُن کے
نہ دیکھی تھی سحر ایسی کسی نے

شبِ عشرت کا ماتم کر رہا ہوں
نکالی ہے کسر ایسی کسی نے

ہر اک کے دل کی اُن سے پوچھ لیجے
کہاں پائی نظر ایسی کسی نے

بہت گھبرائے ناصح مجھ سے مل کر
نہ لی ہوگی خبر ایسی کسی نے

سُنا دیجے سزائے جرمِ اُلفت
خطا کی پھر اگر ایسی کسی نے

شکایت کر کے خود نادم ہوا ہوں
گھڑی ہے سوچکر ایسی کسی نے

وفاداری میں کامل ہیں تو ہم ہیں
نباہی عمر بھر ایسی کسی نے

حواس و ہوش کھو بیٹھے ہیں بیخودؔ
سنا دی ہے خبر ایسی کسی نے

دیکھ کر دل مرا لئے ہی بنی
اُن کو بھی آرزو کئے ہی بنی

نا گوار عہدِ وفا کئے ہی بنی
وصل کی شب زباں دئے ہی بنی

خوف تھا اُن کی بدگمانی کا
حشر کے روز لب سیئے ہی بنی

عشق میں پاسِ وضع نبھ نہ سکا
جو کہی اُس نے وہ کئے ہی بنی

اُس نے زندہ کیا مجھے آکر
چار و ناچار پھر جیئے ہی بنی

دل کے لینے پہ جب وہ اڑ بیٹھے
دل تو دل جان بھی دیئے ہی بنی

اُس نے شکوے کا جب کیا شکوہ
شرم سے سر فرو کئے ہی بنی

ہجر میں اُس کے مے نہ تھی ساقی
زہر کے گھونٹ تھے پیئے ہی بنی

اپنی شوخی سے وہ بھی ہیں مجبور
چٹکیاں دل میں پھر لئے ہی بنی

دعوئے اتقا تھا **بیخود** کو
ہاتھ سے اُس کے مے پیئے ہی بنی

کروں تعریف کیا اک آدمی کی
لطافت حور کی شوخی پری کی

کہوں میں کس سے اپنی بیکسی کی
کہ مجھ سے دوست نے بھی دشمنی کی

دعائیں مانگتے گذری ہے اُن کو
شبِ غم جان بچ جائے کسی کی

الٰہی گل پہ کیا گذری چمن میں
کہ بگڑی شکل پھر اس نے کلی کی

لیا تھا دل تو اُس نے دوست بنکر
مری قسمت نے مجھ سے دشمنی کی

وہاں جا کر پھنسا ہی دل ہمارا
جہاں چلتی نہیں پیری کسی کی

جفا کب تک کروگے انسے پوچھوں
مگر وہ کب کہیں گے اپنے جی کی

چھڑایا آسماں نے مجھ سے تم کو
نکالی ہے کسر اس نے کبھی کی

ہوا ہے جلوہ فرما باغ میں کون
نظر آتی ہے رنگت گل کی پھیکی

ازل میں یہ ہوئی ہم سے بڑی چوک
بدل لینی تھی قسمت مدعی کی

ستمگر ہم کبھی تجھ پر نہ مرتے
اگر امید ہوتی زندگی کی

ادھر آؤ مرے پہلو میں بیٹھو
سناؤں اک خبر تم کو خوشی کی

چلی جاتی ہے آئینے کی حیرت
ابھی بھولا نہیں صورت کسی کی

فلک ہے یا کوئی آفت کا پتلا
یہ ساری فتنہ سازی ہے اسی کی

کہوں کیا حال اپنا تم سے **بیخود**
جدائی شاق ہے **ساجد علی** کی

موت آنے کے لئے تیار ہو کر رہ گئی
وہ نظر آمادۂ پیکار ہو کر رہ گئی

آنکھ اپنی آج کچھ خونبار ہو کر رہ گئی
اس کے کوچے کی زمیں گلزار ہو کر رہ گئی

بات کرنے کی تمنا ہی رہی اُن سے ہمیں
لب جہاں کھولے زباں بیکار ہو کر رہ گئی

ہائے وہ نیچی نظر سے مسکرا کر دیکھنا
ایک برچھی تھی کہ دل کے پار ہو کر رہ گئی

اُس کے کوچے میں قیامت نے اٹھایا سر جہاں
پائمالِ شوخیٔ رفتار ہو کر رہ گئی

آہِ سوزاں سے توقع تھی کہ پہونچیگی فلک
یہ قلم افسوس آتشبار ہو کر رہ گئی

کچھ طرح رندوں نے دی کچھ محتسب بھی دب گیا
چھیڑ آپس میں سرِ بازار ہو کر رہ گئی

غیر کے گھر تک شبِ دیجور کی جائے بلا
یہ تو میرے ہی گلے کا ہار ہو کر رہ گئی

ہاتھ دامن تک نہ پہنچا تھا کہ وہ چھپٹ ہوئے
خواب میں قسمت مری بیدار ہو کر رہ گئی

وصل کی دیکر زباں دل میں بگڑ بیٹھا وہ شوخ
دار وئے دردِ دلِ بیمار ہو کر رہ گئی

غیر نے جادو کیا اُس کی نگاہِ قہر پر
برق بنکر رُک گئی تلوار ہو کر رہ گئی

جب کسی ظالم کا **بیخود** ذکر سن پایا کبھی
دل میں پیدا خواہشِ آزار ہو کر رہ گئی

ضبطِ غم بھی ہے شریکِ آلام کے
آہ کرتا ہوں کلیجہ تھام کے

ولولے روکے دلِ خودکام کے
ہم نے اس شیشہ کو رکھا خام کے

نزع میں خصت ہوا آزارِ عشق
دن اب آئے ہیں مرے آرام کے

میکشو جانے کو ہے فصلِ بہار
چار دن ہیں دور دورے جام کے

ہم کو اسکی بھی نہیں اُن سے اُمید
صبح آجائیں جو ہوئے شام کے

اِس میں تیری یاد اُس میں تیرا درد
دل جگر دونوں ہیں اپنے کام کے

ے نہ آتے حضرتِ ناصح اُسے
آدمی ہوتے اگر کچھ کام کے

درد کو کیوں کر نہ دوں دل میں جگہ
حرف ہیں اس میں تمہارے نام کے

عشقِ صادق سے غرض کیا ہے انہیں
چاہنے والے ہیں دشمن نام کے

کس کو پھانسا چاہتے ہیں آج وہ
مشورے ہیں غیر سے پیغام کے

نا اُمیدی نے مٹا دی آرزو
کام یوں نکلے دلِ ناکام کے

نام سُن کر اُس نے **بیخود** کا کہا
جائے قربان ایسے نام کے

ے تو جا دلِ ناشاد رہے یا نہ رہے
یوں مرا نام تمہیں یاد رہے یا نہ رہے

عشق میں پھر کوئی برباد رہے یا نہ رہے
جب نہ ہوں ہم تو یہ اُفتاد رہے یا نہ رہے

آج ہی وعدہ فردا بھی وفا ہو جائے
کل خدا جانے تمہیں یاد رہے یا نہ رہے

اُلفتِ غیر کا انجام پشیمانی ہے ،،
کہیئے لکھدوں اسے میں یاد رہے یا نہ رہے

جس کی آنکھوں میں تری چال کے فتنے ہوں بسے
منصفی شرط ہے برباد رہے یا نہ رہے

اس سے کیا کام تمہیں تم تو ستائے جاؤ
طاقتِ نالہ و فریاد رہے یا نہ رہے

دن جدائی کے کسی طرح گزارے ہم نے
کیوں ستائیں تمہیں ناشاد رہے یا نہ رہے

دل مچلتا ہے مرا لطف ہیں ہنسنے کیلئے
کہئیے کیا ہوتا ہے ارشاد رہے یا نہ رہے

کر چکے تم تو غلامی سے بس آزاد اسے
تم کو کیا باغ میں شمشاد رہے یا نہ رہے

اور کر لو ستم انصاف ہو جب تک اپنا
طبع پھر مائل بیداد رہے یا نہ رہے

شاد اتنا نہ ہوا سے چرخ مٹا کر مجھ کو
تو بھی باقی ستم ایجاد رہے یا نہ رہے

اِس سے اچھے تمہیں مل جائیں گے مرنیوالے
تم رہو **بیخود** ناشاد رہے یا نہ رہے

بہت ہی دل میں پشیماں ہیں ستا کے مجھے
ہوئی ہے قدر مری خاک میں ملا کے مجھے

جتائے جاتے ہیں احسان بھی ستا کے مجھے
سکھا رہے ہیں وہ گویا چلن وفا کے مجھے

ابھی گیا تھا کوئی قبر میں سُلا کے مجھے
جگا دیا ابھی محشر نے غل مچا کے مجھے

رکھا نہ ہم کو کہیں کا تری محبت نے
وہ کہہ رہے ہیں عدو سے سُنا سُنا کے مجھے

تری زبان سے چلتی ہوئی ہے آنکھ تری
فریب دیتی ہے یہ فتنہ گر وفا کے مجھے

ہزار بار بھی کیا کم سے کم نہ مر چکتا
تم اختیار جو دیتے مری قضا کے مجھے

دم اخیر خدا جانے یاد کیا آیا
کہ حسرتیں مری روئیں گلے لگا کے مجھے

تمیز عشق و ہوس پیشتر نہ تھی اُن کو
وہ اور ہو گئے مغرور آزما کے مجھے

شبِ وصال ادائیں بھی ہیں جفائیں بھی
دکھائے جاتے ہیں انداز کس بلا کے مجھے

یہ کیا ستم ہے تم داخلِ ستم بھی نہیں
ابھی تو دیکھ رہے ہیں وہ آزما کے مجھے

جفائیں بھی ہیں جبھی تک کہ عشق مخفی ہے
نگاہ بھی نہ ملاؤ گے آزما کے مجھے

بُری بلا ہے محبت تمہیں یہ یاد رہے
تم اس بلا میں پھنسنا کہیں پھنسا کے مجھے

زمانے کو ہے ابھی حور کا گماں تم پر
وہ آئی یاد شب غم کسی کی پہلو میں
یہ نقشِ پا نہیں تحریر ہے مقدر کی
یہ میرے ساتھ عداوت ہی یا عیادت ہی
جفا کے رشک میں ایذا جفا سے بڑھکر ہی

تم اپنی قدر گھٹاتے ہو کیوں ستا کے مجھے
وہ چٹکیاں کوئی لینے لگا جگا کے مجھے
ابھی گیا ہے کوئی خاک میں ملا کے مجھے
وہ دیکھ جاتے ہیں دشمن کے گھر سے آ کے مجھے
جلایا آپنے دشمن کو کیوں جلا کے مجھے

جو سیر دیکھنی منظور ہے تمہیں بیخود
بھڑا دو حضرت زاہد سے مے پلا کے مجھے

جب اجازت ہی نہیں ہو شادمانی کیلئے
ہے سلیقہ شرط ساقی میزبانی کے لئے
آدمی کی شکل میں دعویٰ خدائی کا چہ خوش
تم سنو یا دادِ محشر سنے کوئی سُننے
کیوں دیا روز ازل داغِ جُدائی کیوں دیا
زیب دیتی ہیں ابھی تو شوخیاں بیباکیاں
آپ کیوں عہدِ وفا پر مجھ سے لیتے ہیں قسم
دیکھکر آئینہ پہلے چپ ہوئے پھر یہ کہا
حرفِ مطلب کو اُڑا کر بات کی جب بات کی
جھک گیا جب سر تو یاد آیا وہ تنکر بیٹھنا
ٹوٹنا شمشیر کا نہکنا تر ا آساں نہیں
حسن میں کامل ادا میں فرد یکتا ظلم میں

درد فرقت چھوڑ جاؤ یا سہانی کے لئے
بند کر رکھے ہوئے مے کو شیخ فانی کے لئے
کیا زباں دی ہے بتوں کو لنترانی کے لئے
سننے والا چاہیے میری کہانی کے لئے
کیا یہی دل تنہا آگیا اس نشانی کے لئے
نیچی نظروں کو لگا رکھو جوانی کے لئے
اس کو رہنے دیجے اپنی بدگمانی کے لئے
منہ تو بنوائے یہ اپنا دلستانی کے لئے
یوں زباں سے کام ہے بیزبانی کے لئے
ہے پیری میں مرنے جوشِ جوانی کے لئے
چاہیے پتھر کا دل بھی سخت جانی کے لئے
آپ نے چھوڑا ہی کیا ہے نقشِ ثانی کے لئے

آسماں نے تو دیئے بیخود بہت رنج والم
ہم نے جانا تھا یہ ہے راحت رسانی کیلئے

متانت ہے اُس بت کی چتون میں کیسی
حیا فتنہ گر شوخ چتون میں کیسی

نکالی ہے صورت لڑکپن میں کیسی
بناوٹ یہ بیساختہ پن میں کیسی

کہیں سے جو اُترا ہو وہ شوخ پُر فن
یہ بھبن ہے قیامت کی جوبن میں کیسی

یہ اُس کی نگاہیں ہیں یا میری آہیں
چمکتی ہے بجلی سی چلمن میں کیسی

پھری آنکھ اُس کی کہ پلٹا زمانہ
یہ چلنے لگی دوست و دشمن میں کیسی

دغا دی جو حسرت نے بھی بعدِ مردن
بنیگی مرے دم پہ مدفن میں کیسی

وہ انبار پھولوں کے یارب کہاں ہیں
لٹی آج لنکا یہ گلشن میں کیسی

مجھے خونِ بُلبُل کی بو آرہی ہے
یہ کلیاں ہیں گلچیں کے دامن میں کیسی

وہ اپنے پرائے پہ منہ آرہے ہیں
کُھلی ہے زباں بزمِ دشمن میں کیسی

گلا گھونٹتی ہے تری زلفِ پُرخم
یہ پھانسی پڑی میری گردن میں کیسی

کہیں کُھل پڑا دل تو میری خطا کیا
گرہ آپنے دی تھی دامن میں کیسی

بُری چیز ہے آرزو بھی ہماری
کھٹکتی ہے یہ چشم پُرفن میں کیسی

نکل ہند سے چل مدینے کو بیخود
سمائی ہے دھونی مہابن میں کیسی

خاک بھی ہم تو نہ اے ناصحِ ناداں سمجھے
جا کے سمجھا اُسے تو جو تجھے انساں سمجھے

دشمنِ جاں اسے غارت گرِ ایماں سمجھے
کیا ترے وصل کے ارماں کو ہم ارماں سمجھے

جان کر چاک کئے ہمنے وہ دیوانے ہیں
جیب کو جیب گریباں کو گریباں سمجھے

چل سرک دور ہو ہٹ جا وہ سحر آ پہنچی ‌ ‌ ‌ جا نکل تجھسے خدا اے شبِ ہجراں سمجھے

دیکھکر مجھکو کہا ناز سے مرنا بھی نہیں ‌ ‌ ‌ موت آجانے کو اُلفت میں وہ آساں سمجھے

دیکھ لی میری وفا کھل گئے دشمن کے فریب ‌ ‌ ‌ ہو گیا اب تو یقیں اب تو مری جاں سمجھے

کیا ملاقات تری کھیل سمجھ رکھی ہے ‌ ‌ ‌ کہیں ایسا نہ ہو دشمن ہے نگہباں سمجھے

ہم نے کی عشق سے تعلیم فنا کی حاصل ‌ ‌ ‌ دردِ اُلفت کو ہر اک درد کا درماں سمجھے

ہو چکا قطعِ تعلق تو لگاوٹ کیسی ‌ ‌ ‌ آگیا مرے دل کو وہ ٹوٹا ہوا پیماں سمجھے

دیکھکر چیں بہ جبیں ہو گئے مُنہ پھیر لیا ‌ ‌ ‌ آئینے کو وہ مرا دیدۂ حیراں سمجھے

کعبہ و دیر ہے خالی وہ مرے دل میں ہے ‌ ‌ ‌ کیا خدا جانے اُسے گبر و مسلماں سمجھے

نا سمجھ تم نے بتوں کو جو سُنا ہو ناصح ‌ ‌ ‌ اُنہیں لوگوں میں ہے وہ دشمنِ ایماں سمجھے

چھیڑ اچھی نہیں اُن سے شبِ وعدہ **بیخود**
دل میں کچھ مصلحتِ وقت بھی انساں سمجھے

محبت غیر کی اے حیلہ گر کچھ اور کہتی ہے ‌ ‌ ‌ ترے سر کی قسم تیری نظر کچھ اور کہتی ہے

صبا آج اُن کے آنے کی خبر کچھ اور کہتی ہے ‌ ‌ ‌ ہمارے دل کی بیتابی مگر کچھ اور کہتی ہے

یہ تیری حیلہ سازی فتنہ گر کچھ اور کہتی ہے ‌ ‌ ‌ زباں پر اور ہی کچھ ہے نظر کچھ اور کہتی ہے

نگاہِ ناز کی شوخی سے کیا واقف نہیں دشمن ‌ ‌ ‌ اِدھر کچھ اور کہتی ہے اُدھر کچھ اور کہتی ہے

تری تصویر کہتی ہے کہ اب میں بول اٹھتی ہوں ‌ ‌ ‌ جھجکتی کیوں ہے کہہ گذری اگر کچھ اور کہتی ہے

پیامِ رشک لایا ہے جواب خط نہیں لایا ‌ ‌ ‌ یہ تیری بیقراری نامہ بر کچھ اور کہتی ہے

کسے جھوٹا کسے سچا کہوں یہ تو بتا دے مجھے ‌ ‌ ‌ زباں کچھ اور کہتی ہے نظر کچھ اور کہتی ہے

تری تشخیص بھی کامل تری تدبیر بھی اچھی ‌ ‌ ‌ مری قسمت مگر اے چارہ گر کچھ اور کہتی ہے

نزاکت ایک جانب ہی عتاب و قہر اک جانب
نظر کچھ اور کہتی ہے کمر کچھ اور کہتی ہے

زمانے میں ہزاروں خوبرو دیکھے ہیں ہمنے بھی
تری صورت نگارِ شاب قمر کچھ اور کہتی ہے

چھپاتی ہی تری چشم سخن گو راز دشمن کا
یہ کہنے کو تو کہتی ہی مگر کچھ اور کہتی ہے

سنوں کیا کان کہکر میں ترے نغموں کو ای بلبل
نسیم صبح گلشن کی خبر کچھ اور کہتی ہے

ہماری سادہ لوحی ہے جو اسکو سادگی سمجھیں
تری بانکی ادا ترچھی نظر کچھ اور کہتی ہے

کہا تم نے کہ ہمیں نفرت ہی تجھسے میں نہ مانوں گا
محبت کی نظر باہم دگر کچھ اور کہتی ہے

قیامت کی خبر تو لوگ پہلے سی بھی دیتے ہیں
تری اٹھتی جوانی فتنہ گر کچھ اور کہتی ہے

پھنسے ہو بے طرح ابکے کسی ظالم کے پھندے میں
یہ وحشت **بیخود** آشفتہ سر کچھ اور کہتی ہی

کہیں قاصد سی بھی کام بھلا ہوتا ہے
دل کا پیغام تو نظروں میں ادا ہوتا ہے

ابھی اس سر کی قسم عہد وفا ہوتا ہے
مرنے والا تیہ مری جان برا ہوتا ہے

غیر کے عشق میں تاثیر کہاں سے آئی
اور ہوتا ہے وہ نالہ جو رسا ہوتا ہے

کس کی طاقت ہی بری آنکھ سے دیکھے ان کو
ان بتوں کا تو نگہبان خدا ہوتا ہے

ابھی کیا کیا نہیں ٹوٹی ہے قیامت مجھ پر
مجھ ہی کمبخت سے پھر عہد وفا ہوتا ہے

کر چکے وعدۂ فردا پہ خدا کو شاہد
اب مکر جائیں اگر آپ تو کیا ہوتا ہے

رائے دیجے جو کسی کام میں سنتے بھی نہیں
کام بگڑے تو مزا یہ ہے گلا ہوتا ہے

کوئی اس وقت کا عالم مرے دل سے پوچھے
جس گھڑی غیر سے وہ دل میں خفا ہوتا ہے

ہر جگہ حضرت زاہد نے بتایا اس کو
ہمتو سمجھے تھے فقط ایک خدا ہوتا ہے

میں جو کہتا ہوں کہ پیمان وفا ہو جائے
منہ بنا کر وہ یہ کہتے ہیں بھلا ہوتا ہے

یوں پلٹ جائے جو دم بھر کو زمانہ یارب ق
منتوں سے شب وعدہ وہ منائیں ہمکو

ابھی حاصل ہمیں الفت کا صلا ہوتا ہے
ہم تجاہل سے کہیں آج یہ کیا ہوتا ہے

بیخود اُس بزم میں جاتا ہے خدا خیر کرے
ہائے کیا شخص گرفتار بلا ہوتا ہے

خدا رکھے تجھے میری بُرائی دیکھنے والے
وفاداری میں طرز بیوفائی دیکھنے والے

سنبھل اب نالۂ دل کی رسائی دیکھنے والے
قیامت ڈہائینگے روز جدائی دیکھنے والے

ترے خنجر کو بھی تیری طرح حسرت سے تکتے ہیں
تری نازک کمر نازک کلائی دیکھنے والے

جھجک کر آئینہ میں عکس سے اپنے وہ کہتے ہیں
یہاں بھی آگئے صورت پرائی دیکھنے والے

یکایک جھینکی کہ دل غائب بغل خالی نظر آئی
تری نظروں کی دیکھینگے صفائی دیکھنے والے

انہیں آنکھوں سے تو نے نیک بد عالم کا دیکھا ہی
ادہر تو دیکھ اے ساری خدائی دیکھنے والے

گرے غش کھا کے جب موسیٰ کہا برق تجلی نے
قیامت تک نہ دیگا وہ دکھائی دیکھنے والے

مری میت پہ بن آئی ہے اُن کی سب سے کہتے ہیں
وفاداروں کی دیکھیں بیوفائی دیکھنے والے

نظر ملتی ہے پیچھے پہلے تنتی ہیں بھنویں اُن کی
کہاں تک دیکھے جائیں کج ادائی دیکھنے والے

مٹا انکار تو حجت یہ نکلی منہ دکھانے میں
کہ پہلے جمع کر دیں رونمائی دیکھنے والے

کہاں تک روئیں قسمت کے لکھے کو بس اُلٹ پردہ
تجھے دیکھیں گے اب تیری خدائی دیکھنے والے

کبھی قدموں میں تنہا اُنکے دلمیں ہی جگہ میری
مجھے دیکھیں مقدر کی رسائی دیکھنے والے

کوئی اتنا نہیں جو آکے پوچھے ہجر میں بیخود
ترا کیا حال ہے رنج جدائی دیکھنے والے

فریفتہ یہ دل بیقرار کس کا ہے
یہ ذکر لب پہ مری بار بار کس کا ہی

بنے ہیں نقشِ قدم دیدۂ تمنائی
یہ انتظار سرِ رہگذار کس کا ہے

چلا جو بزم سے میں روٹھ کر کہا اُسنے
پرائے دل پہ بھلا اختیار کس کا ہے

شبِ وصال یہ آواز کان میں آئی
ہجومِ شوق میں اب انتظار کس کا ہے

ہمارے دل کی طرح چھا رہی ہے حسرت سی
تری گلی میں نیا یہ مزار کس کا ہے

کسی کے ظلم کی جی کھولکر کریں فریاد
کہ خوف اب ہمیں روزِ شمار کس کا ہے

عدو کے قول کی تردید کیوں نہ ہم کرتے
یہ دیکھنا تھا تمہیں اعتبار کس کا ہے

یہ کون مجھسے ہم آغوش ہے خدا جانے
مری بغل میں دلِ بیقرار کس کا ہے

ہم ایک عمر سے واقف ہیں خوب بیخود سے
کوئی اُبھارے اسے پھر یہ یار کس کا ہے

تم اڑانے لگے ہنسی دل کی
کیا کہیں تم سے اب کوئی دل کی

اُن کے آگے نہ کچھ چلی دل کی
دل ہی میں آج رہ گئی دل کی

نظر آیا جو کوئی گھر ویران
شکل آنکھوں میں پھر گئی دل کی

ناز تھا ہم کو ضبطِ اُلفت پر
بیقراری نہ چھپ سکی دل کی

خاکِ تربت مری مٹاؤ گے
تم سے حسرت نہ مٹ سکی دل کی

ہجر میں اُس کے جان کیا نکلی
پھانس گویا نکل گئی دل کی

اُس کی حسرت بھی کر گئی پامال
کہہ رہی ہے یہ بیکسی دل کی

آہ میں کچھ اثر سا پاتا ہوں
رنگ لائی شکستگی دل کی

اُن کو روشن ہے حال سب اپنا
دل کو ہوتی ہے آگہی دل کی

اُس نے باتوں میں کر دیا جادو
بات مُنہ سے نکل گئی دل کی

آئینہ مُنہ تو اپنا بنوائیے
یہ کرے گا برابری دل کی

جب کہا میں نے کیوں ستاتے ہو
ہنسکے اُس نے کہا خوشی دل کی

اس محبت کی آگ نے ظالم
خوب مٹّی خراب کی دل کی

لیے گھُنّے کہاں زمانے میں
بات بیخود نے کب کہی دل کی

قضا کے ہیں عدے وفا ہونے والے
کوئی دن کے ہیں مبتلا ہونے والے

تمہاری نگاہیں ہوں یا میری آہیں
یہ ناوک نہیں ہیں خطا ہونے والے

ستم وہ بھی کر لو جو باقی رہا ہو
ملیں گے نہ ہم سے فدا ہونے والے

رہیں گے لحد میں بھی ارمان اُن کے
نہیں ہیں یہ دل سے جدا ہونے والے

وہ اقرار کرتے ہیں کہتی ہے شوخی
یہ وعدے نہیں ہیں وفا ہونے والے

زمانے میں دیکھے نہیں ہم نے تم سے
خفا کرنے والے خفا ہونے والے

پہنچنے لگا ہاتھ بندِ قبا تک
یہ ناخن ہیں عقدہ کشا ہونے والے

بہت مر چکے ہیں بہت جاں بلب ہیں
بہت تجھ پہ ہیں مبتلا ہونے والے

جنہیں لوگ کہتے ہیں بیخود وہی ہیں
ہزاروں میں تجھ پر فدا ہونے والے

عاشق کے لئے ظلم ہے یہ لطف و کرم بھی
داخل ہو ستم میں نہ کہیں عذرِ ستم بھی

کہا جائیں فریب ایسے تو ناداں نہیں ہم بھی
وعدہ بھی غلط آپ کا جھوٹی ہے قسم بھی

کعبے کا پتہ ہم کو بھی اے شیخ بتا دو
شاید کبھی جا نکلیں اُدھر بھول کے ہم بھی

جھوٹا تمہیں یہ کرتے ہیں شرم آتی ہے ہم کو
دیکھو تو ذرا شوخ ہیں کیا نقشِ قدم بھی

آنکھیں مرے صیّاد کی کیا صید فگن ہیں / قربان ہیں ان آنکھوں پہ آہوئے حرم بھی

اب خط میں لکھا چاہتے تھے حرفِ تمنّا / ٹوٹا ہے کہاں آکے مقدر سے قلم بھی

بھولا ہوں جو دم بھر کو بھی میں یاد کسی کی / پیغام یہ آیا کبھی یاد آتے ہیں ہم بھی

قیمت تو گراں ہے دلِ مضطر کی ہمارے / ہاں آپ خریدیں گے تو ہو جائیگی کم بھی

اک بات نکلتی ہے ہر اک بات میں اُسکی / انداز سے خالی نہیں رہتا ہے ستم بھی

جنت جسے کہتے ہیں وہ اُس شوخ کا گھر ہے / اُس کوچے کا اک نام ہے گلزار ارم بھی

انداز نرالے ہیں زمانے سے کچھ ان کے / کیا چیز ہیں اس عالمِ امکاں میں صنم بھی

کہتے ہیں شبِ وصل وہ کچھ بن نہیں آتی / مجبور ہیں تیرے دلِ بیتاب سے ہم بھی

ہر سانس کھٹکتا ہی رہا سینے میں پیہم / گذرا نہ تری یاد سے خالی کوئی دم بھی

بیخود بھی ہوا چاہتے ہیں اُس کے خریدار / گو جیب میں حضرت کی نہیں ایک درم بھی

کرامت یہ ہوئی ظاہر چمن میں بادہ خواروں سے / برس کر جب کھلا تو پھول برسے شاخساروں سے

ابھی واقف نہیں ہے کوئی تیری دلفگاروں سے / قیامت میں یہ دولہا بنکے نکلیں گے مزاروں سے

ترے بیخود ہی کچھ اچھے رہے پرہیزگاروں سے / کہ حوروں نے نکالا تھام کر بازو مزاروں سے

جلایا خرمنِ گل کو تری برقِ تبسم نے / یہ ذرہ بجلی ہے جو بچکر گری گلشن میں خاروں سے

جہاں ڈھ بھیڑ ہو جاتی ہے بے ٹوکے نہیں رہتے / اجل کترا کے چلتی ہے تمہارے جاں نثاروں سے

مجھے منظور یہ ہے اے فلک آنکھیں تو ہوں تجھکو / ملا کر دیکھ میرے دل کے داغوں کو ستاروں سے

اُجاڑا گلشنِ ہستی کو کیا کیا تیغِ قاتل نے / خزاں آئی ہے میرے باغ میں کن کن بہاروں سے

لگائے تو ہیں دیوارِ چمن پر ہر طرف کانٹے / کہیں بادِ خزاں رکتی ہے اپنے ایسے خاروں سے

ہماری سخت جانی پر اُنہیں کیا کیا بھروسہ تھا
یہ کیونکر مرگیا وہ پوچھتے ہیں سوگواروں سے

سُنا ہے ہم نے ظالم ہیں بہت دلکش تری آنکھیں
مزا جب ہی کہ یہ دل چھین لیں پرہیزگاروں سے

اُدہر بجلی کی کیفیت اِدہر سیماب کی حالت
وہ جب ملتے ہیں یوں ملتے ہیں اپنے بیقراروں سے

رسائی آہِ سوزاں کی فقط اتنی نظر آئی
چمک جاتی تھی اک بجلی سی کچھہ اونچی ستاروں سے

زباں پر حرفِ وعدہ صاف کیونکر اُن کی آجاتا
وہ کچھہ سمجھا گئے مجھکو کنایہ سے اشاروں سے

قیامت میں وہ مشتاقوں کو اپنے دیکھکر بولے
بچے گی جان کیونکر دیکھئے اِن جاں نثاروں سے

اگر تخمِ محبت باغباں گلشن میں بو دیتا
بجائے برگِ گل شعلے نکلتے شاخساروں سے

وہ کہتے ہیں تمہارا دل بھی بدظن بدگماں تم بھی
کرے میری بلا عہدِ وفا بے اعتباروں سے

کہیں تم سادگی سے اُس کے فقروں میں نہ آجانا
بڑا عیّار ہے **بیخود** ملا ہو گا ہزاروں سے

قیامت چھپتی پھرتی ہے تمہاری بیقراروں سے
اجل کا دم نکلتا ہے انہیں آفت کے ماروں سے

بہار اب کے نئی آئی ہے کچھہ اگلی بہاروں سے
بجائے غنچہ نکلے شاخسانے شاخساروں سے

تجلی تیری کب کرتی ہے پردہ جاں نثاروں سے
نکلتی دیکھ لی ہے روشنی اکثر مزاروں سے

بناوٹ کی حیا ہم تاڑ لیں گے سات پردوں میں
تمہاری آنکھ کی شوخی کہیں چھپتی ہے یاروں سے

بگڑنا روٹھنا وہ اُن کا وہ میرا منا لینا
مگر یہ کس طرح کیونکر اشاروں میں اشاروں سے

یہاں سوزِ جگر پنہاں وہاں پابندیٔ ظاہر
ترے عشاق کی بنتی نہیں پرہیزگاروں سے

نہ آنکھوں کو خبر تیری نہ دل آگاہ ہے تجھ سے
چھپایا یار راز تیرا ہم نے ایسے رازداروں سے

سمٹنا پھیلنا۔ جھکنا۔ سنبھلنا اِن کا حصّہ ہے
تڑپنا سیکھتی ہے برق تیری بیقراروں سے

وہ دل کا ٹوٹ جانا وہ حواسوں کا بکھر جانا
پُھرا کر آنکھہ وہ جانا ترا امیدواروں سے

ہمارا مدعا جس کو مہینوں ہم نے سوچا تھا
جواب اُس کا ملا چٹکی بجاتے میں اشاروں سے

بشر ہیں یا سپہرِ حسن وخوبی کے ستارے ہیں
رہے آباد میخانہ الٰہی بادہ خواروں سے

نزاکت کا نیا پہلو ہی گونگے بنکے بیٹھے ہیں
زباں کو کیوں تھکائیں بات کرتے ہیں اشاروں سے

خدا کے طالبِ دیدار تو محشر میں سب ہونگے
ملینگے آپ کیا اُس دن نہ اپنے جاں نثاروں سے

شہیدانِ وفا کی خاک پر کیسے گلِ نرگس
تمہارے شوق میں آنکھیں نکل آئیں مزاروں سے

نہ چھیڑ اے بیخودِ مضطر کو تم اچھا نہیں دیکھو
ستانا دلفگاروں کو اُلجھنا بیقراروں سے

مصیبت جب کوئی مجھ پر پڑی ہے
دُعا تقدیر سے جا کر لڑی ہے

لڑی ہے آنکھ جب تجھسے لڑی ہے
پڑی ہے جب نظر تجھ پر پڑی ہے

سہے جاتی ہے یہ جھٹکے پہ جھٹکا
مری زنجیر بھی کتنی کڑی ہے

اُسی کو صدرِ بزمِ حسن پایا
اُسی پر آنکھ ہر پھر کر پڑی ہے

عدو کے گھر کی جانب تم نہ جانا
قیامت آج رستے میں کھڑی ہے

کسی پر مر کے کچھ بگڑا نہ دل کا
مصیبت جھیلنی مجھکو پڑی ہے

شبِ غم جب سے آنکھیں لگ رہی ہیں
جھکی پڑتی ہے سر پر جو کڑی ہے

کبھی وعدے کا ہے اُن پر یقین بھی
کبھی کہتا ہوں قاصد نے گھڑی ہے

درازی دیکھ لی زلفِ رسا کی
شبِ فرقت مری اس سے بڑی ہے

نہ دی مے بخل سے پیرِ مغاں نے
یونہیں یہ مے کہیں رکھی سڑی ہے

خفا ایسے نہ ہوئے تھے وہ مجھسے
خدا جانے کسی نے کیا جڑی ہے

کیا پیرِ مغاں نے بھی عجب کام
جما کر دھول زاہد کے جڑی ہے

رہو اک رات بیخود اور مہماں
کہ دن بھی کم ہے منزل بھی کڑی ہے

پھر ملیں گے نہ تجھے ہم سے منانے والے
دیکھ پچھتائیگا اے روٹھ کے جانے والے

ہم دکھاتے کہ یہ ہیں دل کے لگانیوالے
اس زمانے میں نہیں اگلے زمانے والے

دیکھ پایا جو ترا طالبِ دیدار مجھے
مجھ سے کترا کے چلے طور پہ جانے والے

تم نے دیکھا ہے مجھے بدنام کیا غیروں نے
کیا بُرے لوگ ہیں یہ عیب لگانے والے

کس کو معلوم ہے اُس شوخ کی منزل کا پتا
راہبر ملتے ہیں سب راہ بُھلانے والے

اے دلِ زار تری حسن پرستی نہ مٹی
آگ لگ جائے تجھے میری جلانے والے

نقشِ پا ہوں ترے کوچے میں اک رہرو کا
چھوڑ جاتے ہیں مجھے راہ میں جانے والے

اپنے حصے کی بھی ساقی نے عطا کی مجھکو
آپ پیتے نہیں اوروں کو پلانے والے

کیا دکھاتے ہیں نکیرین تمہاری تصویر
میرے دل کو بھی تو دیکھیں یہ دکھانے والے

ہم نے معشوق طرحدار تو لاکھوں دیکھے
دل تو دو چار بھی ملتے نہیں آنے والے

اُن کو کیوں ہوتی ہے عاشق کی گوارا تکلیف
دل نہیں رکھتے ہیں کیا دل کو دُکھانے والے

بدگماں مجھکو کئے دیتے ہیں ڈھنگ ترے
لڑکھڑاتے ہوئے اے جھوم کے آنے والے

سُن کے پیغام دیا اُس نے یہ قاصد کو جواب
کون ہوتے ہیں وہ مہمان بُلانے والے

دیکھنا اُن کی طرف سوچ سمجھکر بیخود
دل چُرا لیتے ہیں یہ آنکھ چُرانے والے

دل کے ہاتھوں سے بچی جان بڑی مشکل سے
دم میں آیا ہے یہ نادان بڑی مشکل سے

روک کر ہم نے ترے تیر کو دل میں رکھا
آج ٹھیرا ہے یہ مہمان بڑی مشکل سے

بیوفائی کا گماں دل سے مٹا کر چھوڑا
مجھپہ لائے ہیں وہ ایمان بڑی مشکل سے

یوں تو لاکھوں ہی ڈھلا کرتے ہیں سانچے میں حسیں
آدمی بنتا ہے انسان بڑی مشکل سے

بند و بست آپ کی محفل کا نرالا دیکھا
آنے پائے مرے اوسان بڑی مشکل سے

لے گئے وہ مرے ہاتھوں سے بچا کر دامن
اب بچے گا یہ گریبان بڑی مشکل سے

چاندنی کا چمن و بادہ و ساقی سے ہے لطف
جمع ہوتا ہے یہ سامان بڑی مشکل سے

رات دن غیر کے جھگڑوں میں پھنسے رہتے ہیں
اُن کو آتا ہے مرا دھیان بڑی مشکل سے

دیکھکر **بیخود** دیندار کو کہتے ہیں صنم
رام ہو گا یہ مسلمان بڑی مشکل سے

پچتاؤ گے پھر ہم سے شرارت نہیں اچھی
یہ شوخ نگاہی دم رخصت نہیں اچھی

سچ یہ ہے کہ گھر سے تری جنت نہیں اچھی
حوروں کی ترے سامنے صورت نہیں اچھی

بھولے سے کہا مان بھی لیتے ہیں کسی کا
ہر بات میں تکرار کی عادت نہیں اچھی

کیوں کل کی طرح وصل میں تشویش ہے اتنی
تم آج بھی کہدو کہ طبیعت نہیں اچھی

جب اتنی سمجھ ہے تو سمجھ کیوں نہیں جاتے
میں بھی یہی کہتا ہوں کہ حجت نہیں اچھی

حوروں کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا
کیوں اب بھی کہو گے تری نیت نہیں اچھی

پہنچا ہے قیامت میں بھی افسانۂ اُلفت
اتنی بھی کسی بات کی شہرت نہیں اچھی

ہم عیب سمجھتے ہیں ہر اک اپنے ہنر کو
کیا کیجئے مجبور ہیں قسمت نہیں اچھی

ل آیئے دیکھہ آیئے آج آپ بھی جا کر
بیخود کی کئی روز سے حالت نہیں اچھی

ڈھونڈ کر اُس کو نکالے سر محشر کوئی
چھپ گیا ہے مری فریاد سے ڈر کر کوئی

دیکھنا چاہے تو دیکھے اُسے کیونکر کوئی
جلوہ گر ہے دلِ آباد کے اندر کوئی

دوست غمخوار مرے ڈھونڈ کے لادیں مجھکو
ہاتھ لگ جائے جو اچھا سا مقدر کوئی

وہ اگر جھوٹ بھی بولیں تو یقیں ہو سب کو
ہم کہیں سچ بھی تو کرتا نہیں باور کوئی

تیری بیداد کا ہے ایک زمانہ شاکی
خوف سے کچھ نہیں کہتا تری مُنہ پر کوئی

باغ میں کہتے ہیں وہ مجھکو دکھا کر قامت
تم نے اس قد کا بھی دیکھا ہے صنوبر کوئی

غیر کے باب میں اک فقرہ تراشا ہے نیا
لطف آجائے جو کر لے اُسے باور کوئی

جلوے سے کام ہے ہم طور پہ جا دیکھیں گے
لئے بیٹھا ہے اپنا رخِ انور کوئی

یہ وہ شئے ہے کہ خدا نے بھی کیا جس کو پسند
کام دنیا میں نہیں عشق سے بہتر کوئی

تیرے چہرے سے بھلا ماہ کو نسبت کیا ہے
دلفریبی کا وہ رکھتا نہیں جوہر کوئی

اُڑ کے جاتا ہے قفس سے وہ چمن کیجانب
ٹوٹتا ہے جو پھڑکنے میں مرا پر کوئی

سو رہے شام ہی سے وصل میں وہ یہ کہکر
ہم بھی دیکھیں تو جگائے ہمیں کیونکر کوئی

خاک سے کوچۂ جاناں کی صدا آتی ہے
ظلم اس طرح بھی کرتا ہے کسی پر کوئی

آپ کو نام سے **بیخود** کے اگر نفرت ہے
آپ رکھدیجئے پھر نام بدل کر کوئی

دردِ فرقت کا علاج اُن کی شرارت ٹھہری
دل جو تڑپا تو ذرا اپنی طبیعت ٹھہری

چاہنے والوں سے تم کو تو عداوت ٹھہری
عاشقی کا ہے کو ٹھہری کوئی آفت ٹھہری

غیر کے گھر میں کسی نے نہ کیا ہو آرام
دیر تک آج ہماری شبِ فرقت ٹھہری

چرخ اچھا ہے تم اچھے ہو رقیب اچھا ہے
اک بُری سب میں ہماری ہی تو قسمت ٹھہری

پھر تو بیتابیٔ فرقت سے سُلٹ لونگا میں
دو گھڑی کو بھی اگر میری طبیعت ٹھہری

وعدہ کی شب مرے گھر تک وہ مچلتے آئے
سو جگہ راہ میں چل چل کے قیامت ٹھیری

اس طرح کا کوئی مہمان نہ دیکھا نہ سنا
گھر بنا کر دلِ بیتاب میں حسرت ٹھیری

کوئی کمبخت کرے پاسِ نزاکت کب تک
تم کو تو وصل میں تکرار کی عادت ٹھیری

آگئی ہائے بہت جلد گھڑی رخصت کی
دو پہر بھی تو نہ پوری شب عشرت ٹھیری

حسرتِ قتل نے آخر کو کیا کام تمام
میری قاتل مرے قاتل کی نزاکت ٹھیری

اور باتوں کو تو فرصت میں سنونگا قاصد
یہ تو کہدے کوئی ملنے کی بھی صورت ٹھیری

ٹھوکریں کھائیگی دن میں تو چل نکلیگی
سایہ بنکر ترے قدموں میں قیامت ٹھیری

کرلیا وعدۂ دیدار پہ سودا ہم نے
اُن سے ٹھیری بھی جو دل کی تو یہ قیمت ٹھیری

بے خیالی میں تو برسوں بھی نہ پی ہم نے شراب
ڈگمگائی ہوئی مشکل ہی سے نیت ٹھیری

قتل کرکے مجھے کس ناز سے وہ کہتے ہیں
اب تو تسکین ہوئی اب تو طبیعت ٹھیری

وصل ہو ہجر ہو شادی ہو الم ہو غم ہو
چار دن سے نہ سوا کوئی بھی حالت ٹھیری

کون بیٹھا ہے دن رات نگہبان ہنکر
روز پی لینے کی بیخود کو تو عادت ٹھیری

شبِ فرقت خیالِ نرگسِ مستانہ رہتا ہے
لبوں پر دم ہی لیکن سامنے پیمانہ رہتا ہی

ادائے ناز سے خالی نہیں ہی اُن کی رنجش بھی
کہ اس میں بھی تو اک اندازِ معشوقانہ رہتا ہی

مری الفت کا سکہ ہوگیا جاری زبانوں پر
جہاں دیکھو یہی چرچا ہی افسانہ رہتا ہی

وہی تو ہے وہی تیرا تصور ہی وہی دل ہے
سوا تیرے کوئی اپنا نہ رہتا تھا نہ رہتا ہی

نہیں ممکن تلافی محتسب کے ظلمِ بیجا کی
مرے دل کی طرح ٹوٹا ہوا پیمانہ رہتا ہی

ترے پیکاں نے ارماں کیطرح گھر کرلیا دلمیں
ہے مل جل کے گر کوئی تو کب بیگانہ رہتا ہی

اسے کہتے ہیں ربطِ حسن و الفت بعد مرنے کے
حسینوں میں مرے بعد مرا افسانہ رہتا ہے

فروغِ حسن جوشِ عشق سے خالی نہیں رہتا
ہمیشہ اُس گلی میں ایک نہ اک دیوانہ رہتا ہے

مرے افسانۂ دل سے زمانہ ہو گیا واقف
بہت اب شمع سے کھٹکا ہوا پروانہ رہتا ہے

ہوا تھا مجھ سے کیا وعدہ ابھی نظروں ہی نظروں میں
تجھے کچھ یاد بھی اے نرگسِ مستانہ رہتا ہے

نہ کہنا بدگمانی اس کو یہ عینِ عقیدت ہے
نظر میں محتسب کی رات دن میخانہ رہتا ہے

مزا دردِ محبت کا لیا کرتے ہیں ہم **بیخود**
فغاں کے ساتھ لب پر نالۂ مستانہ رہتا ہے

دل میں کچھ چبھتی ہوئی تقریر ہونی چاہیے
نالہ کیسا بات میں تاثیر ہونی چاہیے

میری وحشت نے بنا رکھا ہے دیوانہ اسے
چارہ گر کی بھی مرے تدبیر ہونی چاہیے

مجھ سے وہ منہ پھیر کر بیٹھیں مجھے پروا نہیں
ہمنشیں سیدھی مری تقدیر ہونی چاہیے

قتلِ عالم آپ سے قاتل کو کیا دشوار ہے
اک ذرا چلتی ہوئی شمشیر ہونی چاہیے

وہ دکھاتے ہیں مجھے آئینہ بزمِ غیر میں
ہاتھ میں میرے بھی اک تصویر ہونی چاہیے

سن کے شکوہ ظلم کا چپکے سے وہ فرماتے گئے
آپ کی فریاد میں تاثیر ہونی چاہیے

چارۂ دردِ جدائی چارہ گر کچھ اور ہے
وہ کہاں ہوتی ہے جو تدبیر ہونی چاہیے

بن سنور کر چل چکے ہیں مگر وہ رستے میں ہیں
دم نکلنے میں ذرا تاخیر ہونی چاہیے

دیر لگتی ہی نہیں ان کو خفا ہوتے ہوئے
جھوٹی سچی نام کو تقصیر ہونی چاہیے

حشر کے وعدے پہ بھی **بیخود** کو بہلا لیں گے ہم
آپ کی مُہری کوئی تحریر ہونی چاہیے

تصویر نظر آ گئی گلزارِ ارم کی
رونق ہے یہ گل باغ میں اک اک قدم کی

میرے دلِ مظلوم کو دیتے ہیں دھمکی
کیا حشر کے دن کوئی منادی ہے ستم کی

بوسہ تو مجھے پاؤں کا بھی لینے نہیں دیتے
آنکھوں سے بلائیں بھی نہ لوں نقشِ قدم کی

مشکل نہیں ہوتی تری بیمار کی آسان
پڑھ پڑھ کے بہت سورۂ یٰسین بھی دم کی

ہے رشک اُڑائے نہ فلک ظلم ہمارے
ہر روز بدل دیتے ہیں وہ طرز ستم کی

انکار ہے لینے سے رہا مجھکو ہمیشہ
خواہش کبھی پوری نہ ہوئی اہلِ کرم کی

ہے لاگ مری رشکِ مسیحا کو اجل سے
بستی نہ ہو ویران کہیں ملکِ عدم کی

احسان جتا کر تو ستم ترک نہ کیجیے
کافور ہوا گر آپ سے خواہش ہو کرم کی

ڈرتا ہوا نکلا ہے تری کوچے سے کوئی
لغزش کہے دیتی ہے ہر اک نقشِ قدم کی

گذری ہیں جدائی میں برسات کی راتیں
بجلی کی طرح سے کبھی تقدیر نہ چمکی

بیخود تو ٹلا وصل کا اقرار ہی لیکر
کہاتے ہی رہے وہ تو قسم قول و قسم کی

دشمن کی محبت ہے عیاں طرزِ بیاں سے
قائل ہوئے جاتے ہو تم اپنی ہی زباں سے

کیوں مجھکو بُرا کہتے ہو تم اپنی زباں سے
واقف ہوئے جاتے ہیں عدو رازِ نہاں سے

کچھ سینے میں رُکتا ہے دمِ نزع مرا دم
رستے میں نہ ٹھیرا ہو کوئی چلکے مکاں سے

میں آپ کی اُلفت کا مقر ہو نہیں سکتا
جو دل میں نہیں آپ وہ کہتے ہیں زباں سے

دل دیکھ کے میرا وہ کس انداز سے بولے
مجھکو تو دکھاؤ یہ اُڑا لائے کہاں سے

ہوتی ہے شبِ وعدہ جو کچھ یاس ہی دل کو
کہدیتے ہیں ہم اب کوئی آتا ہے وہاں سے

ہم ترک کریں عشقِ صنم حضرتِ ناصح
تشریف تو لیجائیں ذرا آپ یہاں سے

لینی ہے شہیدوں کی خبر حشر میں اُن کو
سینوں پہ وہ لکھدیتے ہیں کچھ نوکِ سناں سے

کیوں ٹھوکریں کھانیکے لئے کعبے کو جاؤں
تعریف سے یوسف کی مری ذرغرض تھی
مستوں کی ہیں آنکھوں میں سمائی ہوئی نیندیں

آزاد سمجھتا ہوں اُسے قید مکاں سے
کیوں لڑتے ہو اچھے سہی تم سارے جہاں سے
یہ حشر میں جو بکے ہیں بڑی خواب گراں سے

بیخود ہے یہ تصدیق کا انداز نرالا
سنتے ہیں مرا حال وہ دشمن کی زباں سے

جدائی میں صدمے جو گذرے ہیں مجھہ پر نہ میں کہہ سکونگا نہ تم سن سکوگے
ستم کی کہانی ہے یہ بندہ پرور نہ میں کہہ سکونگا نہ تم سُن سکوگے

کہو حالِ دل ہی جو تاکید مجھ پر نہ میں کہہ سکونگا نہ تم سن سکوگے
غرض کیا بنوں میں جو دیوانہ کہکر نہ میں کہہ سکوں گا نہ تم سُن سکوگے

کئے ہیں ستم جس قدر تم نے مجھپر وہ تم اپنے ہی دل سے پوچھو تو بہتر
کروگے مرا حال کیا مجھ سے سُنکر نہ میں کہہ سکونگا نہ تم سُن سکوگے

دم عرض رُکنے لگا دم گلو میں نہ پوچھو مرا حال بزم عدو میں
وہ کچھہ آنے والا ہے میری زباں پر نہ میں کہہ سکونگا نہ تم سن سکوگے

تمہیں یاد بھی ہے وہ دشمن سے لڑنا سبب پوچھنے پر وہ مجھہ سے بگڑنا
وہ غصے میں کہنا یہ پھر منہ بنا کر نہ میں کہہ سکونگا نہ تم سن سکوگے

بنی ہے مرے نامہ بر کی وہ صورت کہ دیکھے سے جسکے ہوئی مجھکو حیرت
سبب پوچھتا ہوں تو کہتا ہے رو کر نہ میں کہہ سکوں گا نہ تم سُن سکوگے

مصیبت غم عشق کی کیوں سناؤں نہیں کوئی ناداں جو دم میں آؤں
یہ وہ داستاں ہے بجز روز محشر نہ میں کہہ سکوں گا نہ تم سن سکوگے

سمجھکر ہی کچھ دل میں خاموش ہوں میں نہ مے نوش ہوں نہ بیہوش ہوں میں
یہ قصہ یہ جھگڑا نہ چھیڑو تو بہتر نہ میں کہہ سکوں گا نہ تم سن سکو گے

مفصل کہوں تم سے اپنی حقیقت سنو حال تم یہ کہاں میری قسمت
مگر ایک شب میں یہ دفتر کا دفتر نہ میں کہہ سکونگا نہ تم سن سکو گے

وہ منہ پر شکایت کسی جنگجو کی وہ اک چھیڑ باتوں میں ذکرِ عدو کی
وہ کہنا مرا پھر یہ چپکے سے ہنسکر نہ میں کہہ سکونگا نہ تم سُن سکو گے

اشارے بھی آپس میں کچھ ہونے جائیں کہانی جدائی کی ہم روتے جائیں
سنو گے اسی طرح گر بنکے پتھر نہ میں کہہ سکوں گا نہ تم سن سکو گے

بیاں کیا کروں تم سے میں دردِ دل کا کہ **بیخود** ہوں بیخود کو کیا ہوش اپنا
عبث ہے خموشی کا الزام مجھ پر نہ میں کہہ سکوں گا نہ تم سُن سکو گے

کیا ہوئے وہ جو تھے کرم پہلے
بات پیچھے ہے اب ستم پہلے

ہائے وہ ابتدا محبت کی
یاد آتے ہیں رنج و غم پہلے

حسرتِ دید تو نکل جاتی
کاش آتے وہ ایک دم پہلے

دیکھنا ہے ترا جمال ہمیں
اپنے کو دیکھتے ہیں ہم پہلے

اب نہ آئیں گے ہم ترے دم میں
یاد ہیں ہم کو تیرے دم پہلے

رہرو عشق سی کبھی رہبر کے
ڈگمگانے لگے قدم پہلے

اب کسی میں نہیں تراش خراش
اور ہوتے تھے کچھ صنم پہلے

غیر سے وہ مرے لئے لڑتا
وہ مرے حال پر کرم پہلے

تو بتوں کو برا نہ کہہ زاہد
ان سے آباد تھا حرم پہلے

اب سنبھالا ہی ہوش قاتل نے — ایسے دلکش نہ تھے ستم پہلے

اب وہ بیخود نہیں رہا ای شوخ
ذکر ہیں یہ تری قسم پہلے

عشق کے شغل سے خالی نہ کسی آن رہے
مہربان وہ بتِ کافر اگر اک آن رہے
کفر کے ساتھ برا کیا ہے جو ایمان رہے
تم وہ ہشیار کہ طفلی میں بھی کھایا نہ فریب
سادگی ایک زمانے کو تماشا ہو جائے
اُس گنہگار کو زاہد نہ گنہگار سمجھہ
حسن و خوبی کی ادا ہے وہ پریشانی بھی
لوٹ قاتل کی ادا پر نہ رہے دل اپنا
بات کا حضرتِ ناصح یہ کوئی موقع تھا
ہو چکا چاک بہت اتنو یہی بہتر ہے
وہ نہ آئیں شب وعدہ تو اجل آجائے
حشر کے روز تو ہنگامہ غضب کا ہوگا
یوں رہا دل میں ترے میرا تصور برسوں

توبہ کے بعد بھی دلمیں بہت ارمان رہے
ہی تو یوں پھر کوئی کافر ہی مسلمان رہے
آستینوں میں ہوں بت ہاتھہ میں قرآن رہے
ہم وہ بھولے کہ جوانی میں بھی نادان رہے
بانکپن کی بھی اگر اس میں کوئی شان رہے
عمر بھر اپنے کئے سے جو پشیمان رہے
زلف کی طرح سے دل بھی جو پریشان رہے
کھا کے خنجر بھی تڑپنے کو ذرا جان رہے
عمر بھر آپ تو حیوان کے حیوان رہے
پردۂ چاکِ جگر بنکے گریبان رہے
زندگی تلخ ہے کچھہ اور بھی سامان رہے
چاہنے والوں کی اپنے تمہیں پہچان رہے
غیر گھر میں کوئی جس طرح سو انجان رہے

کس کی محفل ہے یہ کیا کہتے ہو منہ سے بیخود
کون بیٹھا ہے اُدھر کا بھی ذرا دھیان رہے

نگاہِ شرم میں پیدا شرارت ہوتی جاتی ہے — تری اُٹھتی جوانی اب قیامت ہوتی جاتی ہے

طبیعت کی بُرائی چُھپ نہیں سکتی چھپائیے
بیاں مجھ سے وہ دشمن کی برائی کرنے بیٹھے ہیں

ابھی تو خیر سے ارمان دل میں بڑھتے جاتے ہیں
مجھے برباد کر کے وہ ستم سے باز آئے ہیں

کہیں جو بات ہم تم سے نہ کہنا تم وہ غیروں سے
رہا جب دم نہ خنجر میں تو زخموں پر نمک چھڑکا

بڑھاپے میں جگر سے داغِ الفت مٹتے جاتے ہیں

ترے ہر لطف سے ظاہر عداوت ہوتی جاتی ہے
مزا یہ ہے کہ میری بھی شکایت ہوتی جاتی ہے

بہت اس گھر میں مہمانوں کی کثرت ہوتی جاتی ہے
بیاں کس درد سے میری مصیبت ہوتی جاتی ہے

بٹھا کر مجھکو پہلو میں نصیحت ہوتی جاتی ہے
مزا یہ ہے عنایت پر عنایت ہوتی جاتی ہے

یہ دولت ہاتھ آ کر مفت غارت ہوتی جاتی ہے

زمانہ اور تنہا وہ حضرتِ **بیخود** کی چاہت کا
بہت اب چاہنے والوں کی کثرت ہوتی جاتی ہے

غرض ہے صرف اُس پردہ نشیں سے
کہے کیا کوئی تم سے نازنیں سے

عیاں ہے تری کوچے کی زمیں سے
تمہیں سے کرتے ہیں شکوہ تمہارا

شبِ فرقت رہے پہلو نہ خالی
مجھے آئے تھے رونے زندگی میں

کوئی وعدہ وفا ہوتے نہ دیکھا
نزاکت کھینچنے دیگی نہ خنجر

اُٹھے فتنے ترے کوچے میں اتنے
وہ آئے جب کہ حسرت دیکھنے کی

ہمیں مطلب نہیں دنیا و دیں سے
کہونگا دل کی صورت آفریں سے

اُٹھے گا فتنۂ محشر یہیں سے
یہ شیوہ ہمنے سیکھا ہے تمہیں سے

کوئی پتھر ہی لا ہمدم کہیں سے
گئے ہیں وہ ابھی اُٹھکر یہیں سے

تری ہاں کم نہیں ظالم نہیں سے
کریں گے قتل وہ چینِ جبیں سے

فلک چکرا گیا اس سرزمیں سے
ہوئی رخصت نگاہ واپسیں سے

سنا کر حالِ دل کیا سر اٹھاؤں / خجل ہوں میں نگاہِ شرمگیں سے

تمہارے کام کا یہ دل نہیں ہے / تمہیں ہم اور لا دیں گے کہیں سے

اگر دشمن سے بھی ہوتا ہے جھگڑا / نگاہیں انکی لڑتی ہیں ہمیں سے

وہ گھبرا کر مرے پہلو سے اٹھے / ہوا حاصل یہ آہِ آتشیں سے

خدا آباد رکھے میکدے کو / یہ گھر بھی کم نہیں خلدِ بریں سے

ستم کی ابتدا کیونکر ہوئی تھی / یہ قصہ پھر سنا دیجے وہیں سے

بغل بہاری نظر آتی ہے **بیخود** / اڑا کر لائے ہو تو دل کہیں سے

ملا کے خاک میں دل کا خیال ہوتا ہے / ستم کے بعد انہیں انفعال ہوتا ہے

عجب بتوں کا بھی دلکش جمال ہوتا ہے / نگاہ ملتے ہی دل کا سوال ہوتا ہے

بیاں نہ کیجئے مجھ سے عدو کی رنجش کا / کہ اس خوشی سے بھی مجھکو ملال ہوتا ہے

قضا کو لیکے شبِ وعدہ ساتھ آئے ہیں / غضب ہی وصل سے پہلے وصال ہوتا ہے

کہا یہ بوسے پر اس نے جھکا کے گردن کو / تری خطا سے ہمیں انفعال ہوتا ہے

کسی غریب پر آجائے رحم کیا امکان / یہ ان بتوں میں ستم کا کمال ہوتا ہے

انہیں ہی دل کی ہوس وصل کی مجھے خواہش / کدہر سے دیکھئے پہلے سوال ہوتا ہے

بیاں کیا جو غمِ ہجر سن کے فرمایا / کبھی فراق میں اپنا بھی حال ہوتا ہے

کمالِ غیظ سے وہ مجھکو ذبح کرتے ہیں / یہ قہر دیکھئے خنجر بھی لال ہوتا ہے

رکھو ہمارے دلِ سوختہ کو مٹھی میں / کہ بھاگوان ہتھیلی میں خال ہوتا ہے

گرے جو چاہ میں یوسف کی ہو گئی شہرت / زوال ہی سے تو حاصل کمال ہوتا ہے

مزا دکھاتی ہے برسات کی اندھیری رات ۔۔۔ مری بغل میں جو وہ مہ جمال ہوتا ہے

مزا یہ دل کو پڑا ہے تڑپنے کا **بیخود**
بغیر درد کے جینا وبال ہوتا ہے

وعدہ وہ ہو کہ جھوٹ کا جس پر گمان ہو ۔۔۔ پھرتی ہوئی نظر کی طرح سے زباں رہے

انصاف کچھ تو اے دلِ مشتاق چاہیئے ۔۔۔ کب تک شبِ وصال کوئی مہرباں رہے

مندر میں تیرا ذکر تھا مسجد میں تیری یاد ۔۔۔ غافل کبھی نہ تجھسے رہے ہم جہاں رہے

دنیا میں ظرفِ طالبِ دیدار دیکھ لو ۔۔۔ موقوف حشر پر نہ فقط امتحاں رہے

ہے قافلے کو منزلِ مقصد کی جستجو ۔۔۔ اُن کی خبر کسے جو پسِ کارواں رہے

دل کی لگی ہوئی کو بجھاوے نہ جوشِ یاس ۔۔۔ گریے کے ساتھ نالۂ آتش فشاں رہے

ان کو حیا کا پاس مجھے وضع کا لحاظ ۔۔۔ برسوں پیامِ وصل یونہیں درمیاں رہے

آکر ہماری قبر پر اُس نے یہ کی دُعا ۔۔۔ میرے مٹے ہوئے کا الٰہی نشاں رہے

معلوم ہوں اسے بھی نشیب و فرازِ عشق ۔۔۔ گردش میں میرے ساتھ اگر آسماں رہے

برتوں وفا کے ڈھنگ کچھ ایسے کسی کے ساتھ ۔۔۔ دشمن کی بھی زباں پہ مری انساں رہے

یہ آرزو یہ شوق یہ ارمان یہ اُمید ۔۔۔ کیا ہو اگر نہیں کی جگہ لب پہ ہاں رہے

بیخود تمہاری بزم میں کیا آکے شاد ہو
تم نے تو اُس سے یہ بھی نہ پوچھا کہاں رہے

دادخواہوں کے لئے موت کے ساماں ہونگے ۔۔۔ حشر میں آپ کے دشمن جو پریشاں ہونگے

وہ مرے سامنے آئینگے بھی تو پنہاں ہونگے ۔۔۔ پردے آنکھوں کے نقابِ رخِ تاباں ہونگے

کہے دیتی ہے یہ دزدیدہ نظر کی شوخی ۔۔۔ آج پورے کسی کمبخت کے ارماں ہونگے

جینے دیتی نہیں اب ہم کو تمنائے وصال
آپ کی جان سے دور آپ پہ قرباں ہونگے

مرگِ دشمن کی خوشی کیا ہو یہ معلوم نہ تھا
گیسوئے یار مری طرح پریشاں ہونگے

پیشتر قول کے دینے سے بتا دو اتنا
کبھی اقرار یہ پورے بھی مری جاں ہونگے

لیجئے حضرت دل وہ تو فلاطوں نکلے
میں نے جانا تھا کہ میری ہی سے ناداں ہونگے

یاد آئینگی بہت اُن کو وفائیں میری
اب نہیں چار گھڑی بعد پشیماں ہونگے

بدنصیبوں کو تو ہے موت کہاں وصل کی دن
میرے ارمان تو پورے شبِ ہجراں ہونگے

بارِ منت کے اٹھانیکی مجھے تاب نہیں
سر نہ ہوگا مری گردن پہ جو احساں ہونگے

فصل گل ختم ہوئی جوشِ جنوں کم نہ ہوا
اور دو سن میں ابھی چاک گریباں ہونگے

یہ تو ممکن نہیں وہ غیر سے ملکر خوش ہوں
مُنہ سے کہتے ہیں مگر دل میں پشیماں ہونگے

شاد تھا وصل میں اس کی نہ خبر تھی دل کو
پھر میسر نہ مجھے عیش کے ساماں ہونگے

نام سے بادہ وساغر کے انہیں نفرت تھی
آج سنتے ہیں کہ **بیخود** بھی مسلماں ہونگے

ہچکیاں موت کی دو چار تو آنے دیجے
دم تو لیجے ابھی تلوار تو آنے دیجے

سب سمجھتا ہوں کہ ہوں نام کا میں دیوانہ
مجھ پہ مُنہ آتے ہیں اغیار تو آنے دیجے

عہدِ طفلی میں ہے کیوں حشر اٹھانیکی ہوس
پاؤں میں طاقتِ رفتار تو آنے دیجے

جا کے قاصد تو وہاں حضرتِ دل بیٹھ رہا
موت آنے کو ہے تیار تو آنے دیجے

سخت جاں ہوں مجھے اک وار سے کیا ہوتا ہے
ایسی چوٹیں کوئی دو چار تو آنے دیجے

ہے سرِ ناز فروشی تو یہ جلدی کیا ہے
لاکھ دو لاکھ خریدار تو آنے دیجے

تو گرفتارِ محبت ہوں وفا مجھ میں کہاں
کم سے کم دل ابھی سو بار تو آنے دیجے

خیر جھوٹا ہی سہی وعدہ بھی ہو جائیگا
اُن کے لب تک ابھی اقرار تو آنے دیجے

کوئی روکے نہ اُسے حکم ہو دربانوں کو
آئے گر بیخودؔ میخوار تو آنے دیجے

غیر اُس بزم میں ہیں پھولنے پھلنے کے لئے
مجھکو یہ حکم ہے بیٹھے رہو جلنے کے لئے

چھیڑ کرتے ہیں وہ مجھ سے مرے جلنے کے لئے
پاس بیٹھا ہے عدو زہر اُگلنے کے لئے

داغ بنکر کوئی ٹھیرا کوئی پیکاں بنکر
دل میں آتے نہیں ارمان نکلنے کے لئے

تم کو انکار ہے جس سے وہ تمنا نہ سہی
حسرتیں اور بہت سی ہیں نکلنے کے لئے

داغ دل میں نظر آتے ہیں جگر میں چھالے
کوئی جلنے کے لئے ہے کوئی پھلنے کے لئے

وہ نئی وصل کی راتیں وہ لڑکپن اُن کا
وہ ہر اک بات پہ تکرار مچلنے کے لئے

وہی ہے کیا بلبل و پروانے کی قسمت مجھکو
دن تڑپنے کے لئے رات ہے جلنے کے لئے

واور حشر ہے اب لیکے تجھے چھوڑونگا
خوب ہے حشر کا میدان مچلنے کے لئے

بات وہ کہئے کہ جس بات کے سو پہلو ہوں
کوئی پہلو تو رہے بات بدلنے کے لئے

رشک آتا ہے مجھے شمع کو تکلیف نہ دو
دل ہی کافی ہے مرا بزم میں جلنے کے لئے

عطرداں غیر کی محفل میں نہ آیا مجھ تک
مجھ کو موقع نہ ملا ہاتھ بھی مَلنے کے لئے

وہ تو سنتے ہی نہیں کس سے کہوں میں بیخودؔ
میرے ارمان تڑپتے ہیں نکلنے کے لئے

ہے اُن کی جدائی میں یہ حالت کوئی دن کی
مہماں ہے میری شب فرقت کوئی دن کی

اک حال میں انسان ہمیشہ نہیں رہتا
عشرت کوئی دن کی ہے مصیبت کوئی دن کی

گلشن میں بہار آئی ہے صیاد سے کہدو
ملجائے اسیروں کو بھی رخصت کوئی دن کی

میں کیا کہوں کس طرح سے گذری ہے جوانی
لکھی تھی مقدر میں مصیبت کوئی دن کی

ہم تو ابھی دنیا کے بکھیڑوں میں پھنسے ہیں
مرنیکے لئے چاہیئے فرصت کوئی دن کی

وہ غیر کے کوچے سے اُسے ساتھ لگا لائے
بھٹکی ہوئی پھرتی تھی قیامت کوئی دن کی

وہ ایک دغاباز ہے دہوکے میں نہ آنا
اے حضرتِ دل ہے یہ عنایت کوئی دن کی

وعدہ پہ یہ انکار کا پہلو ہی نیا ہے
فرماتے ہیں۔ ہے آپکی چاہت کوئی دن کی

آجائیگا جب وقت تو یہ بھی نہ رہیگی
بیمار محبت کو ہے غفلت کوئی دن کی

دل سے کہیں مٹتی ہے حسینوں کی محبت
ہے حضرتِ **بیخود** کو یہ نفرت کوئی دن کی

حوروں سے نہ ہوگی یہ مدارات کسی کی
یاد آئیگی جنت میں ملاقات کسی کی

چلنے کی نہیں آج کوئی گہات کسی کی
سننے کے نہیں وصل میں ہم بات کسی کی

جہوٹا جو کہا میں نے تو شرما کے وہ بولے
اللہ بگاڑے نہ بنی بات کسی کی

ہے صبر ابھی اس دلِ مشتاق کو لازم
کچھہ اور اُبھر آئے ذرا گات کسی کی

کیجے یہ دعا خیر سے اللہ گذارے
ہے زلفِ رسا سے بھی بڑی رات کسی کی

ہر وقت کسی شخص کی چبھتی ہے زباں کو
دُہن ہے دلِ مشتاق کو دن رات کسی کی

کافر ہو اگر وصل کا ارمان ہو دل میں
مجھکو تو فقط دیکھنی تھی بات کسی کی

جاتے ہوئے موت آتی ہے پیغامبروں کو
اُس کوچے میں گہٹ جائیگی کیا ذات کسی کی

دل نذر کیا تھا اُنہیں وہ پھیر کے بولے
لیتے نہیں ہم تو کوئی سوغات کسی کی

اقرار نہ ہو منہ سے لگاوٹ تو چلی جائے
انکار میں رہجائیگی کیا بات کسی کی

مہمان جب آیا کوئی ناراض سدھارا
بیخود سے ہوئی کچھہ نہ مدارات کسی کی

کس طرح لوں میں کروٹ کچھ ایسی لاغری ہی
بستر پہ جو شکن ہے سدِّ سکندری ہے

اُس چشمِ فتنہ گر میں پتلی نہیں پری ہی
سرمے کے بدلے شوخی کچھ کوٹ کر بھری ہے

کہنے کو ذات اُس کی ہر چیز سے بری ہے
ہر شے میں جلوہ گر ہے کیا طرزِ دلبری ہے

دل میں بھرا ہوا ہے کینہ دغا کدورت
دیکھت میں آنکھ اُس کی کیا صاف ہی کھری ہے

اُن پر نثار ہوں میں یہ ہے وفا کی خوبی
مجھپر ستم کریں وہ یہ بندہ پروری ہے

پوشیدہ ہیں نظر سے صبر و سکون و طاقت
شامِ شبِ جدائی کیا تیرہ اختری ہے

ڈبائیگا قہر یارب کیا اُس نظر کا پھرنا
گردش میں ساتھ جس کے یہ چرخ چنبری ہے

ٹھوکر سے اُس نے لاکھوں مُردے جلا دیے ہیں
اعجازِ عیسوی ہے یا یہ فسونگری ہے

جو زخم ہے بدن پر ہے چاکِ صبحِ محشر
جو داغ ہے جگر میں خورشید خاوری ہے

بیمار پر تمہارے تصویر کا ہے عالم
تڑپے جو دردِ دل سے طاقت کہاں دھری ہے

کُھلتے ہی کاگ زاہد اُڑ جائیگی ہوا پر
شیشے میں مے نہیں ہی اُتری ہوئی پری ہے

دل کس طرح نہ تڑپے ہر تیر ہے ترازو
پیکاں سے کم نہیں ہی ناوک میں جو سری ہے

آتا نہیں ہے اس کو مکر و فریب ہرگز
ہے راستباز **بیخود** جو بات ہی کھری ہی

دل ٹھکانے نہیں ایسی وہ ضرورت کیا ہے
بیٹھے بیٹھے یہ آپ کو وحشت کیا ہے

جور کے بعد ستمگر یہ ندامت کیا ہے
مُنہ سے میں اُف بھی نکالوں مری طاقت کیا ہے

دے نہ سکتا جسے میں چیز وہ مانگی ہوتی
تمپہ قرباں کیا دل کی حقیقت کیا ہے

خاک میں مجھکو ملانے کی ہیں ساری باتیں
میں تری بات سنوں مجھکو ضرورت کیا ہے

محفلِ یار ہے یا حشر کا میداں یارب
کوئی سنتا نہیں میری یہ قیامت کیا ہے

مجھ سے پوچھو نہ مرا حال عیاں ہے یہ بیاں
اپنی شوخی کے لئے اور سکھاؤ انداز

مانتے ہی نہیں تم یہ تو کوئی بات نہیں
غیر سے عہدِ وفا تم نے کیا ظلم کیا

میں تو کہدونگا مگر سُن نہ سکو گے ہرگز
مار رکھنے کے لئے ایک نظر کافی تھی

مانگے آپ نے پہلی ہی ملاقات میں دل

دیکھ لو تم مرے غمخوار کی حالت کیا ہے
دلِ بیتاب کی اب ہم سے شکایت کیا ہے

مان لو بات ہماری تو قباحت کیا ہے
ٹوٹ سکتا نہیں پیمان یہ نزاکت کیا ہے

مجھ سے کیوں پوچھتے ہو تم ۔ تری حسرت کیا ہے
اس قدر بندہ نوازی کی ضرورت کیا ہے

مجھکو معلوم تو ہو آپ کی عادت کیا ہے

غیر سے پوچھئے **بیخود** کی بلا کو ہے خبر
عشق کس چیز کو کہتے ہیں محبت کیا ہے

دل کھول کے جس وقت ستمگر سے چلیگی
ہے کتنی گرانبارِ الم خاک بھی اپنی

نکلی ہے دمِ ذبح مری نبض تو بجلی
کیا بھول گئی ہے تری ٹھوکر کو قیامت

میں مان گیا بھی جو شبِ وصل تو پھر کیا
رکتی ہے کہیں عمرِ رواں ۔ پوچھ سے غم کے

ہوتا ہے ترے گھر میں نئی بات کا ایجاد
ساتھ آپ کے چلتے ہوئے رکتی ہے قیامت

دنیا ہی میں چلتی ہے یہ تلوار تمہاری
آتا ہوا دل کوئی نظر آئے گا جس دم

برچھی سے چھنے گی کبھی خنجر سے چلیگی
آندھی سے اُڑیگی نہ یہ صرصر سے چلیگی

تھا کس کو گماں تیز یہ خنجر سے چلیگی
کیونکر نہ دبے پاؤں ترے ڈر سے چلیگی

پیری نہ کسیکی دلِ مضطر سے چلیگی
کشتی یہ نہیں ہے جو نہ لنگر سے چلیگی

جب بات چلیگی کوئی اس گھر سے چلیگی
ٹھکرائیں اسے آپ یہ ٹھوکر سے چلیگی

محشر میں زباں بھی نہ مری ڈر سے چلیگی
لینے کو ادا چشمِ ستمگر سے چلیگی

تقدیر میں دشمن کی شہادت نہیں لکھی
رستے میں مجھے دیکھ کے بیٹھا ہوا بولے

وہ تیغ ہمارے ہی مقدر سے چلیگی
مخلوقِ خدا کیا ترے سر پر سے چلیگی

اُس کی صفِ مژگاں سے مقابل نہو **بیخود**
ناداں ہے کچھ پیش نہ لشکر سے چلیگی

منہ پھیر کر وہ کہتے ہیں بس مان جائیے
اس شرم اس لحاظ کے قربان جائیے

یوں خاک میں ملا کے نہ ارمان جائیے
غصہ کو تھوک دیجئے بس مان جائیے

آئینہ دیکھ لیجے جو میری نگاہ سے
میری طرح سے آپ بھی قربان جائیے

بھولے نہیں ہیں ہم وہ مدارات رات کی
جی چاہتا ہے پھر کہیں مہمان جائیے

یہ کہہ کے میرے سامنے ٹالا رقیب کو
مجھ سے کبھی کی جان نہ پہچان جائیے

وہ غیر کا ہے اور یہ میرا مزار ہے
اچھی طرح سے قبر کو پہچان جائیے

قاتل کو میرے قتل کا فرمان مل چکا
جائیں گے دشمنوں کے اب اوسان جائیے

کیوں آنکھ تو ملائیے کیسے ستم سہے
انصاف تو یہ ہے کہ مجھے مان جائیے

میں بیوفا ہوں اور وفادار آپ ہیں
کیا سچ کہا ہے آپکے قربان جائیے

بولے وہ مسکرا کے بہت التجا کے بعد
جی تو یہ چاہتا ہی تری مان جائیے

آگے ہے گھر رقیب کا بس ساتھ ہو چکا
اب آپ کا خدا ہے نگہبان جائیے

انجامِ عشق حضرتِ ناصح سمجھا چکے
کیجے نہ مجھکو اور پریشان جائیے

ظاہر ہے یہ تو آپ مری مانتے نہیں
انعام کیا ملے گا اگر مان جائیے

اُلفت جتا کے دوست کو دشمن بنالیا
بیخود تمہاری عقل کے قربان جائیے

صبح ہو جائے گی اب دم بھر میں چلکر سوئیے
ہو چکی میری شکایت بندہ پرور سوئیے

دشمنوں کے خواب میں دشمن نہ آجائے کہیں
طالعِ خوابیدہ کو میرے جگا کر سوئیے

فتنۂ محشر جو ہو بیدار یہ اچھا نہیں
جاگنے سے آپکا سونا ہے بہتر سوئیے

خواب کیسا ہوش اُڑتے ہیں تصور سے یہاں
ان بتانِ سنگدل کے غم میں پتھر سوئیے

آپ گھبرائیں نہیں میری کہانی ہو چکی
رکھی ہے اور تھوڑی سی یہ سُنکر سوئیے

ہجر کی شب یہ نیا ظلم و ستم تو دیکھیے
خواب میں آکر وہ لڑتے ہیں جو دم بھر سوئیے

سر مرا زانو پہ رکھکر وصل میں کہتے ہیں وہ
ہجر میں جاگے تھے لیجے نیند بھر کر سوئیے

نیند تو آتی ہے جب کوئی خلش دل میں نہ ہو
دل ہو جب بیتاب پہلو میں تو کیونکر سوئیے

اُن کو آنا ہے تو **بیخود** خواب میں آئینگے وہ
بے جگائے جاگ اُٹھے گا مقدر سوئیے

کھڑے رو رہے ہیں فدائی کسیکی
ہمیں دیکھنی ہے خدائی کسیکی

قیامت ہے یارب جُدائی کسیکی
مجھے کاش آجائے آئی کسیکی

خوشی سے وہ کب بزمِ دشمن میں آئے
قضا کھینچکر اُن کو لائی کسیکی

یہ جوبن تو دیکھا مگر یہ تو کہدو
تمنا بھی تم سے بر آئی کسیکی

اسے دیکھکر آپ کیا تب کیجے گا
یہ دل ہے امانت پرائی کسیکی

یہ باتیں ہیں سب جھوٹ پیغامبر کی
وہاں تک نہیں ہے رسائی کسیکی

فلک کی طرف میں نے حسرت سے دیکھا
مجھے شکل جب یاد آئی کسیکی

بگڑتے چلے ہیں وہ تیور کسیکے
قضا اب کوئی دم میں آئی کسیکی

نہ بھولا نہ بھولا یہ کمبخت برسوں
بہت یاد دل سے بھلائی کسیکی

بھٹکتے پھرے لوگ راہِ طلب میں | نہ کی خضر نے رہنمائی کسیکی

سنی تم نے یاروں کی تقریر بیخود
سمجھہ میں کوئی بات آئی کسیکی

عقل زاہد کی یہاں حیران ہی
وصل میں جو تھا وہی ارمان ہی
مرچلے ہم تو لبوں پر جان ہے
آپ کی طرزِ حیا ہے اک ستم
لو ادھر دیکھو بتاؤ کون ہوں
کیوں قسم کھاتے ہو میری جان کی
میرے دل کی اپنے دل سے پوچھئے
وہ زمانہ ہی گیا ارمان کا
بیٹھے بیٹھے کچھہ کُھلے جاتے ہیں لب

بت خدا بنتے ہیں اُسکی شان ہی
تو نہیں ہی پاس تیرا دھیان ہی
کیا ستم کا اور بھی ارمان ہی
آپ کی شوخی ستم کی جان ہی
تم کو عاشق کی اگر پہچان ہی
جانتے ہو کون میری جان ہی
کیا خبر مجھکو کہ کیا ارمان ہی
اب تو اُس ارمان کا ارمان ہی
مُسکراہٹ کا کسی کی دھیان ہی

کوئی مر جائے تو بیخود اُس کو کیا
نا سمجھہ ہے وہ ابھی نادان ہے

اب کسی کی نہ جستجو ہو گی
حشر کے روز دو بدو ہو گی
حسرتوں کا حنا نے خون کیا
قبر میں بھی تو اے شبِ فرقت
تو تو اے آرزو ہے دل کیلئے

ہم نہ ہوں گے جو آرزو ہو گی
تم سمجھہ لو جو گفتگو ہو گی
سونگھہ لیجے لہو کی بو ہو گی
جانتا ہوں ضرور تو ہو گی
دل جہاں ہو گا کیا نہ تو ہو گی

اُن کی چتون پہ مجھہ سی کہتی ہے
آج پوری نہ آرزو ہو گی

بات کرتے ہوں سے ڈرتا ہوں
کیا خدا سے نہ گفتگو ہو گی

بیخودی گر یونہیں رہی شب وصل
اُن کو بھی میری جستجو ہو گی

چار دن بعد دیکھنا **بیخود**
آرزو کی بھی آرزو ہو گی

عاشق ہیں مگر عشق نمایاں نہیں رکھتے
ہم دل کی طرح چاک گریباں نہیں رکھتے

سر رکھتے ہیں سر میں نہیں سودائی محبت
دل رکھتے ہیں دل میں کوئی ارماں نہیں رکھتے

نفرت ہی کچھہ ایسی اُنہیں آشفتہ سروں سے
اپنی بھی وہ زلفوں کو پریشاں نہیں رکھتے

رکھنے کو تو رکھتے ہیں خبر سارے جہاں کی
اک میرے ہی دل کی وہ خبر ہاں نہیں رکھتے

گھر کر گئیں دل میں وہ محبت کی نگاہیں،،
اُن تیروں کا زخمی ہوں جو پیکاں نہیں رکھتے

دل دے کوئی تم کو تو کس امید پر اب دے
تم دل تو کسی کا بھی مری جاں نہیں رکھتے

رہتا ہے نگہبان مرا اُن کا تصور
وہ مجھکو اکیلا شبِ ہجراں نہیں رکھتے

دشمن تو بہت حضرتِ ناصح ہیں ہمارے
ہاں دوست کوئی آپ سا نادان نہیں رکھتے

دل ہو جو پریشان تو دم بھر بھی نہ ٹھیرے
کچھہ باندھ کے تو گیسوئے پیچاں نہیں رکھتے

گو اور بھی عاشق ہیں زمانے میں بہت سے
بیخود کی طرح عشق کو پنہاں نہیں رکھتے

کیا چاہنے کے واسطے ساماں چاہیئے
ہم نے سمجھے ہیں گر کوئی ارمان چاہیئے

ہر وقت دل کے واسطے ارمان چاہیئے
اس گھر میں روز رہنے کو مہمان چاہیئے

آنکھوں میں اشک لب پہ فغاں دل میں آرزو
چاہت کے واسطے بھی تو سامان چاہیئے

خالی سے ہے نہ دست جنون جس جگہ رہے
میری تو جیب میں بھی گریباں چاہیئے

ہوتے ہیں بزم ناز میں دشمن بھی دوست بھی
اچھے بُرے کی آپ کو پہچان چاہیئے

پریوں سے ہم کو کام نہ حوروں کی آرزو
معشوق چاہیئے مگر انسان چاہیئے

ہونی نہیں ہی یہ تو کہ دل تم کو مفت دوں
حاضر ہے لیتے جاؤ اگر جان چاہیئے

پڑتی ہیں سب طرح کی نگاہیں بُری بھلی
اللہ ان بتوں کا نگہبان چاہیئے

بیخود پرائے واسطے دیتے نہیں ہیں جان
اپنا خیال بھی تجھے نادان چاہیئے

قتل سے قتل نہ کرنے کا گلا مشکل ہے
تم سے نازک مری نظروں میں تمہارا دل ہی

جب کہا میں نے ترے وصل کا طالب دل ہی
ہنسکے ظالم نے کہا مجھ سے بڑی مشکل ہی

پھر وہی دردِ محبت ہی وہی پھر دل ہے
اب کے تھمنا مرے نالے کا بہت مشکل ہی

پھول اک توڑ کے چٹکی میں مسلتے ہیں وہ
پھر دکھا کر مجھے کہتے ہیں یہ کس کا دل ہی

بس گئیں دل میں کچھ اس طرح ادائیں اُس کی
رات دن سامنے آنکھوں کے وہی محفل ہی

تھامنا پردے کا لیلیٰ کو ہوا ہے مشکل
کس کی آہوں کا اثر پردہ کشِ محمل ہی

آپ کے چاہنے والوں کے لئے صبر کہاں
سہل جس کام کو سمجھے تھے وہی مشکل ہی

دیکھئے ہجر نے کیا حال کیا ہے اس کا
آپ ہنستے تھے کبھی جس میں وہی یہ دل ہی

جاں بلب غیر نہ کیونکر ہو تری شوخی سے
اس میں بیتابیٔ دل بھی تو مری شامل ہی

دشتِ اُلفت میں ہر اک گام پہ آتی ہی صدا
خضر جس راہ سے بچتے ہیں یہ وہ منزل ہی

قتل کرتا ہے لگاوٹ سے بگڑنا اُس کا
یہ بنایا ہوا انداز نیا قاتل ہی

کر چکے ہیں ابھی وہ اپنی نزاکت کا بیاں
اُن کو اقرار سے پھرنا بھی تو اب مشکل ہی

کون ہے وہ جو نہیں چاہنے والا تیرا
دیکھہ آئینہ بھی صورت پہ تری مائل ہی

سینکڑوں اور بھی ہیں اچھے سے اچھے عاشق
تم کو **بیخود** پہ ہی کیوں ناز وہ کس قابل ہی

وہ جو روٹھے شب وعدہ مری شامت آئی
صبح ہونے بھی نہ پائی کہ قیامت آئی

رحم آیا نہ مُروت نہ محبت آئی
دل میں اُن کے کبھی آئی تو کدورت آئی

میرے ہمراہ مرے گھر پہ بھی آفت آئی
آسمان ٹوٹ پڑا برق گری چھت آئی

آئیں ہمراہ جوانی کے ادائیں لاکھوں
ساتھ لیتی ہوئی فتنوں کو قیامت آئی

مشورہ دل سے کیا آؤ چلیں یار کے گھر
بیٹھے بیٹھے جو مری رات کو شامت آئی

شرم آئی بھی جو اُس شوخ کی آنکھوں میں کبھی
شوخیاں کرتی ہوئی ساتھ شرارت آئی

آپ کرتے ہیں مرے رنج کا شکوہ مجھسے
شکر کیجے کہ زباں تک نہ شکایت آئی

ہجر میں جان ہی دو بہر یہ لکھا تہا اُن کو
خط میں لکھی ہوئی مرنیکی اجازت آئی

وعدے کی شب کبھی تشریف جو وہ لائے بھی
تو سفارش کیلئے ساتھ نزاکت آئی

مُردے قبروں سے نکل آئے تڑپ کر باہر
میرے مدفن پہ وہ آئے کہ قیامت آئی

جب نہ دنیا میں ملا کوئی ٹھکانا اُس کو
گھر بنانے کو مرے سینے میں حسرت آئی

دل کی تسکین کیلئے اُن سے کہا تہا ہم نے
وہ خفا ہو گئے یہ اور مصیبت آئی

عہدِ طفلی میں ملا داغِ محبت ہم کو
ہوش آنے بھی نہ پایا کہ طبیعت آئی

پوچھہ لیتے ہیں عنایت سے وہ ہر ظلم کے بعد
کچھہ مزا عشق کا کچھہ چاہ کی لذت آئی

سوچتا جاتا ہوں سنتے ہیں کہ یہ دونگا جواب
گفتگو اُن سے اگر غیر کی بابت آئی

عشق کے نام سے بھی میں تو خبردار نہ تہا
مجھپر آفت یہ مرے دل کی بدولت آئی

وہ یہ سمجھے کہ یہ دُنیا سے بہت شاد چلا | مُسکراہٹ سی جو لب پر دمِ رحلت آئی

پھر ہر اک شعر میں کچھہ درد کا پاتا ہوں اثر
پھر کہیں حضرت بیخود کی طبیعت آئی

کُھل گئی سب تری باتوں ہی شرارت تیری
شوخ تجھہ سے بھی زیادہ ہے طبیعت تیری

دل میں ارمان ترا آنکھہ میں حسرت تیری
مجھ پہ قبضہ کئے بیٹھی ہے محبت تیری

نہیں ملتی ہے کسی میں بھی شباہت تیری
آئینہ دیکھکے حیران ہے صورت تیری

نہ کبھی چشمِ نگہبان سے نکلتے دیکھا
آدمی آنکھوں سے کرتے ہیں حفاظت تیری

چٹکیاں لے کے کیا پھر مرے دل کو بیچین
وصل میں بھی نہیں جاتی ہے شرارت تیری

مٹ گئے اک نگہِ لطف میں سب رنج و ملال
اب نہ قسمت کا گِلا ہے نہ شکایت تیری

اپنی شوخی کی صفت بھی نہ سُنی جس نے کبھی
وہ سُنے گا دلِ بیتاب حقیقت تیری

کوئی ہوتا نہیں فرقت میں مصیبت کا شریک
جس سے کہتا ہوں وہ کہدیتا ہی قسمت تیری

سیکھ لے کوئی نگاہوں میں سمانا تجھہ سے
جس طرف دیکھئے ہے سامنے صورت تیری

چین سے بیٹھنے دیگی نہ کسی کو دم بھر
تجھکو دشمن کی تمنا مجھے حسرت تیری

ہجر میں اے دلِ بیتاب تجھے موت بھلی
ہمسے دیکھی نہیں جاتی ہی یہ حالت تیری

حال بگڑا ہوا رہتا ہی شب و روز مرا
ہے مرے حال پہ جس دن سے عنایت تیری

سانس میں آتی ہے آوازِ انا عاشق کی
مجھکو رسوا کئے دیتی ہے محبت تیری

میری آنکھوں سے نہ آئینہ کو دیکھا ہوگا
آمرے پاس دکھاؤں تجھے صورت تیری

خاک میں مل کے بھی صحو ہی محبت کا مجھے
نہیں مٹتی ہے مٹائی سے بھی حسرت تیری

مانگئے اُن سے اگر جرمِ محبت کا ثبوت
کہتے ہیں وہ ہمیں معلوم ہی عادت تیری

رات ہی بھر میں ترا حسن یہ بڑھجاتا ہے
صبح تصویر سے ملتی نہیں صورت تیری

عزم دلی سے دکن کا تو ہوا ہے **بیخود**
اور لیجائے کدھر دیکھیئے وحشت تیری

جو تجھے امتحان دیتا ہے
کس خوشی سے وہ جان دیتا ہی

کیا دیا ہم نے جان دی جو اُسے
یہ تو سارا جہان دیتا ہی

دینے والا تو اور ہے کوئی
رنج کیا آسمان دیتا ہی

چاہئے آپ کو تو لے لیجے
جان اک ناتوان دیتا ہی

تجھ سے باوضع ہے ترا خنجر
مرنے والوں پہ جان دیتا ہی

وہم آتا ہے تیری محفل میں
غیر کیوں مجھکو پان دیتا ہی

کیا کروں قول لیکے میں اُس ہی
وہ تو جھوٹی زبان دیتا ہی

ق

ہم نے پوچھا تھا اُن سے لیتے ہو
دل کوئی نوجوان دیتا ہی

کس رکھائی سے یہ جواب ملا
مفت کیوں اپنی جان دیتا ہی

نام سنتا ہے جب وہ **بیخود** کا
گالیاں بدزبان دیتا ہی

نہ یوں روٹھکر قصد جانیکا کیجے
گلے ملکے پھر وعدہ آنے کا کیجے

شکایت رقیبوں کی سنکر وہ بولے
کہ ہمسے نہ شکوہ زمانے کا کیجے

مرے ساتھ فتنے اٹھینگے ہزاروں
ارادہ نہ میرے اٹھانیکا کیجے

نظر سے مری راز افشا نہ ہو گا
علاج اپنے کچھ مسکرانیکا کیجے

یہ زیبا نہیں آپ کو بات ہرگز
کہ سامان میرے ستانیکا کیجے

وہاں گالیاں ملنے لگتی ہیں لاکھو
ہے یاد جس کو نہ اپنی جفا بھی
غضب تو یہ ہے وہ سِوا روٹھتے ہیں

اگر کام انعام پانے کا کیجے
گِلا اُس سے کیا بھول جانیکا کیجے
اگر قصد اُن کے منانیکا کیجے

نہ ہو رنج بیخود کی گستاخیوں سے
اگر پاس کچھ مُنہ لگانیکا کیجے

مرقد پہ بعدِ مرگ گھٹا آکے رو گئی
دل بھی جگر کے ساتھ چھدا ایک تیر میں
پایا نہ اُس گلی میں قیامت کا کچھ پتا
میرا ہی دل وہ پھینک کے مجھ سے ہی پھر کہیں
وہ یکر زبان وصل کی کہنا تو دیکھیے
کُھلتے ہی میری چاہ انہیں بڑھ گیا غرور
وعدے کی رات نیند نے فرصت انہیں نہ دی
اُس کی نگاہِ شرم بھی چوکی نہ وقت پر
تھا آبِ اشک میں نفسِ سرد کا اثر

کلفت یہ بیکسی کی مرے دل سے دھو گئی
صیاد کی نگاہ تو موتی پرو گئی
کیا یہ بھی آبرو تھی عدو کی کہ کھو گئی
ہمسے کسی کی آج کوئی چیز کھو گئی
اب تو دہن سے ہجر کی تلخی کھو گئی
یہ چشم تر تو اور بھی مجھکو ڈبو گئی
افسوس جاگ کر مری تقدیر سو گئی
برچھی سی ایک یہ بھی جگر میں چبھو گئی
گرمی تری نگاہ کی پانی سمو گئی

دشمن سے اُس کے ظلم کا کرنا نہ تھا گلا
بیخود یہ آج تم سے بڑی چوک ہو گئی

وصل میں کچھ عجیب حالت ہے
آپ آئیں کہاں یہ قسمت ہے
اُن کو اک بات پر قیام نہیں

مجھکو سکتہ ہے اُن کو حیرت ہے
کیسی تکلیف عین راحت ہے
کچھ عجب چلبلی طبیعت ہے

عرضِ مطلب پہ یہ جواب ملا
وہی ہوتا ہے وہ جو کہتے ہیں
اُس کی ٹھوکر سے جی اُٹھا دشمن
وہم آتے ہیں شک گذرتے ہیں

کیوں جلاتے ہو یہ جو میں نے کہا
اُس نے رُک رُک کے یوں کیا وعدہ
بے سبب تو نہیں عتاب اُن کا
دمِ رخصت یہ شوخیاں دیکھو
میں نے پوچھا تھا دل کو لیتے ہو
دل بڑے عاشقوں کے غیروں کو
اُن کے جو مُنہ میں آئے وہ کہہ لیں
دل کو پاسِ وفا کہاں ظالم
حالِ غم سن کے مجھ سے وہ بولے
دین و دنیا اسی سے ہیں دونو

ایسی باتوں سے ہم کو نفرت ہی
بات ہی یا کوئی کرامت ہی
کس قیامت کی یہ قیامت ہی
آج کیوں اس قدر عنایت ہی
ہنسکے بولے ہماری عادت ہی
میں نے جانا زباں میں لُکنت ہی
اس میں پوشیدہ کوئی حکمت ہی
پوچھتے ہیں مجھے اجازت ہی
مُسکرا کر کہا یہ علت ہے
یہ نئی طرح کی سخاوت ہے
کوئی بولے یہ کس کی طاقت ہی
تجھ سے بڑھکر یہ بے مروت ہی
تجھکو جینے کی کیا ضرورت ہی
کچھ عجب چیز یہ محبت ہی

یوں تو اچھا ہے سب طرح **بیخود**
بادہ خواری کی اک بُری لت ہی

عدو سے جو برہم طبیعت ہوئی
یہ کہتی ہوئی جان رخصت ہوئی
بُھلانے بُھلاتے عدو کا خیال

مرے حال پہ بھی عنایت ہوئی
بڑی مشکلوں سے اجازت ہوئی
اُنہیں بھول جانیکی عادت ہوئی

پلائے رقیبوں کو بھر بھر کے جام
مجھے اپنی جھوٹی عنایت ہوئی

پلٹ تو نجائینگے وعدے سے آپ
اگر آج برپا قیامت ہوئی

وہی ہو گیا اُس نے جو کہہ دیا
ہر اک بات اسکی کرامت ہوئی

وہ انجامِ اُلفت کو سمجھے نہ تھے
مرا حال سُن سُن کے حیرت ہوئی

بڑھاتے تو جاتے ہو دشمن کو تم
جو میری سی اس کی بھی قسمت ہوئی

مزا ہو جو محشر میں آئے ندا
عطا بادہ خواروں کو جنت ہوئی

زمانے میں اب ہیں یہ پیدا کہاں
مرا دل ہوا تیری صورت ہوئی

اشاروں میں مجھ سے وہ کچھ کہہ گئے
نگاہوں میں طے دل کی قیمت ہوئی

ادھر سے ہوا وصل کا جب سوال
طلب اُس طرف سی ضمانت ہوئی

مٹا کر بھی مجکو مٹاتے رہے
مرے بعد پامال تربت ہوئی

کہاں لیکے جائیں گے بیخود کو پھر
اگر اس کو جنت میں وحشت ہوئی

تقاضا بنکر دلِ مضطر سے جب زلف دوتا لپٹے
گلے سے میرے کیوں لپٹے وہ پھر اُس کی بلا لپٹے

الٰہی اشتیاقِ وصل کی تاثیر ایسی ہو
وہ نا کھولیں جس قدر خط کو یہ ہاتھوں میں سوا لپٹے

لپٹتے تو ہیں زاہد میکشوں سے راہ میں اکثر
کہیں مسجد سے حضرت کا نہ بدھنا بوریا لپٹے

بتوں سے مل کے رہتا ہی نہیں انسان پھر انساں
سمجھ کر سوچ کر ان بیوفاؤں سے ذرا لپٹے

بُرا ہو جذبِ دل تیرا کیا کیا تو نے ایظالم
وہ کیسے مضطرب ہو کر مرے سینے سی آ لپٹے

اگر دیتے بھی ہم کس کس کو دیتے ایک دل اپنا
ہزاروں مہ لقا دیکھے ہزاروں بیوفا لپٹے

ترے دامن پر اپنا خون بنکر ہم کو رہنا تھا
اگر اب خاک ہو کر اس سے لپٹے بھی تو کیا لپٹے

مثل مشہور ہے دنیا میں سب ملتی سے ملتے ہیں
مزا جب ہی پلٹنے کا جو کوئی دوسرا پلٹے

اگر چاہیں کسی سے دل کی حسرت کا بیاں کرنا
زباں ہلنے نہ پائے لب سے حرفِ مدعا پلٹے

گیا ہے کون سا مشتاق پھر کر آپکے در سے
کہ آغوشِ تمنا بن کے باہم نقشِ پا پلٹے

نگاہوں نے کسی کی آج اپنے دل کو تاکا تھا
گیا کوسوں الگ بچکر بہت تیرِ قضا پلٹے

صفائی حضرتِ **بیخود** سے کیا دشوار ہے انکی
منالیں گے جہاں دو چار ملکر آشنا پلٹے

کہتے ہو بری سب سے طبیعت ہی تمہاری
جو سب سے بری ہے وہ محبت ہی تمہاری

ہم تم پہ فدا ہوں یہ محبت ہے تمہاری
تم قتل کرو ہم کو عنایت ہے تمہاری

آنکھوں میں ہی گھر جس کا وہ صورت ہی تمہاری
ہی دل میں گذر جس کا وہ حسرت ہی تمہاری

ڈھاتا ہے ستم دیکھیے کیا وصل تمہارا
فرقت تو مری جان قیامت ہی تمہاری

دیکھا نہیں دنیا میں یہ انداز یہ نقشہ
لاکھوں میں جو اچھی ہے وہ صورت ہی تمہاری

پھر میری کسی بات سے مطلب تو نہ ہوگا
ہیں اور کو چاہوں یہ اجازت ہی تمہاری

ہے وصل کا انکار تو وعدے سے زیادہ
تم کہکے پلٹ جاتے ہو عادت ہی تمہاری

اٹھتا نہیں زلفوں کا بھی اب بوجھ کمر سے
آفت ہی قیامت ہی نزاکت ہے تمہاری

دیدار سے دم لینے کی فرصت نہیں ملتی
ہر وقت مرے سامنے صورت ہے تمہاری

تقریر جو کی غیر نے کچھ تم اسے سمجھے
تعریف کے پردے میں شکایت ہی تمہاری

آنکھیں کہے دیتی ہیں سب انداز تمہارے
مشہور زمانے میں مروت ہے تمہاری

بوسے سے تو انکار ہے دل مانگ رہے ہو
ہر بات میں یہ خوب حکومت ہی تمہاری

تم کیا نہیں کہہ لیتے ہو ہم کچھ نہیں کہتے
کیا جانیے کیا ہم کو مروت ہی تمہاری

کیا تم نے تو میرے خدا کو نہیں دیکھا — تم مجھ سے بدل جاؤ یہ قدرت ہی تمہاری

بیخود نہیں کس طرح نہو تم سے محبت
سچ کہتے ہو ایسی ہی تو صورت ہی تمہاری

کیا دور یار غیر کی کچھ التجا ہوئی — شوخی تری زبان کی وہ آج کیا ہوئی
اُن کی طرف سے دل کی طلب بار ہا ہوئی — چکمے چلے فریب دئے التجا ہوئی
ایسی تو ہم سے وصل کی شب بار ہا ہوئی — غصے سے جب نہ کام چلا التجا ہوئی
چھپتی نہیں چھپائے سے بھی آنکھ پیار کی — میری تو ہر نگاہ مرا مدعا ہوئی
پھر تو یہ کہہ کہ ہم تجھے پہچانتے نہیں — لاکھوں میں یہ تو ایک ہی ای بیوفا ہوئی
دشمن سے اپنے عشق کا شکوہ نہ کیجئے — مجھ سے ہوا قصور یہ مجھ سے خطا ہوئی
ایک ایک پل کا ہجر کی دینا پڑا حساب — میری شبِ وصال بھی روزِ جزا ہوئی
شیریں کا جاں نثار فقط کوہکن ہوا — تجھ پر تو اک جہان کی خلقت فدا ہوئی
اے دردِ عشق کس کو نوازا تھا پیشتر — یہ تو بتا کہاں سے تری ابتدا ہوئی
کمبخت کی زبان میں کیا زہر تھا شریک — قاضی سے مل کے دخترِ رز بے مزا ہوئی
حرفِ وصال خاطرِ نازک پہ بار ہے — اِس نازکی پر آپ سے کیونکر جفا ہوئی
عاشق ہے غیر آپ کا میں بوالہوس بجا — یہ اُس سے بڑھ گئی ہے وہ اِس سے سوا ہوئی
دشمن کے پیچھے چھپ گئے وہ دیکھ کر مجھے — پردہ ہوا یہ خوب یہ اچھی حیا ہوئی

بیخود ضرور رات کو سوئے ہو پی کے تم
یہ تو کہو نماز پڑھی یا قضا ہوئی

اُن سے جب ملتے ہیں اک داغ نیا ملتا ہے — واہ کیا خوب محبت کا صلا ملتا ہے

کوئی اس طرح سے ملنے کا مزا ملتا ہے
اور پری دل سے وہ ملتا ہے تو کیا ملتا ہے

مل گئے خاک میں ہم وہ بتِ کافر نہ ملا
لوگ کہتے ہیں کہ ڈھونڈے سے خدا ملتا ہے

اُس کی ہر بات زمانے سے نرالی دیکھی
اُس کی ہر بات میں مجھے لطف نیا ملتا ہے

دفن ہوتے مجھے دیکھا تو کہا ظالم نے
خاک میں کُشتۂ انداز و ادا ملتا ہے

حور کے ذکر پہ وہ کہتے ہیں معلوم ہوا
تو کسی اور سے بھی میرے سوا ملتا ہے

خلعتِ رنج و الم ملتے ہیں دُہرے دُہرے
وہ جُدا دیتے ہیں قسمت سے جُدا ملتا ہے

تیرے دیوانوں سے آباد ہے جنگل سارا
روز ٹوٹا ہوا اک بندِ قبا ملتا ہے

کبھی دربان کے دھوکے میں نہ تم آجانا
کوئی دن جاتا ہے جو غیر سے جا ملتا ہے

پاؤں پڑتا ہے زمیں پر تو فلک پر ہے دماغ
خاکساروں سے وہ یوں ماہ لقا ملتا ہے

پی کے زاہد نے مئے ناب یہ ارشاد کیا
اس کا انگور کے شربت میں مزا ملتا ہے

عالمِ کیف میں ہستی سے گذر جاتا ہوں
چشمِ ساقی سے مجھے جامِ فنا ملتا ہے

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ بھی ہے طلبگار ترا
بھولا بھٹکا جو کوئی راہ میں آ ملتا ہے

میری قسمت کا نوشتہ ہے یہ خط اُس کا نہیں
اس میں تقدیر کے لکھے کا پتا ملتا ہے

اِن حسینوں کی عدالت کا نیا ہے انصاف
مجرمِ عشق کو فرمانِ قضا ملتا ہے

رِندوں سے وہ پلاتا ہے تو پی لے بیخود
تجھکو انکار ہیں کیا مردِ خدا ملتا ہے

دلِ بیتاب میں شوخی کا پتا ملتا ہے
مٹنے والے میں کچھ انداز ترا ملتا ہے

دل کو اُس وقت محبت کا مزا ملتا ہے
جب گلے خنجرِ قاتل سے گلا ملتا ہے

حُسن سے بڑھکے کیا اُنکی ادا نے بیتاب
ایک سے ایک محبت میں سوا ملتا ہے

بتکدے میں ہے خدائی کا تماشا موجود
اور کعبے میں فقط ایک خدا ملتا ہے

عشق کے ڈھنگ زمانے سے نرالے دیکھے
دم پہ بنتی ہے تو جینے کا مزا ملتا ہے

آپ نے دیکھ لیا تیرِ دعا کا پلّہ
دل سے چلتے ہی تو یہ عرش سے جا ملتا ہے

حور کی آنکھ کو نسبت نہیں آنکھوں سے تری
نیچی نظروں میں کچھ اندازِ حیا ملتا ہے

اُس سے لڑتی ہے اگر آنکھ تو قسمت بھی لڑے
وہ تو جب ملتا ہے جب بختِ رسا ملتا ہے

ظلم میں ناز ہو شامل تو ستم میں انداز
یوں بہلا کوئی ہمیں لطفِ جفا ملتا ہے

بے طلب دیتے ہیں وہ جس کو عطا کرتے ہیں
جس کو ملتا نہیں کچھ دستِ دعا ملتا ہے

موت بھی وحشتِ طلب میں نہیں ملتی مجھکو
اور ہونگے وہ جنہیں راہنما ملتا ہے

قتلِ عشاق پہ باندھی ہے کمر ظالم نے
خاک میں مجمعِ اربابِ وفا ملتا ہے

تیرے مجروح کا رتبہ کوئی ہمسے پوچھے
زخم دھونے کو جسے آبِ بقا ملتا ہے

تیری تمکین میں بھی انداز ہے اک شوخی کا
تیری شوخی میں بھی تمکین کا مزا ملتا ہے

سختیاں ہجر کی مٹ جاتی ہیں سب بعدِ وصال
قطرہ انجام کو دریا ہی میں جا ملتا ہے

ابتو خاموش ہو بیخود کہ وہ پھر روٹھ گئے
تجھکو کمبخت ستا کر اُنہیں کیا ملتا ہے

وہ دشمن کی بپتی سُننے جائینگے
وہ بیٹھے ہوئے سر دُھنے جائینگے

ہلائیں زبان اپنی طاقت نہیں
کہے جاؤ تم ہم سُنے جائینگے

اُنہیں مجھکو منظور ہے ٹالنا
وہ ماتھے پر افشاں چُنے جائینگے

اگر ایک سے بھی ہوئی کچھ خطا
تو سب مرنے والے چُنے جائینگے

دئے جاؤ تم جھڑکیاں گالیاں
پئے جائینگے ہم۔ سُنے جائینگے

یہاں تو بن آئی ہے اغیار کی
قیامت میں جاکر ڈبہنے جائینگے

یہ شیشہ نہ ہاتھ آئے گا ٹوٹ کر
مرے دل کے ٹکڑے پچنے جائینگے

کہیں گے نہ وہ اپنے دل کی کبھی
مری حسرتوں کو پٹنے جائینگے

کرو جمع میرے گریباں کے تار
کفن عاشقوں کے بٹنے جائینگے

وہ کہتے ہیں تم مرکے جیتے رہے
یہ طعنے نہ ہمسے سُنے جائینگے

پڑہے جاؤ بیخود غزل پر غزل
وہ بت بنگئے ہیں سُنے جائینگے

ہر ایک بات تری بے ثبات کتنی ہے
پلٹنا بات کو دم بھر میں بات کتنی ہے

ابھی تو شام ہوئی ہے ابھی تو آئے ہو
ابھی سے پوچھہ رہے ہو کہ رات کتنی ہے

وہ سُنتے سُنتے جو گھبرائے حالِ دل بولے
بیان کتنی ہوئی واردات کتنی ہے

ترے شہید کو دولہا بنا ہوا دیکھا
رواں جنازے کے پیچھے برات کتنی ہے

کسی طرح نہیں کٹتی نہیں گذر سکتی
الٰہی سخت یہ قیدِ حیات کتنی ہے

ہماری جان ہی قیمت تو دل ہے بیعانہ
گراں بہا لبِ نازک کی بات کتنی ہے

جو شب کو کہلتے ہیں غنچے وہ دن کو جھڑتے ہیں
بہارِ باغِ جہاں بے ثبات کتنی ہے

مہینوں ہوگئے دیکھی نہیں ہے صبحِ اُمید
اُسے کسے خبر یہ مصیبت کی رات کتنی ہے

عدو کے سامنے یہ دیکھنا ہی ہم کو بھی
اُدہر کو ہے نگہِ التفات کتنی ہے

غزل لکھیں بھی تو کیا خاک ہم لکھیں بیخود
زمین دیکھئیے یہ واہیات کتنی ہے

بے سبب وہ بوہم قیامت کی مچار کہی ہے
تیرے قامت نے کوئی بات اٹھا رکہی ہے

چینِ ابرو میں مرے جان ادا رکھی ہے — زہر میں تم نے یہ تلوار بجھا رکھی ہے

طرز رنجش کی زمانے سے جُدا رکھی ہے — بات کی تو نے گرہ دل میں لگا رکھی ہے

اور خلوت میں شب و روز عدو سے ملئے — سُن بھی لی آپ نے جو اُس نے اُڑا رکھی ہے

کوئی سننے کا نہیں کان میں میرے کہدو — کیا چُرایا ہے جو یوں آنکھ چُرا رکھی ہے

بادہ نوشی سے زمانے میں ہوا ہوں بدنام — ابرِ رحمت نے مری خاک اُڑا رکھی ہے

چارہ سازی کی تو فرمائیں مسیحا تکلیف — منحصر موت پر عاشق کی شفا رکھی ہے

محتسب دیکھ لے تو دل میں دہرا کیا ہی یہاں — سونگھنے کے لئے اک بوند لگا رکھی ہے

دیکھلیں تجھکو تو پھر کافر و دیندار ہیں ایک — تیرے پردے نے قیامت یہ اُٹھا رکھی ہے

ہم تو جب جانیں مسیحا سے ہوں دو دو باتیں — لب نازک نے تری بات بنا رکھی ہے

ہجو مے بیٹھکے رندوں میں نہ کر اے واعظ — سوجھتا بھی ہے تجھے دیکھ وہ کیا رکھی ہے

سر جُھکائیگا ندامت سے وہ توبہ توبہ — ایسے بیباک کی آنکھوں میں حیا رکھی ہے

یہ تو ممکن ہی نہیں آج نہ جائیں وہ کہیں — گوندھ کر میرے دکھانے کو حنا رکھی ہے

جی میں آتا ہے کہ آنکھوں میں بٹھالوں تجھکو — یہ محبت نے تری شان بڑھا رکھی ہے

کیا کہوں کس سے کہوں وہم ہیں کیا کیا مجھکو — تیری شوخی نے مرے دم پہ بنا رکھی ہے

تم ہر اک بات پہ کیوں ہم سے قسم لیتے ہو — بدگمانی کے لئے یہ تو لگا رکھی ہے

تیری تصویر کو بھی ہے تیری الفت ظالم — مُنہ سے کہتی نہیں کچھ دل میں چُھپا رکھی ہے

غیر کے ذکر پہ یہ کہہ کے مجھے ٹالدیا — ہم نے کیا تجھ سے کوئی بات اُٹھا رکھی ہے

جان دیتا شبِ فرقت میں مری طاقت تھی — یہ امانت تری تو پاس تو آ۔ رکھی ہے

آتشِ شوق سے لیلےٰ کو نہیں آگاہی — آگ یہ قیس نے محمل میں لگا رکھی ہے

تکیہ ہٹتا نہیں پہلو سے یہ کیا ہے **بیخود**
کوئی بوتل تو نہیں تم نے چھپا رکھی ہے

کہاں کا عزم ہے کس سے لڑے کیا جی میں ٹھانی ہے
شکن ماتھے پہ آنکھیں سرخ چہرہ ارغوانی ہے

یہی جب مشغلہ مرنے سے بدتر زندگانی ہے
بشر کیواسطے جو کچھ ہے دنیا میں جوانی ہے

خدا بخشے دلِ مرحوم کی اب قدر جانی ہے
یہ داغِ آرزو اُس مٹنے والے کی نشانی ہے

جگر کے داغ مٹتے ہیں نہ دل کے زخم بھرتے ہیں
فلک کی وہ عنایت یہ تمہاری مہربانی ہے

ہمیں تکرار سے نفرت تمہیں انکار کی عادت
خوشی سے کوئی بھی تم نے ہماری بات مانی ہے

یہ کاغذ دے بھی دیگا کچھ بھی لیگا اُس سے اے قاصد
لکھا ہے خط میں کچھ مضمونِ غم کچھ منہ زبانی ہے

تم اپنی سی کئے جاؤ ہم اپنی سی کئے جائیں
جفا کا حُسن موجب ہے وفا کا عشق بانی ہے

نہ ہم نکلیں کہیں شب کو نہ تم دن کو کہیں جاؤ
تمہاری تو خدا جانے ہمیں تو بدگمانی ہے

سُنائیں کیا بڑا قصہ ہے ہمدم مختصر سُن لو
ہمارا دردِ دل سُنکر وہ بولے سب کہانی ہے

ترے غم کی غذا دل ہے ترا غم ہے غذا دل کی
یہ اچھی میزبانی ہے یہ اچھی میہمانی ہے

مجھے سمجھا رہے ہیں قُم کے معنے جان سے جانا
لبِ عیسیٰ پر اُن کو خون کی تہمت لگانی ہے

نظر کا اُس سے لڑنا تھا کہ مجھ پر گر پڑی بجلی
محبت ہے الٰہی یا بلائے آسمانی ہے

حیا کیسی ادھر دیکھو ادھر آؤ ہنسو بولو
ابھی شوخی نہیں آئی ابھی پھیکی جوانی ہے

بھلا رندوں کے دم میں شیخ صاحب آپ آتے ہیں
شراب اس کو نہیں کہتے ولایت کا یہ پانی ہے

کہا تھا ہم نے دل لیتے ہو ہنسکر وہ یہ کہتے ہیں
نوازش ہے عنایت ہے کرم ہے مہربانی ہے

وہ اُس کی چست فقرے اور وہ آواز کی نرمی
عجب رنگیں بیانی ہے عجب شیریں زبانی ہے

ستم سے تھک گئے ہیں بات کا پہلو بدلتے ہیں
وہ کہتے ہیں خدا کو بھی ہمیں صورت دکھانی ہے

کسے معلوم پہلے کامیابی کس کو حاصل ہو
جگر پر ہاتھ دل پر تکیہ آنکھوں پر ہے داماں

تجھے میرا مٹانا مجھکو یہ ہستی مٹانی ہے
یہ افسانہ نہیں مجنوں کا یہ میری کہانی ہے

دکھا دیتا جو وہ جلوہ تو بیخود ہوش اُڑ جاتے
یہ ساری تیری شیخی ہے یہ ساری لنترانی ہے

دل ہے کیا مال کہ طے آپ سے قیمت ہوگی
جب کیا عشق کو پیدا تو فرشتوں نے کہا
نہ سہی میری فغاں سے تیری ٹھوکر سے سہی
تیغ رکھکر مری گردن پہ وہ دھمکاتے ہیں
کام دیجائیگی دشمن کی زباں کاٹ تو لو
کھول لینا تہا وم وعدہ بڑی ہم سے رہی
سونگھ لینا مری تربت کی اُٹھا کر مٹی
ہے ابھی سے تری شوخی پہ نظر عالم کی
مجھکو دو غیر کی تصویر زیارت کر لوں
داد چاہی تھی شب ہجر بسر کرنے کی
خُم سے اُڑ جاتی ہے ساغر سے چھلک جاتی ہے
ہو گئے قیدِ مکاں سے ترے طالب آزاد
داستان اپنی مصیبت کی ہیں کہنی تھی

نذر کر دیں گے اگر اس کی ضرورت ہوگی
کس کی قسمت میں خدا جانے یہ دولت ہوگی
اک نہ اک روز تو ہونی ہے قیامت ہوگی
پھر بھی کمبخت کسی سے تجھے اُلفت ہوگی
جھوٹ کی تم کو قیامت میں ضرورت ہوگی
آپ کے ساتھ نہ ہوگی کہ نزاکت ہوگی
میری تو خاک میں بھی بوئے محبت ہوگی
چشم بد دور جوانی میں قیامت ہوگی
مرنے والے کی تمہاری یہی صورت ہوگی
ہنسکے ظالم نے کہا آپ کو عادت ہوگی
دخترِ رز پر کسی میخوار کی نیت ہوگی
تو جہاں ہم سے ملیگا وہی جنت ہوگی
دیکھیئے کب اُنہیں آئینے سے فرصت ہوگی

جس قدر خم میں ہے یاروں کو پلا دو بیخود
تو بہ مقبول تو جب آپ کی حضرت ہوگی

Supplied by
Mirza Law House
ETAWAH

یہ بُت پتھر کے ہیں تراشے ہوئے فولاد کے ٹکڑے
کہ اس نازکی پر عاشقِ ناشاد کے ٹکڑے

نکلنے دی دمِ کشتن نہ مُنہ سے آہ بھی پوری
کئے ہیں میرے قاتل نے مری فریاد کے ٹکڑے

کسی مظلوم کے محشر میں شاید کام آجائیں
اُٹھا دیجے مجھے میرے دلِ ناشاد کے ٹکڑے

قیامت تھا قیامت میں کسی کا سرنگوں ہونا
اُڑائے میں نے دانتوں سے لبِ فریاد کے ٹکڑے

کسی کے حُسن لاثانی کا ثانی کر دیا پیدا
جو میں ہوتا تو کرتا خامۂ بہزاد کے ٹکڑے

بنا کر تو وہ تیرِ نظر رہنے دیا ہوتا
کئے پتھر سے کیوں آئینۂ فولاد کے ٹکڑے

نگاہِ ناز نے چھریاں لگائیں بزمِ دشمن میں
ہوئے ہیں میرے پہلو میں دلِ ناشاد کے ٹکڑے

خدا جانے نہیں کیا میری قاتل کی کلائی پر
اِدھر دل کے اُدھر ہیں خنجرِ فولاد کے ٹکڑے

دکھا دینگے تمہیں بھی جو قیامت اس پہ گذریگی
اُڑینگے ایک دن چرخِ ستم ایجاد کے ٹکڑے

ستم ڈھایا خزاں نے آتے ہی گلشن میں یہ کیسا
یہ گُل کی پتیاں ہیں یا دلِ ناشاد کے ٹکڑے

قیامت ڈھا گئی تیغِ نظر محشر میں قاتل کی
مرے ہونٹوں پہ ظالم نے کئے فریاد کے ٹکڑے

گذر جاتے ہیں دو دو دن ہمیں بے آب و دانے کے
قفس میں کون کھائے بیٹھکر صیاد کے ٹکڑے

کیا تھا حضرتِ بیخودؔ سے دعوٰے ہمزبانی کا
ہوئے کیسے زبانِ بلبلِ ناشاد کے ٹکڑے

بلائیں لے کوئی کس کس ادا کی
قیامت کی ادا شوخی بلا کی

حیا و ناز چشمِ فتنہ زا کی
جو اس سے رہ گئی اُس نے ادا کی

چلے آؤ ہمارے ساتھ سیدھے
نہ چھوڑیں گے گرہ بندِ قبا کی

بڑا بیدرد ہے دردِ محبت
زمانہ ہمنے دیکھا اس کا شاکی

فقط اتنا بتا دیجے مجھے آپ
کہ دشمن سے دغا کی یا وفا کی

کرے کیا دیکھئے اوچھی کا احساں | غضب ڈھایا عنایت اُس نے کیا کی
مرے دل کی رقم تم لے گئے تھے | کہاں بھولے کسے وے آئے کیا کی
مرے آگے تمہیں جھٹلا رہا ہے | ڈھٹائی دیکھتے ہو نقشِ پا کی
اُڑا لی تھی اسی نے بوئے کاکل | یہ چوری کُھل گئی بادِ صبا کی
خموشی کا سبب میں کیا بتاؤں | عنایت ہی یہ چشمِ سرمہ سا کی
اداؤں سے بچی تھی جتنی شوخی | قیامت بن کے قدمونمیں ہا کی
شبِ فرقت بجھاتے شمع کیونکر | ہماری جان بنکر یہ جلا کی
تری آنکھوں میں گھر کرنے لگی ہے | کہیں شامت نہ آجائے حیا کی
مری تعریف ہی دشمن کے آگے | تلافی ہو رہی ہے یہ جفا کی
نگاہِ خشمگیں کو تاڑ لوں گا | مجھے پہچان ہے اپنی قضا کی
جوابِ صاف پھر برسوں میں وہ بھی | بہت ہی جب کسی نے التجا کی
نوازش ہی جو تو مجھکو نوازے | بلائیں لے رہا ہوں ہر بلا کی
مرے کوچے سے وہ گذرا ہے شاید | ہوائیں ہی لپٹ عطرِ حنا کی
تری رفتار سے کیا بیش چلتی | قیامت دستِ حسرت ہی ملا کی
نمازوں پر نمازیں پڑھ رہا ہے | مگر زاہد نے کوئی حور۔ تا کی
بتوں کو جس نے دیکھا بول اُٹھا | نظر آتی ہے اک قدرت خدا کی

ابھی **بیخود** ستم ایسے ہوئے کیا
ابھی سے پڑ گئی روزِ جزا کی

پینے کے یہی دن تو ہیں ساقی اگر آئے | شیشی کی پری ابر میں اُڑتی نظر آئے

برچھی سی لگی دل پہ جہاں وہ نظر آئے
ہر وقت کی چوٹوں کو کہاں سے جگر آئے

اب رات ہی کیوں ہو جو وہ دشمن کے گھر آئے
دن چھپنے نہ پائے کہ الٰہی سحر آئے

پھر خاک نہ سوجھے مجھے جب وہ نظر آئے
اللہ کرے دل سے اجل بیشتر آئے

خالی ہے وہ صف دیکھئے دشمن اگر آئے
آنکھوں میں کھٹکنے کے لئے کیوں ادھر آئے

وہ دیکھ کے **بیخود** کو یہ بولے کدھر آئے
دیدار بہت دن میں تمہارے نظر آئے

جوہر تری شمشیر نکالے گی وفا کے
امید تو ہے میرے لہو کا اثر آئے

اُس دل پہ فدا جان رہے جس میں ترا دھیان
اُس آنکھ پہ قرباں جسے تو نظر آئے

قاتل کو ستم کا نہ مزا ہے نہ سلیقہ
لایا ہے نمک پیس کے جب زخم بھر آئے

تم کہتے ہو دل میں نہ کوئی میرے سوا ہو
کیا ٹال دوں اُس کو بھی محبت اگر آئے

آیا جو عرق حسن کی گرمی سے جبین پر
آئینے میں دن کو انہیں تارے نظر آئے

دو نور کے بقعے ہیں وہ رخسار درخشاں
پروانہ ہے حیران ادھر آئے اُدھر آئے

بخشی ہے ترے شوق نے وہ منزلِ عالی
برسوں میں جہاں سے مجھے اپنی خبر آئے

عادت بھی نہیں شرم بھی ہے غیر کا ڈر بھی
دن کو کہیں کس طرح وہ رشکِ قمر آئے

اب ترچھی نظر اِس میں ہو یا بانکی ادا ہو
دلکش ہے وہی تیر جو دل میں اُتر آئے

اغیار کی محفل میں ہمیں تم نے بلایا
گو پاؤں نہ اٹھتا تھا ہمارا۔ مگر آئے

تو میری نگاہوں میں سما جائے کچھ ایسا
جب آئینہ دیکھوں تری صورت نظر آئے

تاکا ہے ستمگر نے مرا دل بھی جگر بھی
یہ کس کو خبر چوٹ وہ پہلے کدھر آئے

تم پھر تو چلے آؤ گے بے عذر مرے گھر
لینے کے لئے تم کو قیامت اگر آئے

ظالم یہ علامت ہے تری سنگدلی کی
پتھر سے جو دو سینے کے اوپر اُبھر آئے

دل دے ہی چکا جان بھی دونگا مگر اُس کو
آتے ہیں مرے قتل کو وہ باندھ کے تلوار
دل تھام کے اُٹھنے کا مرا عزم ہے جب ہی

تم ہو کہ اجل۔ وعدے پہ جو پیشتر آئے
لو اور سُنو گھاتی میں جن کی کمر آئے
در تک مرے ہمراہ کسی کی نظر آئے

مسجد میں بھلا بیخودِ میخوار کا کیا کام
معلوم نہیں آج یہ حضرت کدھر آئے

سُنتے سُنتے وصفِ دشمن جان اپنی جل گئی
گرم نالوں سے اُدھر منقارِ بلبل جل گئی
بیکسی میں تھا تو لے دیکھ۔ سہارا اُس کا تنہا
تو نے بھی اے آسماں دیکھا جلانیکا مزا
بیٹھا تو آبرو کا ہی محبت میں مجھے
یوں لگی دل کی کہیں بجھتی ہی میرا کیا گیا
میکدے میں روح زاہد کی کہیں آتی نہ ہو
بھیجکر بھی میں تو پچھتایا صبا کو اُن کے پاس
اُس کی اک ٹھوکر میں سیدھی ہو گئی اُٹھتی نہیں
دیکھنے کو دل لیا تھا لیکے وہ چمپت ہوئے
تیر جو کا اُن کا میرے دل کے ٹکڑے ہو گئے
نوجوانو ہے جوانی چار دن کی چاندنی
لیگئی ہوش و خرد صبر و تحمل چھین کر
ہائے اب اتنی تسلی کا سہارا بھی گیا

پھر بلا دیتی ہو ان سے جل گئی جب جل گئی
آتشِ گل سے اِدھر غنچے کی چٹکی پھل گئی
موت بھی آکر کفِ افسوس مجھ پر مل گئی
آشیانے سے مرے بجلی بہت بیکل گئی
جان کی پروا کسے آخر گئی اوّل گئی
آپ کی تلوار ساری آبلوں سے پھل گئی
کل تو اک ساغر تھا غائب آج اک بوتل گئی
مجھکو دم دیکر خدا جانے کہاں یہ ٹل گئی
اب قیامت سے کوئی پوچھے کدھر چھل بل گئی
گھات میں مدت سے تھے یہ چال اُنکی چل گئی
مر گیا بے موت میں آئی ہوئی جب ٹل گئی
آج جانے سے اگر یہ رک گئی تو کل گئی
کیا نظر اُس کی چھلاوہ تھی کہ مجھکو چھل گئی
ہاتھ جب دل پر رکھا اُس نے ہتیلی پھل گئی

آنکی شوخی پر عجب انداز سے نکلی ہے جان
ڈھونڈتا ہی رہگیا میں توکدھر چنچل گئی

بول اُٹھے حشر میں اُس شوخ کو سب دیکھکر
حُسن کے سانچے میں سرتاپا قیامت ڈھل گئی

بنگئی بزمِ عدو میں شمع بھی میری رقیب
مجھکو جلتا دیکھکر محفل میں یہ بھی جل گئی

گر چھپاؤ مجھہ سے **بیخود** تو پیو میرا لہو
کس کی دعوت کے لئے پھر آج یہ تو پل گئی

چوٹ اُن بانکی اداؤں کی جگر تک آئی
زلف بڑھکر مرے قاتل کی کمر تک آئی

باریابی کی تو نوبت بھی نہ در تک آئی
دُور سے خلقِ خدا اُس کو مگر تک آئی

کہیں چلنا کہیں رُکنا کہیں کچھہ کہچ جانا
کس نئی چال سے شمشیر جگر تک آئی

رات بھر اُس کی گلی میں کوئی روتا ہی رہا
ہچکیوں کی مجھے آواز سحر تک آئی

حسرتِ دید کو کیا پوچھتے ہو نزع میں تم
گرتی پڑتی ہوئی کمبخت نظر تک آئی

نکلے بیمارِ جدائی کا ترے سامنے دم
یہی حسرت ترے آنے کی خبر تک آئی

جیتے جی اب نہ شبِ ہجر دکھائے اللہ
موت ہی موت نظر چار پہر تک آئی

نہ دبا شرم وحیا سے نہ دبا جوشِ شباب
بڑھکے شوخی کی ادا اُن کی نظر تک آئی

وار دزدیدہ نظر کا بھی تو خالی نہ گیا
تیغ اوچھی تھی مگر چوٹ جگر تک آئی

اُس کے قامت سے قیامت کو بھلا کیا نسبت
بہت اُچکی جو کبھی یہ تو کمر تک آئی

گم ہوئی مٹ گئی پھر کچھہ نہ چلا اُس کا سُراغ
میرے ہمراہ قیامت ترے در تک آئی

ہوگیا پھر کو بھی اُن کا نکلنا موقوف
اُڑکے جب خاک مری راہگذر تک آئی

یہ نیا بزم میں دشمن کی تماشا دیکھا
آپ ہی آپ ہنسی اُن کو سحر تک آئی

اُٹھگئی آنکھ جدھر اپنی تجھی کو دیکھا
تیری ہی شکل نظر جدھہ نظر تک آئی

جذبِ دل کھینچکے تو لائیگا گھر سے اُس کو — آج تک جس کی نہ آواز بھی در تک آئی

میری قسمت ہی میں تھا رشک سے مرنا **بیخود**
کہ مجھے لیکے اجل غیر کے گھر تک آئی

ایسا بنا دیا تجھے قدرت خدا کی ہے — کس حُسن کا ہے حسن ادا کس ادا کی ہے
چشمِ سیاہِ یار سے سازش حیا کی ہے — لیلیٰ کے ساتھ میں یہ سہیلی بلا کی ہے
تصویر کیوں دکھائیں تمہیں نام کیوں بتائیں — لائے ہیں ہم کہیں سے کسی بیوفا کی ہے
انداز مجھ سے اور ہیں دشمن سے اور ڈھنگ — پہچان مجھکو اپنی پرائی قضا کی ہے
مغرور کیوں ہیں آپ جوانی پر اسقدر — یہ میرے نام کی ہے یہ میری دُعا کی ہے
دشمن کے گھر سے چل کے دکھا دو جُدا جُدا — یہ بانکپن کی چال یہ ناز و ادا کی ہے
رہ رہ کے لے رہی ہے مرے دلمیں چٹکیاں — پھسلی ہوئی گرہ ترے بندِ قبا کی ہے
گردن مُڑی نگاہ لڑی بات کچھ نہ کی — شوخی تو خیر۔ آپکی تمکیں بلا کی ہے
ہوتی ہے روز بادہ کشوں کی دُعا قبول — اے محتسب یہ شانِ کریمی خدا کی ہے
جتنے گِلے تھے اُنکے وہ سب دل سے دھل گئے — جھپی ہوئی نگاہ تلافی جفا کی ہے
چھُپتا ہے خون بھی کہیں مٹھی تو کھولئے — رنگت یہی حنا کی یہی بو حنا کی ہے
کہدو کہ بے وضو نہ چھوئے اس کو محتسب — بوتل میں بند روح کسی پارسا کی ہے
میں امتحان دیکے اُنہیں کیوں نہ مرگیا — اب غیر سے بھی اُن کو تمنا وفا کی ہے

دیکھو تو جا کے حضرتِ **بیخود** نہ ہوں کہیں
دعوت شراب خانے میں اک پارسا کی ہے

خوب تدبیر ہوئی خوب تشفی کر دی — کھینچکر تیر بغل آپ نے خالی کر دی

وار دشمن نے کیا تم نے تسلی کر دی
چوٹ دل پر ادھر آئی ادھر اچھی کر دی

آج دو ٹوک ہوئی اُن سے صفائی کیسی
اور بھی دل کی گرہ غیر نے پکی کر دی

میرے کہنے سے ذرا آئینہ تو دیکھ تو لے
شرم نے اور تری آنکھ رسیلی کر دی

دیکھکر گل کو ذرا دیکھئے بلبل کی طرف
تمکنت دی کہیں حالت کہیں ایسی کر دی

چشمِ مشتاق کو یہ رات بھی سولی پہ کٹی
آپکے وعدے نے یہ رات بھی سولی کر دی

رشکِ دشمن بھی تو ہے عشق میں کیا صبر کریں
زہر نے دل کے دوا اور بھی کڑوی کر دی

چٹکیاں لیگی مری آہ کہا تھا کہ نہیں
اے فلک دیکھ لے چھاتی تری نیلی کر دی

اب کسی اور کو چاہینگے ملینگے اُس سے
آپ ہٹ جائیے بس آپسے کٹی کر دی

حسرتِ وصل سے تصویر بھی پوری نہ کھچی
انگلیوں سے بھی کمر یار کی پتلی کر دی

قول مانگا جو وفا کا تو کہا ظالم نے
چوس کر میری زباں آپنے جھوٹی کر دی

اُن کے آتے ہی نہ تھی داغِ جگر میں وہ چمک
نورِ خورشید نے ضو شمع کی پھیکی کر دی

دل ہی مشتاق ترے جلوہ زیبا کا نہیں
جان بھی ہمنے تو اب نذرِ تجلی کر دی

خاک میں خوب ہی ارمان ملائے دل کے
کیسی بستی ستم ایجاد نے سونی کر دی

ابھی یہ جلوہ نمائی ابھی کچھ خاک نہیں
بلبلا پانی کا انسان کی ہستی کر دی

دستِ قاتل نے بھی اعجاز دکھائے کیا کیا
خون مہدی کا کیا خون کی مہدی کر دی

آتے آتے وہ ادھر پھر گئے دشمن کی طرف
جا بھی اے جذبۂ دل تو نے تو ہیٹی کر دی

خوب تیرِ نگہ ناز کی بوچھاڑ ہوئی
آپ نے غیر کی تصویر تو چھلنی کر دی

مجھکو بچھو نہ سمجھ خوب سمجھتا ہوں تجھے
شمع میرے ہی جلانے کو تو ٹھنڈی کر دی

زاہد یہ دعا مانگ ہمیں تو یہ دعا دے
اک بار پھر اُس شوخ سے اللہ ملا دے

وہ اور تسلی مجھے دیں اُن کی بلا دے
جاتے ہوئے فرما تو گئے صبر خدا دے

ترسائے نہ رندوں کو جو توفیق خدا دے
ساقی جو بچا رکھی ہو لا وہ بھی پلا دے

میں آپ سے کیا لوں جو مکر جایئے لے کر
یہ آپ نے اچھی کہی تو دل تو ذرا دے

امید بھی ہو روزِ جزا خوف بھی دل میں
معلوم نہیں وہ ہمیں بخشے کہ سزا دے

اُلفت میں تری صبر و تحمل تو سہارے
دل کا مجھے کھٹکا ہے کہیں یہ نہ دغا دے

آنکھوں پہ مری باندھ کے پٹی شبِ وعدہ
پروانے کو تاکید ہوئی شمع بجھا دے

ہر بات کا اللہ نے بخشا ہے سلیقہ
لڑنا بھی مزا دے ترا ملنا بھی مزا دے

اس طرح بھی غش سے کہیں ہوتا ہے افاقہ
یا زلف سنگھا یا مجھے دامن کی ہوا دے

دشمن سے اگر ترکِ ملاقات ہے منظور
ہے بات ہی کیا تو کوئی الزام لگا دے

دشمن نے لگائی ہو ترے ہاتھ میں مہندی
میں خون کروں آج اگر رنگ حنا دے

اس تلخ زبانی پہ ہے تو دل کا خریدار
بوسہ بھی نہ کڑوا ہو کہیں پہلے چکھا دے

دم چڑھنے لگا غصے کے تیور جو بنائے
نازک ہو جو اتنا وہ مجھے خاک سزا دے

بیدرد کو آتا ہے مزا ظلم و ستم میں
اب اُسکی بلا سے کوئی کوسے کہ دعا دے

کمبخت نے سب کھول دئے رازِ محبت
پہ کس نے کہا تھا تجھے بیخود کو پلا دے

غزل نعتیہ

آنکھوں میں نظر جلوۂ زیبا کے لئے ہے
دل سینے میں حضرت کی تمنا کے لئے ہے

جو رتبہ غلامِ شہِ والا کے لئے ہے
وہ جم کو میسر ہے نہ دارا کے لئے ہے

آسان سمجھنا نہ رہِ عشقِ نبیؐ کو
ہر گام پہ کھٹکا دلِ شیدا کے لئے ہے

موسےٰ ہوئے غش جسکی فقط ایک جھلک پر
وہ جلوہ نہ نقاب اُس رخِ زیبا کے لئے ہے

گھر کرتی ہے دل میں نگہِ ناز نبیؐ کی
مخصوص یہ محمل اسی لیلےٰ کے لئے ہے

ہم عاشقِ احمد ہیں ہمیں رنج ہے درکار
دنیا کی خوشی طالبِ دنیا کے لئے ہے

اے شوق پہنچ لیکے مدینے میں مجھے تو
بیتاب زباں عرضِ تمنا کے لئے ہے

تم رہبرِ توحید ہو تم بانیٔ اسلام
یہ بات کہاں خضر و مسیحا کے لئے ہے

کچھ دُور نہیں خلد سے بھاگ آؤں اگر میں
بیچین یہ دل یثرب و بطحا کے لئے ہے

گل ہو نہیں سکتی ہے کبھی شمعِ نبوت
روشن ہی مگر دیدۂ بینا کے لئے ہے

عقبےٰ کی نہ کچھ فکر نہ دنیا سے سروکار
جینے کا مزا آپ کے شیدا کے لئے ہے

اللہ کا طالب ہوں وسیلے سے نبیؐ کے
یہ خلد یہ اک حور تو ادنا کے لئے ہے

وہ سنگ کہ جس پر ہے نشانِ قدم اُن کا
آئینۂ عرفان دلِ بینا کے لئے ہے

ہوتے نہ اگر آپ تو دنیا بھی نہ ہوتی
آراستہ یہ گھر شہِ والا کے لئے ہے

لبریز ہو دل کیوں نہ مئے عشقِ نبیؐ سے
یہ شیشہ تو بیخود اسی صہبا کے لئے ہے

وہ ستم آپنے ڈہائے ہیں کہ جی جانتا ہے
ایسے ارمان مٹائے ہیں کہ جی جانتا ہے

رنج وہ ہم نے اُٹھائے ہیں کہ جی جانتا ہے
داغ وہ عشق میں کھائے ہیں کہ جی جانتا ہے

بزمِ دشمن میں نہ پوچھیے ہم سے بتا کیا دیکھا
وہ تماشے نظر آئے ہیں کہ جی جانتا ہے

ہم خدا جانے جئے ہجر میں تیرے کیونکر
دل نے صدمے وہ اُٹھائے ہیں کہ جی جانتا ہے

آج وہ غیر کی محفل سے عدو کے گھر سے
اس طرح روٹھکر آئے ہیں کہ جی جانتا ہے

تیر انداز ترا حسن ترے ناز و غرور
ایسے آنکھوں میں سمائے ہیں کہ جی جانتا ہے

سن کے فریاد مری حشر میں فرماتے ہیں
تو نے وہ فتنے اُٹھائے ہیں کہ جی جانتا ہے

مٹنے والوں کے جو کچھ نام کو باقی تھے نشان
آج یوں اُس نے مٹائے ہیں کہ جی جانتا ہے

آپ کے ظلم و ستم آپ کے قدموں کی قسم
اس قدر دل سے بُھلائے ہیں کہ جی جانتا ہے

آج کہتے ہوئے آتے تھے کہیں سے **بیخود**
جلوے وہ تو نے دکھائے ہیں کہ جی جانتا ہے

دل لیکے کرے انکی بلا بات کسی سے
فرصت ہی نہیں بات کی ہونٹوں کو ہنسی سے

کہدی تھی فقط ہم نے تو اک بات ہنسی سے
الفت ہی کسی سے نہ عداوت ہی کسی سے

ہم جان گئے صلح ہے جس واسطے منظور
تم مار گئے روٹھکے آئے ہو کسی سے

آیا ہے قیامت میں منانے کوئی مجھکو
کس طیش سے غصے سی غضب سے خفگی سے

ناخوش ہی سہی دھیان تو ہے اُن کو ہمارا
ہم خوش ہیں کہ وہ رنج تو دیتے ہیں خوشی سے

ہوتا ہی خفا جب کبھی وہ غیر سے دل میں
اُس وقت کا عالم کوئی پوچھے مرے جی سے

اس رشکِ محبت نے غضب آگ لگائی
جلنے لگے اغیار مرے دل کی لگی سے

سُنتا ہوں سر بزم وہ دشمن کی زبانی
پوشیدہ کوئی راز جو کہتا ہوں کسی سے

جب ہم نے کہا ہم بھی تو عاشق ہیں تمہارے
کس ناز سے فرماتے ہیں وہ اپنے ہی جی سے

یوں بھی کسی کمبخت کو دیتے ہیں تسلی
وعدے کا مزا آپ نے کھویا خفگی سے

کیا فکر ہے **بیخود** جو اٹھاتے نہیں سر بھی
لڑکر تو نہیں آئے ہو تم آج کسی سے

مضطرب ہیں عاشقِ ناشاد سوتے جاگتے
چٹکیاں لیتی ہے اُس کی یاد سوتے جاگتے

کیا اُنہیں بےچین کر دیتا نہ تیرا اضطراب
وصل میں وہ اے دلِ ناشاد سوتے جاگتے

رات دن شام و سحر ہر وقت ہر دم ہر گھڑی
ذکر ہے اُسکا اُسکی یاد سوتے جاگتے

خواب میں آکر ہوا ہے ہمسے وعدہ قتل کا
ظلم ڈھاتا ہے ستم ایجاد سوتے جاگتے

جاگتوں کو تو سُلا دیتی ہے یہ کیسا اثر
تجھ سے تھی امید اے فریاد سوتے جاگتے

خواب و بیداری ہے یکساں اُسکے جلوے کیلئے
دیکھ سکتا ہے دلِ ناشاد سوتے جاگتے

دیکھنا کُھلنے نہ پائے غیر پر رازِ نہاں
مجھکو ہوتا ہے یہی ارشاد سوتے جاگتے

اُس کی چشمِ نیم وا کی خواب و بیداری ہے ایک
چل رہے ہیں ناوکِ بیداد سوتے جاگتے

عمر بھر میں تو نے **بیخود** کام بھی کوئی کیا
یا یُہیں کی زندگی برباد سوتے جاگتے

غمِ فرقت میں دیکھیں کون لیتا ہے خبر پہلے
اجل آتی ہے پہلے یا ہمارا نامہ بر پہلے

چھدے دل پیشتر اپنا کہ زخمی ہو جگر پہلے
لگے ترچھی نظر کی دیکھئے برچھی کدھر پہلے

قیامت میں مقابل لیلی و شیریں کے جم جانا
ہمیں بھی دیکھنا ہے کس پہ پڑتی ہے نظر پہلے

کلیجے سے لگا رکھی ہے میں نے عشق کی دولت
چلے آتے ہیں سینے میں وہی داغِ جگر پہلے

نظر سے پیشتر دل ملگیا کہتے ہیں کیا اس کو
محبت کا ہے یہ دستور ملتی ہے نظر پہلے

ابھی کچھ تھا ابھی کچھ ہے اسی پر ہے طلب دلکی
ذرا قائم تو ہو لیں آپ اپنی بات پر پہلے

وفا ہو گی جفا ہو گی ستم ہونگے کرم ہونگے
اسی کا فیصلہ کر لیجئے قصہ مختصر پہلے

الٰہی خیر غصے میں نکالی تیغ تو اُس نے
غضب یہ ہے لچکتی ہے کلائی سے کمر پہلے

تمہیں بدلے ہوئے ہو کچھ زمانہ تو نہیں بدلا
یہی دن رات تھے پہلے یہی شام و سحر پہلے

ہمیں تو اے اجل الفت میں اپنی جان دینی تھی
ہم اُنکی نذر کر دیتے وہ آجاتے اگر پہلے

ہمیں بیخود نے برسوں میں یہ اک نکتہ بتایا ہی
کہے جب بات کوئی سوچ لے دل میں بشر پہلے

اس دل سے حسینوں کی محبت نہیں جاتی
کیا کیجے مجبور ہیں عادت نہیں جاتی

بیخود کو مقدر کی شکایت نہیں جاتی
بدلی بھی تو کمبخت کی قسمت نہیں جاتی

اک ہاتھ کمر پر ہے تو اک دوشِ عدو پر
تصویر میں بھی اُن کی نزاکت نہیں جاتی

ٹالے سے بلائے شبِ فرقت نہیں ٹلتی
جو آتی ہے آکر وہ مصیبت نہیں جاتی

ہنسنے میں بھی تو نالہ نکل جاتا ہے منہ سے
مظلوم ہوں فریاد کی عادت نہیں جاتی

ہی میرے لہو میں یہ اثر میری وفا کا
ہاتھوں میں جو مل لیجئے رنگت نہیں جاتی

روٹھی ہوئی بیٹھی ہے قیامت نہیں اُٹھتی
وہ آکے چلے گھر شبِ فرقت نہیں جاتی

سنتے تھے بہت وضع کے پابند ہیں بیخود
بازار میں پی لینے کی عادت نہیں جاتی

مل کر رقیب سے تری طینت بدل گئی
شوخی سے وہ حجاب کی عادت بدل گئی

دو نو کی صبح وصل کو حالت بدل گئی
اُن کی نظر پھری مری قسمت بدل گئی

کہتے ہیں اس کو ہجر کہ کہتے ہیں مجھ سے وہ
تیری تو ایک رات میں صورت بدل گئی

روٹھے وہ مجھ سے کیا کہ زمانہ پلٹ گیا
روزِ وصال سے شبِ فرقت بدل گئی

تم اور وعدہ۔ اُس پہ قسم میری جان کی
شاید رقیب سے مری قسمت بدل گئی

بیتاب مجھکو دیکھکے حیران رہ گئے
تمکیں سے آج اُن کی شرارت بدل گئی

غصے میں کہہ رہی ہے زبان اُنکی پلٹیاں
اِک اُٹھ چکی تو اور قیامت بدل گئی

دھبہ لگا دیا تمہیں چاہت نے غیر کی — بدنامیوں سے حُسن کی شہرت بدل گئی

محفل وہی مکان وہی آدمی وہی — یا ہم نئے ہیں یا تری عادت بدل گئی

عہدِ وفا پہ آپ نے کھائی تو ہے قسم — دو چار دن کے بعد جو نیت بدل گئی

یہ کس نے پھول لا کے چڑھائے مزار پر — گلزارِ خلد سے مری تربت بدل گئی

پروانہ شمع بنکے جلا شمع گل بنی — آتے ہی اُن کے بزم کی رنگت بدل گئی

بیخود شراب عشق کی توبہ نہ نبہ سکی — ساقی سے آنکھ ملتے ہی نیّت بدل گئی

برمایا ہے دل تو نے چھیدا ہے جگر تو نے — جب غیر پہ محفل میں ڈالی ہے نظر تو نے

اِس حُسن کو سمجھا تھا کیا حسنِ بشر تو نے — آئینے میں کیا دیکھا انصاف تو کر تو نے

دیکھا جو مجھے مضطر وہ سو نہ سکے دم بھر — کیا ظلم کیا اُن پر اے دردِ جگر تو نے

بھولا نہیں میں ایسا میں خوب سمجھتا تھا — دشمن کو دیا چکما مجھ سے نہ مگر تو نے

پھر مجھ سے لڑا ہوتا پھر روٹھ گیا ہوتا — پھر دیکھ لیا ہوتا نالوں کا اثر تو نے

پروانے کی حالت تھی رخصت کی گھڑی بھر — دیکھا یہ تماشا بھی اے شمعِ سحر تو نے

اُلفت میں یہ رسوائی اغیار کی بن آئی — کیا نام ڈبویا ہے اے دیدۂ تر تو نے

مظلوم کی آہوں سے ڈرنا ہی مناسب ہے — کیوں قتل پہ عالم کے باندھی ہے کمر تو نے

عیاری و مکاری مجھ سے نہیں چلنے کی — دل میرا چرایا ہے لا ہاتھ اِدھر تو نے

ہم دور نہ تھے تجھ سے دشمن کے مقابل تھے — قربان تغافل کے دیکھا نہ مگر تو نے

آنسو نکل آئے ہیں دل کیسے جلائے ہیں — دیکھا ہے جدھر میں نے گھورا ہے جدھر تو نے

نومید کرم ہو کر پھر مے سے بھرا ساغر — اِس آگ کو بھڑکایا اے دامنِ تر تو نے

اب صبر کا کیا رونا اب جان کا غم کیسا
دشمن کو لڑایا ہے دل میرا جلایا ہے
بیمارِ محبت کا جھوٹوں بھی نہ دل رکھا
اس حُسن و نزاکت پر یہ لُوٹ تری خود سر
کچھ عرش سے بڑھنا تھا جب اُس کا پتا ملتا
کیا میری محبت کی کانوں میں خبر پہنچی

دل کھینچ لیا میرا ملتے ہی نظر تو نے
اے بانیٔ شر تو نے اے شعبدہ گر تو نے
لینی تھی خبر تجھکو لی خوب خبر تو نے
غنچے کا دہن چھینا چیتے کی کمر تو نے
اے چشم حقیقت بیں دیکھا نہ اُدھر تو نے
گردن جو اُدھر موڑی لڑتے ہی نظر تو نے

یہ سحر زباں بھی ہے اعجاز بیاں بھی ہے
دیکھا کہ نہیں دیکھا **بیخودؔ** کا ہنر تو نے

یوں بزم میں اُٹھتی ہے نظر قہر و غضب سے
آگاہ ہیں کچھ ایسے وہ دل لینے کے ڈھب سے
کیا رنج اُٹھائے ہیں دلِ عیش طلب سے
پہلے نہ زلیخا نے کہا دستِ طلب سے
پستی میں نظر آنے لگی رفعتِ منزل
یہ داغ یہ صدمے یہ قلق ہمنے اُٹھائے
یارب اُسے تو سودۂ الماس سے بھرنا
بیمارِ محبت کے لئے موت شفا ہے
ہم نے تو انہیں خواب میں دیکھا تھا سحر کو
جُھکتا ہوں جو بوسے کے لئے اُنکے قدم پہ
پڑ کر ترے دامن پہ مرا ہاتھ نہ سرکے

سمجھے کوئی روٹھے ہوئے بیٹھے ہیں وہ کب سے
خالی نہیں انکار بھی تو حُسن طلب سے
کٹنے کو کٹی عمر مگر رنج و تعب سے
یہ دامنِ یوسفؑ ہے نہ بڑھ حدِّ ادب سے
جو خاک نشیں تھے وہی اونچے رہے سب سے
کس واسطے کیا وجہ فقط تیرے سبب سے
جو زخم کہ خالی ہو ترے دردِ طلب سے
نسخہ یہ اُڑایا ہے مسیحا کے مطب سے
غیروں میں یہ چرچا ہے کہ غائب ہیں وہ شب سے
آواز یہ آتی ہے خبردار ادب سے
ہمت کی طلب ہے مجھے اب دستِ طلب سے

وہ دیکھ کے آئینہ کو حیران یہ بولے
ارشاد تو ہو آپ نے چاہا مجھے کب سے

قسمت کا گلا رندوں کو ہوتا نہیں واعظ
دُھل جاتی ہے سب کلفتِ غم آطِب سے

کُھل کھیلے نہ مُشتاق تمنا اُنہیں ڈر ہے
شوخی کو اُبھرنے نہیں دیتے وہ غضب سے

رُکتی ہوئی لڑتی ہے نظر مجھ سے عدو کی
اُٹھتے ہیں تری بزم میں فتنے بھی ادب سے

کیوں سُوچ ہے کیا ختم ہوئیں میری فائیں
پہلی جو نہیں یاد تو گنتے رہو اب سے

اُس رشکِ قمر کو مرے پہلو میں جو دیکھا
خورشید نے مُنہ ڈھانک لیا دامنِ شب سے

بدنامئ عشاق کا ہے پاس یہاں تک
مشہور وہ کرتے ہیں کسی اور لقب سے

آنکھوں سے جو دیکھا ہے تڑپتے ہوئے مجھکو
وہ خواب میں ڈر ڈر کے اُچھل پڑتے ہیں جب سے

کر لیجے رقم اپنے غلاموں میں مرا نام
موقع ہو تو یہ عرض کروں شاہِ عرب سے

باتوں میں تو بیخود سے کوئی جیت نہ سکتا
ہارا ہے اگر قول تو یہ بنتِ عنب سے

پامال نعش کیوں نہ ہو مجھ خستہ حال کی
تعلیم دے رہے ہیں قیامت کو چال کی

کھٹکے گی بعد مرگ بھی حسرت وصال کی
نکلی نہ تم سے پھانس کسی خستہ حال کی

رہ رہ کے یاد آتی ہے شوخی جو چال کی
مِٹ مِٹ گئی ہے قبر تری پائمال کی

ہم کو نہیں ہے تجھ سے ضرورت سوال کی
خود مُنہ سے بولتی ہے تمنّا وصال کی

آئینہ کیا بتائیگا مجھ سے ملاؤ آنکھ
میری نظر کسوٹی ہے حُسن و جمال کی

ہم کیوں نہ سمجھیں ہم بھی ہیں عالم میں ہم کہاں
اپنا خیال ہی غلطی ہے خیال کی

پھیرے لگے ہوئے ہیں تصور میں غیر کے
رہتی ہے روک ٹوک ہماری خیال کی

پردے کی بات کے لئے پردہ ضرور تھا
پہلو میں دل ہے دل میں تمنا وصال کی

اے دل ہماری بات سنے اب تری بلا — ہے دھن لگی ہوئی تجھے اُن کے وصال کی

ارمان وہ نکالنے آئے ہیں نزع میں — کیا لُوٹ مچ رہی ہے مسافر کے مال کی

دل میں وفا ہے ورد ہے اُلفت ہے سوز ہے — فہرست لکھ رہا ہوں یہ میں اپنے مال کی

غصے میں بھی تو اُس نے نچھوڑی ادائی حُسن — ماتھے کی ہر شکن میں ہے صورت ہلال کی

ہم نے جتا دیا تھا کہ دشمن ہے بیوفا — تم سمجھے اِس نے جوڑ چلا اِس نے چال کی

برسوں رہے ہیں حضرت موسیٰ کے ہوش گم — دیکھی تھی اک جھلک ترے حُسن و جمال کی

بچنا تمام عمر تم اِس فاقہ مست سے — دیکھو عدو کی آنکھ ہے بھوکی جمال کی

دل میں چُھپی کبھی آنکھوں میں چھپ گئے — ہوتی ہے اُن سے آنکھ مچولی خیال کی

تم چُھپ کے سات پردوں میں مجھ سے نہ چھپ سکے — آنکھوں سے دور ہیں ہیں نگاہیں خیال کی

جو ابتدا میں ننگ تھے وہ انتہا میں ہیں — تفریق عشق میں نہیں ماضی و حال کی

میں کشتۂ نگاہِ تغافل شعار ہوں — پرسش نہ ہوگی حشر میں بھی میرے حال کی

سب دل کے بھید کھول لئے جس سے جا ملی — اُس شوخ کی نگاہ بھی ہے کس کمال کی

کچھ اِس ادا سے وصل میں روٹھے ہیں آج وہ — برسوں رہیگی ہم کو تمنا ملال کی

دھوکے میں پہلے حضرت واعظ نے پی تو لی — جب نشہ کھل گیا تو بڑی قیل و قال کی

ہم تجھ سے اور تیرے سوا کیا طلب کریں — منظور کب ہے قدر گھٹانی سوال کی

یہ ابر یہ ہوا یہ جوانی یہ فصلِ گل — زاہد ابھی سے تجھکو پڑی ہے مآل کی

ظلم و ستم کے شکوہ پہ شوخی تو دیکھئے — صورت بنائے بیٹھے ہیں وہ انفعال کی

ویران کر کے دل کو اُسے ڈھونڈتے ہیں ہم — صحرا میں جستجو ہے رمیدہ غزال کی

بچنا مریضِ ہجر کا کچھ کھیل تو نہ تھا — برسوں رہا علاج بہت دیکھ بھال کی

جو تجھ پہ مٹ گئے جنہیں تو نے مٹا دیا
وہ لوگ لوٹ لیگئے دولت وصال کی

کچھ اب جو گر کے برق نے تنکے جلا دئے
کچھ آگ آشیانے میں تھی پچھلے سال کی

بیخود کی خامشی کا سبب اُن سے پوچھیے
اِس کو تو کچھ خبر ہی نہیں اپنے حال کی

اُٹھے تری محفل سے تو کس کام کے اُٹھے
دل تھام کے بیٹھے تھے جگر تھام کے اُٹھے

دم بھر مرے پہلو میں اُنہیں چین کہاں ہے
بیٹھے کہ بہانے سے کسی کام کے اُٹھے

افسوس سے اغیار نے کیا کیا نہ ملے ہاتھ
وہ بزم سے جب ہاتھ مرا تھام کے اُٹھے

دنیا میں کسی نے بھی یہ دیکھی ہے نزاکت
اُن سے نہ کبھی حرف مرے نام کے اُٹھے

اُس بزم سے اُٹھکر تو قدم ہی نہیں اُٹھتا
گھر صبح کو پہنچے ہیں کہیں شام کے اُٹھے

جو ظلم و ستم تم نے کئے سب وہ اُٹھائے
اک رنج و قلق ہم سے نہ الزام کے اُٹھے

صدمے تو بہت قید میں جھیلے مرے دل نے
جھٹکے نہ مگر زلفِ سیہ فام کے اُٹھے

ہے رشک کہ یہ بھی کہیں شیدا نہوں اُس کے
تربت سے بہت لوگ مرے نام کے اُٹھے

افسانۂ حسن اُس کا ہے ہر ایک زباں پر
پردے نہ کبھی جسکے در و بام کے اُٹھے

آغازِ محبت میں مزے دل نے اڑائے
پوچھے تو کوئی رنج بھی انجام کے اُٹھے

دل نذر میں دے آئے ہم اک شوخ کو بیخود
بازار میں جب دام نہ اس جام کے اُٹھے

بنگئی صورت غمِ الفت میں لاثانی مری
سیکھتا جاتا ہے آئینہ بھی حیرانی مری

حشر کے دن کام آئی ہے پشیمانی مری
دامنِ مریم بنی آلودہ دامانی مری

خارِ صحرائے جنوں کرتے ہیں مہمانی مری
بارگاہِ عشق کا خلعت ہے عریانی مری

اُس کے جوبن نے اُبھر کر کہدیا یہ صاف صاف
ہیں وہ فتنہ ہوں قیامت بھی ہے دیوانی مری

بیمزہ جینے نے یارب مار ڈالا جیتے جی
تیغ قاتل ہنگئی مجھکو گراں جانی مری

داغ کھانے کیلئے تھا اشک پینے کیلئے
بزم دشمن میں ہوئی کیا خوب مہمانی مری

اب تو معنی آگئے تو من شدی کے فہم میں
پھوٹ نکلی تیرے چہرے سے پریشانی مری

تم نے مجھسے دشمنی کی مقتضا تھا عقل کا
میں نے تم کو دوست سمجھا تھی یہ نادانی مری

اب تقاضا ہی نہیں تصویر اپنی بھیجدو
اس قدر اُن کو پسند آئی ہے حیرانی مری

میں تصور میں پہنچ جاؤنگا بزم یار تک
کر چکے احباب اُلفت میں نگہبانی مری

عرض مطلب پر شب وعدہ ہوا ارشاد یہ
پاس رہکر بھی نہ عادت تو نے پہچانی مری

ہو گئی مقبول ایسی کون سی میری دُعا
آج کیوں اُٹھتی نہیں سجدے سے پیشانی مری

اور سُنیئے رشک دشمن نے بنادی جان پر
قتل کرتی ہے مجھی کو چین پیشانی مری

چھوڑ کر دامن کسی کا پیٹتا ہوں اپنا سر
بڑھگئی جوش زلیخا سے پشیمانی مری

بعد مردن بھی وہی ہے جوش وحشت کی ترنگ
قبر میں کرتی ہیں اب حوریں نگہبانی مری

اُن کو پہلے تو فقط ناز و ادا پر ناز تھا
اب وہ یہ سمجھے کہ صورت بھی ہے لاثانی مری

اس جگر کاوی کی بیخود داد ملجاتی مجھے
زندگی میں یہ غزل سُنتا جو خاقانی مری

تمّت

مطبع نسیم ہندی

ابو محمد علی محفوظ علی

مخمس نعتیہ بر غزل حضرت امیر مینائی مرحوم

قدرت کا تماشا نظر آیا شبِ معراج　　انعام جو مخصوص تھا پایا شبِ معراج
کس شوق سے پہلو میں بٹھایا شبِ معراج　　اللہ نے خلوت میں بلایا شبِ معراج
کیا رتبہ محبوب بڑھایا شبِ معراج

جبریل نے دولھا جو بنایا شبِ معراج　　گیسو نے عجب رنگ دکھایا شبِ معراج
ہر ایک نبی دیکھنے آیا شبِ معراج　　جامہ جو محمدؐ کو پنھایا شبِ معراج
عطرِ گُلِ جنت سے بسایا شبِ معراج

گر پڑتی تھی ہر گام پہ بجلی سے چمک کر　　تھی رُخ کی ضیا برق تجلی کے برابر
حضرت تھے اِدھر اور اُدھر خالقِ اکبر　　ذات آپ کی تھی شان جمالی کی جو مظہر
رحمت نے کیا پھیل کے سایا شبِ معراج

جب عرش پہ تھے عرش کی دیہیم بھی تھے آپ　　بندے تھے مگر لائق تکریم بھی تھے آپ
جھکتے بھی تھے اور قابلِ تعظیم بھی تھے آپ　　احمدؐ بھی تھے اور احمدِ بے میم بھی تھے آپ
یکتائی کا جلوہ نظر آیا شبِ معراج

جو فرق ہے رتبے میں وہ ظاہر ہو نہ نہاں　　یہ حوصلہ یہ ظرف ہی عالم پہ نمایاں
واں دور کی باتوں ہی تسلی ہوئی ہاں ہاں　　واں طور پہ موسیٰ کو تجلی ہوئی اور یاں
اللہ نے پاس اپنے بلایا شبِ معراج

جو عزم کہ تھا دل میں نہ ہوتا تھا مکمل　　یہ حُسن کا تھا رعب کہ تھا جسم معطل
ہر چند کہ دل سینے میں تھا شوق سے بیکل　　اللہ رے پاسِ ادبِ احمدِ مرسل

جبریل نے آنکھوں سے جگایا شبِ معراج

ہر گام تجلی جو سرِ راہگذر تھی　　تنہا شوق اِدھر محویتِ شوق اُدھر تھی
اس بے خبری میں بھی تو ہم سب کی خبر تھی　　کیا امتِ عاصی پہ ترحم کی نظر تھی

بگڑی ہوئی باتوں کو بنایا شبِ معراج

ششدر کوئی صف تھی تو کوئی غول تھا مضطر　　بچھی ہوئی آنکھیں تھیں سرِ راہ برابر
جائے کوئی کس طرح اس انداز سے بچکر　　پس پس گئے دل حوروں کے ایک ایک نگہ پر

آنکھوں میں عجب سرمہ لگایا شبِ معراج

جس پردہ کے نزدیک بھی آیا نہیں جاتا　　انسان کجا وہم کسی کا نہیں جاتا
موسیٰ سے جہاں ہوش سنبھالا نہیں جاتا　　جو جلوہ پسِ پردہ بھی دیکھا نہیں جاتا

بے پردہ وہ جلوہ نظر آیا شبِ معراج

کیوں ٹھیکری کہتے ہو عبث آنکھوں کے اوپر　　انصاف کرو ہم سے ذرا آنکھ ملا کر
دنیا میں ہوا ہے کوئی حضرت کے برابر　　فردوس کے مختار ہوئے شافعِ محشر

عالم کو جہنم سے بچایا شبِ معراج

دانتوں کی چمک رشکِ گہر ہو گئی سب کو　　دامن کی ہوا بادِ سحر ہو گئی سب کو
تعظیم تری مدِ نظر ہو گئی سب کو　　ہفتاد و دو عالم میں خبر ہو گئی سب کو

ڈنکا وہ نبوت کا بجایا شبِ معراج

یہ لطف یہ احسان یہ بخشش یہ عنایت　　ماں کو کبھی بچے سے نہ ہوگی یہ محبت
اللہ رے کرم جب ہوئی اللہ سے خلوت　　عذر اُن کے گناہوں کا کیا واہ رے شفقت

دھیان آپ کو امت ہی کا آیا شبِ معراج

ہم کو یہ نبی بخشا ہی اللہ کا احسان
اُترا ہے اسی گیسووں والے پہ تو قرآن
وہ اپنا بنالیں اسی بیخودؔ کو ہے ارمان
سو جانیں امیرؔ احمدِ بے میم پہ قربان
خلعت احدیت کا بھی پایا شبِ معراج

مخمس بر غزل استادی حضرت نواب فصیح الملک بہادر داغؔ دہلوی مرحوم و مغفور

نہ کس طرح ہوں التجائیں تمہاری
بہت کی ہیں ہیں نے خطائیں تمہاری
مجھے دل سے بہائیں جفائیں تمہاری
قیامت ہیں بانکی ادائیں تمہاری
ادہر آؤ لیلوں بلائیں تمہاری

وہ معشوق کیا جو شرارت سے چوکے
مزا تو یہ ہے بات میں بات نکلے
محبت فقط آزمانے کو ہم نے
جو پوچھا کبھی شغلِ تنہائی اُن سے
کہا گنتے ہیں ہم خطائیں تمہاری

یہ تقریر دشمن کی ہے جا ہلانہ
غلط ہے یہ بدنامیوں کا بہانہ
زبانوں پہ جاری ہے اِن کا فسانہ
زمانہ میں ہیں یادگارِ زمانہ
وفائیں ہماری جفائیں تمہاری

پڑا ہے کوئی وقت جب دشمنوں پر
یہاں بھی ہمیں کام آئے ہیں اکثر
مگر یہ تو معلوم ہو بندہ پرور
ہمیں دوگے انعام کیا روزِ محشر
جو ہم بات بگڑی بنائیں تمہاری

محبت کی لیلےٰ سے ہوں دو دو باتیں
وفا کی زلیخا سے ہوں دو دو باتیں
لبوں کی مسیحا سے ہوں دو دو باتیں
تجلی کی موسےٰ سے ہوں دو دو باتیں

اگر شکل ہم دیکھہ پائیں تمہاری

یہ گانا وہ ہے جس سے ہو موم پتھر
یہ وہ سحر ہے جس سے جن ہو مسخر
پھر اُس پر غضب یہ کہ ہو تم سا دلبر
پھڑک جائے کیونکر نہ انسان سُنکر

رسیلی سریلی صدائیں تمہاری

ہنسی کھیل ہمسے تھے دل کا لگانا
غضب ہے ستم ہے طبیعت کا آنا
یہی حال ہے تو پڑا زہر کھانا
ہمیں بے تمہارے ہے سم آب و دانا

قسم بھی جو کھائیں تو کھائیں تمہاری

کتابِ محبت ہے کچھہ ایسی ویسی
لکھی اس میں باتیں ہیں سب سچّی سچّی
سُنو گے مگر یہ کہو کس کی بیتی
ہر اک داستاں ہے نہایت مزے کی

ہم اپنی کہیں یا سُنائیں تمہاری

یہ کہتے ہیں ہمسے اشارے تمہارے
کرو شرم کے دن سدھارے تمہارے
رہے پردہ اب کیوں ہمارے تمہارے
کریں آنکھہ سے ہم نظارے تمہارے

سُنیں کان سے ہم صدائیں تمہاری

ابھی کہہ چکا ہوں اشاروں میں تم سے
سمجھتے نہیں بات کو ایسے بُھولے
نہیں ڈھنگ اِن خوش نصیبوں کے اچھے
کرو صدقے غیروں کو سر پر سے اپنے

بڑے لینے والے بلائیں تمہاری

یہ اقرار جھوٹے ہیں یہ عہد باطل
بلا ہو مری جھوٹی قسموں میں شامل
ملاقات کا لطف یہ ہے سلے دل
بظاہر محبت جتانے سے حاصل

مجھے کوستی ہیں دعائیں تمہاری

عجب کیا کلیجہ اگر غم سے شق ہو — ہمیں عاشقوں میں کوئی جان بحق ہو
لہو خشک ہو رنگ چہرے کا فق ہو — یقیں ہے کہ اب سے زیادہ قلق ہو
محبت جو ہم آزمائیں تمہاری

وہ آجائیں دم میں نہیں ایسے غافل — اُنہیں راہ پر لائے تھے ہم بمشکل
یہ ہوتا ہے بیہودہ باتوں کا حاصل — وہ گھبرا گئے آخر اے حضرتِ دل
کہاں تک سنیں التجائیں تمہاری

اثر بے قراری میں جب کچھ نہ پایا — ستم کیش نے اور بھی دل جلایا
شرارت نے مضمون کیا سمجھایا — شبِ غم وہاں سے یہ پیغام آیا
اثر کر چکیں بس دعائیں تمہاری

محبت میں دیکھے نہ تھے یہ تماشے — کھڑے ہوتے ہیں رونگٹے حال سن کے
کوئی ان کو **بیخود** کے دل سے تو پوچھے — اُٹھائے ہیں صدمے بہت **داغ** تم نے
الٰہی مُرادیں بر آئیں تمہاری

دیگر

میری تقصیر ہے کیا یہ تو جتا دو مجھکو — میں اگر بھول گیا ہوں تو پتا دو مجھکو
کہنے سننے پہ کسی کے نہ سزا دو مجھکو — تم کو چاہا تو خطا کیا ہے بتا دو مجھکو
دوسرا کوئی تو اپنا سا دکھا دو مجھکو

اک مجھی سے تو نہیں تم کو پڑا ہے پالا — غیر سے بھی تو ملاقات ہے بالا بالا
تم نے تو خوب زمانے کو ہے دیکھا بھالا — کون ہوتا ہے کڑی بات کا سہنے والا
گالیاں تم کو سکھا دیں یہ دعا دو مجھکو

ایسی کیا گوں ہے جو بِن گر کے کرو نکا سودا
آنکنے والوں نے جو مول بتایا وہ کہا
جا نچنے بھی تو نہ پائے کہ بتا کر مہنگا
دل مرا ہاتھ میں لیتے ہی الگ پھینکدیا

مال ایسا نہیں لاؤ اٹھا دو مجھکو

اپنی ہستی سے نہ غافل دلِ ناشاد رہے
ہو کے مغرور نہ مٹی کہیں برباد رہے
اِس خرابے کی وہاں بھی کوئی بنیاد رہے
باغِ فردوس میں بھی بوئے وطن یاد رہے

عطر مٹی کا دمِ مرگ سنگھا دو مجھکو

ڈہنگ یہ ٹھیک نہیں ہوش میں آؤ دیکھو
حسرتیں خاک میں میری نہ ملاؤ دیکھو
گر میاں ہو چکیں بس جی نہ جلاؤ دیکھو
غیر کو دستِ حنائی نہ دکھاؤ دیکھو

گر لگانی ہے تمہیں آگ لگا دو مجھکو

تم کہو یا نہ کہو میں نے تمہیں جان لیا
تم وہی شخص ہو جس نے مرا ایمان لیا
فایدہ کیا ہے مکرنے سے کہو مان لیا
تم کو تو حشر کے دن لاکھ میں پہچان لیا

میں بھلا کون ہوں میرا کو پتا دو مجھکو

یوں پلٹ جاتی ہو دم بھر میں طبیعت دیکھو
دیکھنے والو اِسے کہتے ہیں نفرت دیکھو
یہ مصیبت یہ تباہی یہ قیامت دیکھو
زہر بھی وہ نہیں دیتے مری قسمت دیکھو

جھوٹے منہ بھی جو کہوں پان لگا دو مجھکو

حیف جاگا ہوا جب اپنا مقدر سوئے
وصل میں پھر کوئی آرام سے تھکر سوئے
حکم تھا آج نہ گھر میں کوئی دم بھر سوئے
وہ جو سوئے بھی شبِ عدہ یہ کہکر سوئے

جب وہ آئے تو اُسی وقت جگا دو مجھکو

عمر بھر اب نہ گرفتار بلا ہوں ہرگز
ہو محبت تو محبت نہ نبا ہوں ہرگز

قول سے اپنے پھرو تم میں نہ پھرا ہوں ہرگز   اب خدا چاہے تو میں تم کو نہ چاہوں ہرگز
پھر یہ تقصیر ہو مجھ سے تو سزا دو مجھکو

مجھکو کیا میں تو تمہارے ہی لئے کہتا تھا   لوگ جانینگے برا تم کو جب اچھا ہوگا
ابھی سوچو تو مرا قول ہے بیجا کہ بجا   دل میں سو شکوۂ غم پوچھنے والا الیا
کیا کہوں حشر کے دن یہ تو بتاو مجھکو

پہلے اک شخص پہ کچھ یونہیں سا ہوتا تھا گماں   چار دن بعد مگر پھر اُسے دیکھا تو کہاں
میں نے تو دیکھ لیا ڈھونڈ لیا سارا جہاں   مجھکو ملتا ہی نہیں مہر و محبت کا نشاں
تم نے دیکھا ہو کسی میں تو بتاو مجھکو

کم تو ہو جائیگی تدبیر سے وحشت دل کی   یہ تو مانا کہ بدلتی نہیں قسمت دل کی
اُن کو معلوم تو ہو جائے حقیقت دل کی   ہمدمو اُن سے میں کہہ جاؤنگا حالت دل کی
دو گھڑی کے لئے دیوانہ بنا دو مجھکو

فکر و تشویش ہے کیوں سوچ یہ کیوں آتا ہے   میں تمہیں چھوڑ دوں ایسا بھی کہیں ہوتا ہے
جان بچ جائے تو نقصان تمہارا کیا ہے   بے مروت دلِ بیتاب سی ہو جاتا ہے
شیوۂ خاص تم اپنا ہی سکھا دو مجھکو

مجھ سے کہتا تھا ابھی راہ میں اک راہ نشیں   آج محفل سے نکالا گیا وہ دشمن دیں
آکے اخلاص میں بیخود سے یہ پوچھا تھا کہیں   تم بھی راضی ہو تمہاری بھی خوشی ہے کہ نہیں
جیتے جی **داغ** یہ کہتا ہے مٹا دو مجھکو

مخمسِ غزل صاحبزادہ محمد شبیر علیخان صاحب شبیر شاگرد حضرت داغ و مصنف

چہرہ پھر کچھ خود بخود مُرجھا گیا ‌ ‌ میری قسمت پھر کسی کا کیا گیا
پھر سدھارا صبر پھر غم چھا گیا ‌ ‌ بیٹھے بیٹھے پھر کوئی یاد آگیا
کیا تصور تھا کہ دل تڑپا گیا

اس لبِ ہرزہ سرا کا کیا گیا ‌ ‌ وہ خجل ہو مجھ سے کب دیکھا گیا
جا گرا قدموں پہ اُس پر چھا گیا ‌ ‌ جب شکایت سُن کے وہ شرما گیا
مجھکو اُس پر اور بھی پیار آگیا

چین سے سوتے رہے وہ رات بھر ‌ ‌ اُن کو کیا معلوم اُن کو کیا خبر
کس طرح سے میں نے کاٹی ہی سحر ‌ ‌ کہتے ہیں بیہوش مجھکو دیکھکر
کیوں مرے جاتے ہو لو میں آگیا

یاد ہے مجھکو وہ قصہ طور کا ‌ ‌ صاعقے کا بیچ میں پردہ رہا
تھے پیمبر اُن کا دل بھی رکھدیا ‌ ‌ سچ تو یہ ہے تیرا جلوہ ہی نہ تھا
چشم موسےٰ سے جو یوں دیکھا گیا

ناز تھا اپنی عبادت پر غضب ‌ ‌ وہ ہوئے شامل گنہگاروں میں کب
یاد تھا کب عاجزی کا اُن کو ڈھب ‌ ‌ میری بخشش سے چلے زُہّاد سب
ابرِ رحمت آگ سی برسا گیا

اُن کو فرصت کب ہے مے کے دور سے ‌ ‌ وہ بُرے ثابت ہوئے ہر طور سے
کل یہ **بیخود** نے سُنا اک اور سے ‌ ‌ سب میں رسوا ہیں وہ رسم جور سے
تو بتا **شبّیر** تیرا کیا گیا

رباعیات در تہنیت سال نو

بدخواہ ہمیشہ رہے تیرا دل تنگ
ہر وقت ہی بیخود کی دعا خالق سے
عشرت کی تجھے نوید ہو اے روزویر
ہر شب ہو شب برات ہر دم ہو خوشی
ہے ڈے کی تو خوبی کا بیاں ناممکن
الفت کی لیاقت کی وفاداری کی
اس سال کی ہر گھڑی خوشی سے گذرے
مس ہینگ کو دیتا ہے دعائیں بیخود

غم تجھ سے رہے دور ہزاروں فرسنگ
یہ سال نیا تجھکو مبارک اے ہینگ
یہ سال نیا سعید ہو اے روزویر
ہر روز تجھے عید ہو اے روزویر
لکھے جو صفت کلک زباں ناممکن
ممکن نہیں تعریف ہو ہاں ناممکن
گذرے جو گھڑی اسی خوشی سے گذرے
یہ سال نیا ہنسی خوشی سے گذرے

رباعی در توصیف جناب حاذق الملک حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب

بخشا ہے عجب دست شفا یزداں نے
بیخود کا تو ہو چکا تھا بس کام تمام
انصاف یہ ہے کام کیا درماں نے
چھینا ہی اجل کے منہ سے اجمل خاں نے

قطعات

قطعہ تاریخ تولد فرزند ارجمند مولوی محمد حسین صاحب محمد تخلص رئیس بسارہ ریاست بھرتپور

وہ محمد کہ جسے شان محبت لکھوں
وہ وفاکیش کہ ثانی نہیں جس کا پیدا
وہ محمد جسے الفت کا کہوں میں مصدر
دوست وہ دوست کہ سب دوستوں کا سر دفتر

پاک دل پاک نظر پاک روش پاک نہاد
اُس کو اللہ نے بخشا ہی پسر ماہ جمال
مژدہ لائی جو صبا اُس کے تولد کا یہاں
نام کا نام ہے تاریخ کی تاریخ ہے یہ

نیک خو نیک نفس نیک چلن نیک سیر
نخلِ امید میں تازہ نظر آیا ہے ثمر
اُس کی تاریخ یہ بیخود نے لکھی خوش ہو کر
تم کو مسعود و مبارک ہو ہمایوں اختر ۱۳

قطعہ تاریخ عطائے خطاب حاذق الملک ارسطوئے زمان افلاطون دوران ابوسعید جناب محمد عبدالمجید خانصاحب مرحوم و مغفور

حاذق الملک کا خطاب دیا
رہے آباد شاہِ انگلستاں
نام عبدالمجید خاں اِن کا
جانتا ہے ہر ایک پیر و جواں
آپ پر ختم ہو گئی خوبی
آپ کا خاندان فخرِ جہاں
آپ کی رائے آپ کی تشخیص
آپ کا نسخہ آپ کا درماں
ہم نے مانا کہ اور بھی ہیں طبیب
لاکھ ہوں آپ سا حکیم کہاں
آپ کا لطف ہی مدارِ حیات
آپ ہی ملکے جیتے ہیں انساں
آپ کا خلق خلق کے حق میں
بنگیا صاف چشمۂ حیواں
جاں بلب آپ نے سنبھالی ہیں
ملک الموت آپ سے ترساں
قوم میں آپ کی ہر روح پھونکی
قوم کی جان آپ پر قرباں
مدرسہ آپ نے کیا جاری
آپ سا کون ہو گا فیض رساں
اینٹو دلی کا ہر گلی کوچہ
آپ کے دم سے بنگیا یوناں
آپ کی مدح پھر زباں میری
آپ کا وصف پھر نہ ہچمداں

سنئے بیخود سے مصرعِ تاریخ | حاذقِ ملک و عیسیٰ دوراں
۱۶ ۱۳ ہجری

تاریخ ترقیم واسوخت حضرت مختار شاگرد استادی حضرت داغ مرحوم مغفور

نوشت است مختار واسوختے
چو از جورِ شوخی دلش سوختے
چو آمد بمن مژدۂ ایں کتاب
دلم گفت ہاں بہرِ سالش شتاب
ندا آمد از غیب بیخود شنو
گلستان نازک خیالی بگو ۱۸ ۱۳
خوب واسوخت لکھا گیا کہنا
ہم نے دیکھی نہیں ایسی تحریر
صاف کاغذ پہ نظر آتی ہے
بیحجابانہ ستم کی تصویر ۱۸ ۱۳ھ

قطعہ تاریخ طبع دیوان منشی جگناتھ شوق شاگرد شاعر دہلوی

مژدہ اے بلبلانِ باغِ سخن
مشتہر گشت گلفشانیٔ شوق
طوطیانِ چمن خموش شوند
نبود سہل ہمز بانیٔ شوق
رمز دانِ سخن ہمیں دانند
قیمت و قدر نکتہ دانیٔ شوق
حُسن را ترجمان چو او نبود
کس نگوید چو او معانیٔ شوق
شاعرے نیست شوق را مانند
خود بود شوق مثل و ثانیٔ شوق
عرض حال است مقصدہ بیخود
قصد او نیست مدح خوانیٔ شوق
گفت تاریخ طبع دیوانش
میتواں دید خوش بیانیٔ شوق ۱۰ ۱۹

قطعہ تاریخ طبع دیوان مولانا عبدالرحمٰن راسخ مرحوم

خدا بخشے عجب طرزِ بیاں تھی — فصاحت تھی بلاگردانِ راسخ
معانی یاب پائی تھی طبیعت — بلاغت دل سے تھی قربانِ راسخ
جوانی میں سدھارے سوئے جنت — بندھا تھا موت سے پیمانِ راسخ
چھپا یہ دوسرا دیوان اُن کا — یہی باقی تھا اک ارمانِ راسخ
لکھی **بیخود** نے یہ تاریخ اسکی — ہے گلزارِ سخن دیوانِ راسخ

۱۵ ۱۹ع

قطعہ تاریخ طبع کتاب مزاراتِ اولیائے دہلی مؤلفہ مولوی محمد شاہ صاحب فریدی

المتخلص بہ یکتا

نغز گو ایسا کہاں ایسا مورخ ہی کہاں — خوب ہی لکھی ہے یکتا نے یہ زیبا تاریخ
مٹنے والوں کے نشاں اس نے کئے ہیں پیدا — ہے جہاں کے لئے اعجازِ مسیحا تاریخ
جو نشانات تھے پہلے وہ ہوئے سب معدوم — اب بتاتی ہے نیا اُن کا ٹھکانا تاریخ
جس کو معلوم نشاں ہو نہ کسی مرقد کا — رہنمائی کو ہے اُس کی یدِ بیضا تاریخ
کھولتی حال ہے دنیا میں خدا والوں کا — رمزِ درویشوں کا کرتی ہے یہ افشا تاریخ
یہ نتیجہ ہے مؤلف کی جہاں گردی کا — ورنہ کچھ سہل نہ تھا ایسی جو لکھتا تاریخ
کچھ صلے کی نہیں امید مولف کا ہی قول — لکھ رہا ہے یہ مرے دل کا تقاضا تاریخ
داد ہے قدر تو ناقدری ہے اس کی بیداد — اہل انصاف سے رکھتی ہے تمنا تاریخ
اب تو سب مٹ گئے مٹنے کے نشاں بھی اپنے — خاص اک وقت میں تھا علم ہمارا تاریخ
شغل دنیا میں جو اچھا ہے کتب بینی ہے — کام مشکل ہے جو کاموں میں وہ ہے گویا تاریخ
ہند کو فخر ہے جس پر وہ یہی دلی ہے — ہے یہاں کی تو ہر ایک خاک کا ذرا تاریخ

Supplied by

سال تاریخ میں کیوں فکر ہو اتنی بیخود — زیب دیتا ہے جو لکھدیجئے عمدۂ تاریخ

۳۰ ۱۳ھ

قطعہ در توصیف عالیجناب حکیم محمد واصل خانصاحب مرحوم

مردے جی اُٹھتے ہیں بیمار شفا پاتے ہیں — اب ہیں عالم میں مسیحا کی جگہ واصل خاں

منکشف ان پہ دوا کا ہے مزاج اور خواص — اِن پہ ظاہر ہے طبابت کا ہر اک راز نہاں

ماہیت سے یہ نباتات کی پورے واقف — خاصیت اِن پہ جمادات کی ساری ہے عیاں

سنکھیا بھی یہ اگر دیں تو وہ اکسیر بنے — ان کو معلوم ہے سب زہر کا نفع و نقصاں

ایک انگلی سے یہ تشخیصِ مرض کرتے ہیں — اِن کی انگلی پہ ہیں سو نبض کے آئے قرباں

ان کا ہر نسخہ ہے چلتا ہوا حب کا تعویذ — اِن کا دم بھرتا ہے دنیا میں ہر اک پیر و جواں

ان کی تدبیر کے قائل نہ ہوں کیوں اہل فرنگ — ہے کوئی اور سوا اِن کے مسیحائے زماں

یہ وہ ہیں پڑھتے ہیں ہندو بھی تو کلمہ ان کا — یہ وہ ہیں بید بھی لے آئے ہیں ان پر ایماں

ان کے اخلاق کی تعریف نہیں ہو سکتی — اِن کے اشفاق و عنایت کا نہیں ہے پایاں

فخر دلی کو انہیں سے تو ہوا ہے حاصل — اِن ہی کی ذات پہ ہے آج زمانہ نازاں

یاد ہیں اِن کو بہت ایسے شفا کے نسخے — جنسے باقی نہیں رہتی ہے مرض کی بنیاں

قاف ہیں ان کی ہے شہرت یہ خبر جھوٹ نہیں — میں نے آتی ہوئی دیکھی ہیں مطب میں پریاں

ان کی دہلیز بتوں کے لئے مسجود بنی — ان کی چوکھٹ کے سلامی ہیں حسینانِ جہاں

تندرستوں کے لئے انکی محبت ہے مرض — ان کے بیمار کو بے انکے بھلا چین کہاں

ہند سے تا بہ عرب دھوم ہے کن کی اِن کی — دہوم سے دہوم ہوئی ہند سے تا انگلستاں

ان کی توصیف کی کچھ مجھکو نہیں ہے حاجت — یہ تو عالم میں ہیں مشہور عیاں را چہ بیاں

شاد و آباد رکھے اُن کو خداوند کریم | ایک بیخود بھی دعاگو ہے ہزاروں میں جہلی

قطعہ تقریظ دیوان مولوی محمد عبد الحی صاحب بیخود بدایونی

رات کے خوابکا کیا حال سُناؤں بیخود | جو نہ دیکھی تھی کبھی آئی ہے وہ سیر نظر
ہائے کیا سیر تھی کیا لطف تھا کیا صحبت تھی | رشک آتا ہے مجھے حال سناؤں کیونکر
چاندنی چٹکی ہوئی اور سہانا جنگل | ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوا صبح کی وہ نورِ سحر
وہ فضا سبزہ کی وہ فصل بہاری کا سماں | وجد کے حال میں مصروف وہ ہر ایک شجر
موجیں کرتی ہوئی پھرتی تھی ہوا مثلِ نسیم | شاخِ گل کی بھی نزاکت سے لچکتی تھی کمر
جب نظر سبزے پہ پڑتی تھی نظر آتا تھا | فرش بچھا ہوا مخمل کا سرِ راہگذر
بخت جاگا ہوا تھا سبزۂ خوابیدہ کا | سیر کے واسطے نکلا تھا جو سعدِ اکبر
جوش زن موج فرا بادِ سحر سے بھی سوا | چشموں میں آبِ خضر نہروں میں آبِ کوثر
سیر کرتا ہوا کچھ اور جو آگے پہنچا | نظر آیا مجھے اک قصر فلک کا ہمسر
پاس جا کر اُسے دیکھا تو یہ معلوم ہوا | اس میں رہتا ہے کوئی ہے یہ کسی کا منظر
مجھکو حیرت کہ الٰہی یہ مکاں کس کا ہے | اسی حیرت میں بہت دیر رہا میں ششدر
عقل کہتی تھی قدم اب نہ بڑھانا آگے | دلِ بیتاب یہ کہتا تھا کہ چلیئے اندر
باریابی کے لئے سوچ ہی کیا فکر ہے کیوں | روکنے والا تو بیٹھا نہیں کوئی در پر
اتنے میں ایک پریوش نظر آئی ناگاہ | لیگئی مجھکو بلا کر وہ پس پردۂ در
اُس کی تعریف میں قاصر ہے زبانِ خامہ | میں نے دیکھا نہیں اس شکل کا دنیا میں بشر
شوخ طرار طرحدار ستمگر آفت | لب میں اعجاز نہاں آنکھ میں جادو کا اثر

کچھ لڑکپن کے وہ دن کچھ وہ جوانی کی نمود
سرو و نخل ثمر ور کی طرح بار آور

آنکھ وہ شوخ کہ دیکھے سے سمائے دلمیں
جلوہ وہ برق کہ جس پر نہ ٹھہرتی تھی نظر

حُسن میں ناز نہاں ناز میں اک کبر و غرور
آنکھ سے شرم عیاں شرم سے نخوت اظہر

اُس چھپائے ہوئے سینے میں غضب کا عالم
اُن چُرائی ہوئی نظروں میں ستم کا جوہر

ظلم میں رحم تغافل میں حیا کا انداز
آنکھ سے دور تصور میں ہر اک خستہ جگر

سُرمہ گیں آنکھوں میں ظالم کی گلابی ڈورے
بال بکھرے ہوئے زلفوں کے اِدھر اور اُدھر

لبِ نازک پہ وہ کچھ پان کا لاکھا کم کم
ہاتھ میں چھوٹی سی تلوار شکن ماتھے پر

رخِ پر نور پہ زلفوں کو ہوا سے جنبش
سانس کے ساتھ نزاکت سے لچکتی تھی کمر

دلربائی کی اداؤں میں غضب کی مشاق
لطف باتوں سے اشاروں میں زیادہ بڑھ کر

میں نے پوچھا کہ ترا نام ہے کیا کون ہے تو
ناز و انداز سے ظالم نے کہا یہ ہنسکر

ایسے مدہوش کہ اتنا بھی نہیں ہوش تمہیں
اس قدر بے خبری یہ بھی نہیں تم کو خبر

آپ کا حُسن طبیعت ہے مرا حسن و جمال
نام نامی ہے مرا آپ کی فکر اطہر

میں نہ ہوں پاس تو اک شعر بھی تم کہہ نہ سکو
آزما دیکھو اگر تم کو نہیں ہے باور

میرے ہی دم سے ہے عالم میں سخن کی شہرت
میری امداد سے ہوتا ہے بشر نام آور

جانتے ہیں مجھے سب مبدۂ فیاض ہوں میں
نہیں اُستاد جہاں میں کوئی مجھ سے بڑھ کر

تابعِ حکم مرا طوطیِ نیشاپوری
خامۂ بلبلِ شیراز مرا دست نگر

لونڈیاں جدت و جودت ہیں مرے گھر کی دونو
ذہن کہتے ہیں جسے وہ مرا ادنا چاکر

تجھکو تکلیف جو دی میں نے یہ تھا اس کا سبب
تیرے اک دوست کا چھپتا ہے کلام اطہر

نہیں دیوان اسے گلدستۂ معنی کہیے
نہیں دیوان یہ ہدیہ ہے پئے اہلِ نظر

نہیں دیوان محبت کا یہ افسانہ ہے
نہیں دیوان رگ جاں کیلئے ہے نشتر

جلوۂ شاہدِ معنی نظر آنے ہی کو ہے
اب ہوا چاہتا ہے چاک مخالف کا جگر

مخزن لطف و کرم معدن اشفاقِ اتم
وہی ہمنام ترے تیرے عنایت گستر

وہی بیخود ترے استاد کے شاگرد رشید
وہی استاد زماں فخرِ جہاں نیک سیر

شعر گوئی میں نہیں آج کوئی اُن کا نظیر
شعر فہمی میں نہیں اب کوئی اُن سے بہتر

مر گئے اُن کی غزل دیکھ کے حاسد لاکھوں
تیغ فولاد کا ہے اُنکے قلم میں جوہر

اُن کے ہر شعر میں ہی حضرت اُستاد کا رنگ
اُن کا دیوان نہ کس طرح ہو رشکِ دُرر

چار سو شہرہ ہی اب اُنکی سخن گوئی کا
اُن کی تقریر میں تحریر میں جادو کا اثر

نغز گوئی میں بلاغت میں ادا بندی میں
بعد اُستاد کے کوئی نہیں اُن کا ہمسر

سن کے یہ خوشخبری خواب سے بیدار ہوا
پھر کہاں نیند کہاں نیند کا آنکھوں میں اثر

لے کے قرطاس و قلم میں نے یہ لکھی تقریظ
یاد تھیں مجھکو جو سب خواب کی باتیں ازبر

خوش رہے شاد رہے اس کا مصنف یارب
عیش دمساز رہے اور مقدر یاور

قطعۂ جشن سالگرہ اعلیٰ حضرت سکندر شوکت دارا حشمت ہز میجسٹی شاہنشاہ ایڈورڈ ہفتم دام اقبالہٗ

ہے جشنِ سالگرہ ایڈورڈ ہفتم کا
خجستہ فال ہی یہ سال نیک فال گرہ

شہر یک بزم ہوئے آ کے مختلف احباب
دلوں کی کھل گئی یارب ذو الجلال گرہ

چمک کا نیرِ اقبال کی یہ ایما ہے
جو کہکشاں ہو کلاوہ تو مہ جمال گرہ

بقائے شاہ سے اس کی بھی عمر بڑھ جائے
رہے جہان میں قائم ہزاروں سال گرہ

فدا ہے شاہ کے اقبال پر دل و جاں سے
زبانِ لال سے کرتی ہے عرض حال گرہ

نظیر اس کی ہے نایاب چشمِ گردوں میں
یہ لاجواب گرہ ہے یہ بےمثال گرہ

یہ عہد وہ ہے کہ ٹوٹا نہ عہد بھی جس میں
کرے دلوں کی نہ کس طرح دیکھ بھال گرہ

رہیگی ظلِ حمایت میں عمر بھر شہ کے
بچی ہے گردشِ دوراں سے بال بال گرہ

بگاڑ سکتے ہیں کیا اس کا حادثاتِ جہاں
کہ عمرِ خضر کی صورت ہے بے زوال گرہ

ازل سے باندھ رکھی ہے گرہ میں عمرِ ابد
اسی سبب سے ہے ایسی مرفہ حال گرہ

عدو کی آنکھ میں دل میں جگر میں سینے میں
کھٹکتی رہتی ہے برچھی کی بنکے بھال گرہ

شمارِ عمر سے سلطاں کے بڑھ گیا رتبہ
بنی ہے دانۂ تسبیح خوشخصال گرہ

گرہ میں کیسۂ گوہر کے اب نہیں گوہر
عطا و بذلِ شہنشہ پہ ہے یہ دال گرہ

ہر ایک غنچے کی مٹھی میں زر نظر آیا
نسیمِ صبح نے کھولی جو بے خیال گرہ

دعائیں دینے میں سب ہوں شریک بیخود سے
مری زباں سے کرتی ہے یہ سوال گرہ

زیادہ شاہ کا اقبال و عمر و دولت ہو
عدو کے واسطے ہو باعثِ زوال گرہ

ہزاروں سال رہیں ہمسفر یہ دلی میں
اسی طرح سے ہو ہر سال جشنِ سال گرہ

قطعہ تقریب جلسۂ تہنیت خطاب حاذق الملک حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب

حاذق الملک کا ملتا تمہیں کیونکر نہ خطاب
نام اعجاز ہے جس کا وہ سراپا تم ہو

آپ اپنی ہو نظیر آپ ہو تم اپنا جواب
یعنی اس عالمِ ایجاد میں یکتا تم ہو

شہرتِ عام ہے دعوے پہ دلیلِ روشن
خاص نکتہ ہے کہ یکتائی کا دعویٰ تم ہو

سب طبیبوں کو ہے تقلید تمہاری لازم
مسند آرائے شہنشاہِ اطبا تم ہو

حسنِ اخلاق بھی ہے دستِ شفا کے شامل
چشمِ عالم کے لئے آنکھ کا تارا تم ہو

دیکھ کر جیتے ہیں بیمار تمہارے تم کو
اپنے بیمار کے جینے کا سہارا تم ہو

نبض پر ہاتھ رکھا اور مرض کھسکے ہٹا
میں نے پہچان لیا ہے تمہیں اچھا تم ہو

نہیں حکمت سے کوئی بات تمہاری خالی
کس قدر عاقل و فرزانہ و دانا تم ہو

بھاگ جاتی ہے اجل نام تمہارا سنکر
ملک الموت ہی کیوں معرکہ آرا تم ہو

تم سے لقمان و ارسطو کو بھلا کیا نسبت
چشمۂ فیض تھے وہ فیض کا دریا تم ہو

علم و اخلاق و کرم نے جسے ڈھونڈا تم تھے
جاہ و اقبال و حشم نے جسے تاکا تم ہو

صاف باطن بھی ہو اُتنے ہی خدا ہے آگاہ
جس قدر دیکھنے میں آئینہ سیما تم ہو

آج اس باغ میں رونق ہے تمہارے دم سے
دیکھ لو زیبِ وہ بزمِ احبا تم ہو

جانتے بھی ہو یہ بیخود کی دعا کا ہے اثر
اِس کے ممدوح مگر شکر خدا کا تم ہو

تم سلامت رہو آباد رہو شاد رہو
بزمِ احباب جہاں ہو طرب افزا تم ہو

چشم بد دور زمانے کی نظر ہے تم پر
حاذق الملک ہی کیا مال مسیحا تم ہو

قطعہ بتقریب تجویز وصول چندہ بنا بر قحط زدگان بہ شکریہ جناب صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر دام اقبالہ

ہمفریز آپ کے اخلاق کی تعریف محال
خوبیوں کی نہ کوئی حد نہ بھلائی کا شمار

آپ کی مدح کو جانچا تو قلم ہے قاصر
آپ کے وصف کو تولا تو زباں ہے بیکار

آپ کی وضع سے ہوتی ہے شرافت ظاہر
آپ کی بات میں ہے رحمدلی کا اظہار

آپ کے خلق کی تعریف نہیں حدِ بشر
سو زبانیں ہوں تو پوری نہ صفت ہو زنہار

آپ کے نام کی جپنی ہی زباں پر سب کی
آپ کے نام پہ آتا ہے زمانے کو پیار

کونسا دل وہ ہی جو آپ کا مشکور نہیں
کونسی ہی وہ زباں جو نہ ہوئی شکر گذار

آپ کے آتے ہی دلی کا نصیبا جاگا
آپ کے دم سے پھر آباد ہوا اُجڑا دیار

آپ کے ظلِ حمایت میں جو آیا یہ شہر
دیکھنے کو بھی تو باقی نہ رہا کچھہ ادبار

اپنی تقدیر کے لکھے کو کرے کیا کوئی
مہرباں آپ ہیں دشمن ہی یہ چرخِ دوّار

اِس کی تخلیق میں ہے خلق کو ایذا دینی
یہ تو رہتا نہیں جب تک نہ دے کچھہ آزار

عین کربال میں ظالم نے لگایا غلّہ
سچ ہے یہ قول کسی کا کہ بشر ہی ناچار

جو گذرتی ہی غریبوں پہ وہ سنئے مجھہ سے
داستاں قوم کی ہی میری زبانی سرکار

بے اجل قحط نے لاکھوں کا کیا کام تمام
ملک میں پھیل گیا فاقہ کشی کا آزار

کچھہ نہیں پر نہیں رہی پیٹ کا رونا ہر سو
بھوک کی چار طرف سی چلی آتی ہی پکار

رمضان کا بھی مہینہ نہیں کیا بات بنے
شام کو روزہ بھی ہو جاتا ہے آخر افطار

کھانا ملتا نہیں محتاج کو دو دو دن بھی
اور مشکل یہ ہی جینے کا ہے کھانے پہ مدار

پیٹ پر باندہ کے پتھر تو نہیں جی سکتے
ان کا کیڑا ہے بشر اس سے نہ ہوگا انکار

آپ نے ڈوبتی کشتی کو سنبھالا کیا خوب
ایسے منجدھار میں ایسی ہی مدد تھی درکار

ہیں محرک عملِ خیر کے مسٹر ٹامس
ان کی توصیف بھی ہے کلک نے یانکو درکار

نام ان کا بھی زبانوں پہ رہیگا جاری
ہی بھی خواہوں میں اس ملک کے انکا بھی شمار

ہوتا ہے کوئی احسان یہ مرتے دم تک
لکھہ گیا دل پہ خلائق کے یہ بذل و ایثار

ختم اب نظم کو کرتا ہے دعا پر بیخود
اس کو غافل نہ سمجھئے یہ بہت ہے ہشیار

دولت و ثروت منصب میں ترقی ہو سوا
عیش و مساز سے ہے دور رہیں سب افکار

خضر کی عمر ملے بخت سکندر ہو عطا
آپ دلشاد ہوں بدخواہ رہیں سینہ فگار

آپکے دل میں جو ہوں۔ ہوئیں مرادیں پوری
جو طلب آپ کریں دے وہ خدائے غفّار

قطعہ بشکر گذاری آنبہ قلمی عطیہ مولانا سید محمد قطب الدین والا وی علی منّا المتخلص بہ طرزی فوجدار ریاست الور

آم بھیجے جناب طرزی نے
یہ عنایت ہے خاص حضرت کی

کیوں نہ یہ خوشگوار و شیریں ہوں
چاشنی ان میں ہی محبت کی

جان قربان ان کی خوشبو پر
آنکھ شیدائی ان کی نگہت کی

ان پہ پڑکر نظر نہیں اٹھتی
ان میں ہی دلکشی قیامت کی

سوچتا ہوں کہ کیا لکھوں تعریف
ان کی بو باس ان کی لذت کی

جانِ آدم ہی ان کا شیرہ کیا
پہل نے پیدا جو دلکی صورت کی

دیکھنے میں یہ ساغرِ مُل ہیں
خاصیت انمیں جامِ وحدت کی

دانت رکھتے ہیں ان پہ کام و زبان
آنکھہ پڑتی ہے ان پہ حسرت کی

ان کی اک قاش بھی ملی جس کو
کھائیں سوگند اُس کی قسمت کی

گٹھلیوں کی صفت بھی سُن لیجے
لو ہے ہر ایک شمعِ اُلفت کی

خام ہیں آم جس قدر ان میں
کیریاں ہیں یہ باغ جنت کی

ایک سو دس ہیں دانے گنتی میں
حد بھی ہی کوئی اس عنایت کی

یہ دعا گو ہی آپ کا بیخود
کیوں دعا دے نہ عمر و دولت کی

قطعہ در مدح عالیجناب معلیٰ القاب والا مناقب عمیم الاحسان صاحبزادہ نواب میر تلاوت علی خاں بہادر وزیر سرکار آصفیہ حیدرآباد دکن دام اقبالہ

وہ تلاوت علی بہادر ہیں
خوبیاں جن کی ہوں نہ مجھ سے بیاں

شمع کو مہر سے ہے کیا نسبت
وصف اُن کا کہاں زباں کہاں

روشنی اُن کی رائے میں اتنی
جس سے روشن ہوا مہ تاباں

اُن کے اخلاق میں ہے وہ وسعت
جس سے ہے مستفیض ایک جہاں

خاص شیوہ ہے اُن کا لطف و کرم
اُن کا دنیا میں عام ہے احساں

اُن کے اخلاق کی ہے یہ تعریف
اُن کا مداح ہے ہر اک انساں

بالمثل ہے جو مہر شاہِ دکن
تو دکن کے ہیں وہ مہِ تاباں

بادشاہ و وزیر کے اوصاف
لکھ سکے کس طرح یہ ہیچمداں

آستاں اُن کا آسماں سے بلند
اُن کی چوکھٹ کو کہئے کاہکشاں

کون ہر دل عزیز ہے ایسا
دل میں عالم کے اُنکا ہے ارماں

اُن کا دل آئینہ ہے اک شفاف
اُن کا چہرہ ہے اک گلِ خنداں

جنس اُلفت پسند ہے اُن کو
ہے وفا اُن کے عہد میں ارزاں

اُن پہ قربان طالع مسعود
اُن پہ اقبال ہے بلا گرداں

اُن کو نیکی کا اک فرشتہ کہوں
اِس صفت کے کہاں ہیں اب انساں

ان کا لطف و کرم ہے بحر و بر
ختم کرتا ہے اب دعا پہ سخن
خوش و خرم رہے خدا ان کو
دولت و عمر میں ترقی ہو
رہے اُن پر خدا کا فضل و کرم

یہ ثنا خواں ہو وہی فیض رساں
دل سے آئیں دعائیں تا بہ زباں
عمر بھر وہ رہیں یہیں شاداں
وہ جوان بخت ہوں ہیں وہ جواں
او سلطاں کا سایہ داماں

سہرا بتقریب عقد نکاح حکیم ریاض الدین احمد خاں خلف اصغر عالیجناب خانصاحب حکیم ظہیر الدین احمد خاں مرحوم

دل اپنا فدا کرنے کو تیار ہے سہرا
نوشاہ کا عاشق ہی طلبگار ہے سہرا
پھندے ہیں جو گیسو کے گرفتار ہی سہرا
یہ پھول کھلاتا ہی یہ برساتا ہے موتی
سرسبز اسی سے تو ہے گلزار تمنا
پھیلی ہوئی ہیں چار طرف رخ کی ضیائیں
یہ شیفتہ ہی حسن کا یا حسنِ ادا کا
گل پھولے سماتے نہیں اللہ رے مسرت
دیکھی ہی عجب سیر دم آرسی مُصحف
جب دیکھیے مستوں کی طرح جھوم رہا ہی
شوخی کو تبسم کی یہ کھلنے نہیں دیتا
پھولوں کی یہ خوشبو ہی یہ عارض کی حیا ہے

نوشاہ ہی یوسف تو خریدار ہے سہرا
مولے کی طرح طالب دیدار ہے سہرا
قدموں میں پڑے رہنے کو تیار ہے سہرا
کیا ابر کرم ابر گہر بار ہے سہرا
عاشق کے لئے وعدۂ دیدار ہی سہرا
کیا نام خدا حسن کا بازار ہی سہرا
معلوم تو ہو کس کا خریدار ہی سہرا
کس رشک چمن کیلئے درکار ہی سہرا
کیا جانے کوئی محرم اسرار ہی سہرا
کس درجہ ہے عیش سے سرشار ہی سہرا
کیا نیچی نگاہوں کا طرفدار ہی سہرا
مہکی ہوئی ہی بزم پر انوار ہی سہرا

پہولوں میں مضامیں کے بسالایا ہی بیخود
تماشا ہے بہری محفل میں سہرا
سراپا نخلِ ایمن بنگیا ہے
ریاض الدین احمد خاں ہیں دولہا
جسے دیکھو اسی کو تک رہا ہے
اسے دیکھیں تو دیکھیں دل کی آنکھیں
جواہر کی ضیا رخ کی تجلی
ہر اک غنچے کی مٹھی میں ہی اک دل
خوشی سی ہے خوشی شادی سی شادی
رضی الدین احمد خاں کو بیخود

ایضاً

تہ لیجے یہ ریاض آپکا تیار ہے سہرا
کُہا جاتا ہے سب کے دل میں سہرا
نگاہِ عارفِ کامل میں سہرا
کرے گا گھر کسی کے دل میں سہرا
ہلالِ عید ہی محفل میں سہرا
سمائے آنکھ کے کیا تل میں سہرا
رہے گا پردۂ حائل میں سہرا
یہ گوندہا ہے بڑی مشکل میں سہرا
نہیں پہولا سماتا دل میں سہرا
یہ دیں گے نذر ہم محفل میں سہرا

ایضاً

مانگتا تہا اسی دن کی تو دعائیں سہرا
کہیں غنچہ کا تبسم ہے کہیں خندۂ گل
چرخ تک دہوم ہی سہرے کی ریاض الدین کے
اُن ہیگا دُوکار کہیں ورد یہ کہدو سب سے
حسن کی دید کو ہی دیدۂ موسے در کار
بوسہ دامن کا لیا مُنہ کبھی قدموں پہ کہا
دیکہکر جلوہ ترا ہوش اُڑے جاتے ہیں
نظرِ بد کا اثر اس پہ نہ ہوگا ہرگز

رخِ نوشاہ کی لے کیوں نہ بلائیں سہرا
دل ربائی کی وہ کہاتا ہے ادائیں سہرا
مہ جبینوں سے کہو دیکھنے آئیں سہرا
باندہنے کے لئے جس وقت اُٹھائیں سہرا
لن ترانی کی سناتا ہی صدائیں سہرا
چپکے چپکے کئے جاتا ہے خطائیں سہرا
کہہ رہا ہے ترے دامن کی ہوائیں سہرا
گوندہا مالن نے ہے پڑھ پڑھ کے دعائیں سہرا

خضر کی عمر ملے بخت سکندر ہو نصیب
ہاتھ پھیلا کے یہ دیتا ہے دعائیں سہرا

ق

محفل رقص ہے سب جمع ہیں ارباب نشاط
یہی موقع ہے یہی وقت ہے گائیں سہرا

ایک بیخود ہی نہیں اور بہت ہیں شاعر
باری باری سے کہو سب کا سنائیں سہرا

سہرا بتقریب جشن شادی جناب محمد سلطان حیدر صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ رئیس شیخوپور

رہے کیوں نہ آنکھوں میں ہر آن سہرا
بہت ہے دلوں کا ہی ارمان سہرا

لب غنچہ وا ہو گئے ہیں دعا کو
مبارک ہو تجھ کو یہ سلطان سہرا

صدا یہ چٹکنے میں غنچے کے آئی
فدا پھول ہیں تجھ پہ قربان سہرا

ادب مصحف رخ کا ملحوظ رکھیں
گلوں کے ذرا کھول دی کان سہرا

پڑے گی نہ رخ پر نظر ایسی ویسی
بنا چشم بد کا نگہبان سہرا

زمانہ ہوا خواہ ہو کیوں نہ اس کا
کہ فصل بہاراں کی ہے جان سہرا

ہزاروں ادائیں ہیں ہر اک ادا میں
نیا دیکھنے میں ہے ہر آن سہرا

نئی طرز میں ہم نے لکھا ہے بیخود
نکالے نہ کیونکر نئی شان سہرا

ایضاً

جلوۂ حسن سے پرنور ہے ایسا سہرا
سر سے پا تک شجر طور ہے گویا سہرا

ساری مخلوق تو سہرے کی تماشائی ہے
دیکھتا ہے تری صورت کا تماشا سہرا

حسن نوشاہ کی دیکھی یہ کرشمہ سازی
بن گیا ہے ہمہ تن دیدۂ موسیٰ سہرا

اس کو آنکھوں میں جگہ دیتا ہے ہر اہل نظر
چشم عالم میں بنا آنکھ کا تارا سہرا

اسکی لڑیوں میں نہاں ہو گئیں نیچی نظریں
بن گیا پردہ مگر شرم و حیا کا سہرا

عقل کھو دیتی ہی وہ دل یہ جھپٹ لیتا ہی
ہی معاون نگہ ہوش ربا کا سہرا

شوق دیدار سے اک دل بھی نہیں ہی خالی
آئیگا دیکھنے ہر اپنا پرایا سہرا

ایک کہتا ہے کہ آنکھوں کا ہی احسان مجھپر
ایک کہتا ہے کہ قسمت نی دکھایا سہرا

تم کو مسعود و مبارک ہو محمد سلطان
آج لکھا ہی یہ بیخود نے تمہارا سہرا

سہرا بتقریب شادی برادر عزیز از جان خواجہ عبد المجید خاں سلمہ الرحمن طول عمرہ

کھلتے دیکھا ہی یوں کہیں سہرا
بانگتی تھی تری جبیں سہرا

دیکھتا ہی نگاہ حیرت سے
صنعت صورت آفریں سہرا

ماہ و پرویں سے لعل و گوہر سے
قدر و قیمت میں کم نہیں سہرا

محفل رقص کا بہانہ ہی
دیکھنے آئے ہیں حسیں سہرا

آنکھہ پڑتی ہی اس پہ عالم کی
ہے زمانے کا دلنشیں سہرا

ق

نام پوچھے جو کوئی نوشہ کا
بول اُٹھے یہ بس وہیں سہرا

ہی یہ فرخندہ بخت عبد مجید
مُنہ سے کیا بولتا نہیں سہرا

شرط انصاف یہ ہی بیخود نے
خوب لکھا ہے دلنشیں سہرا

ایضاً

حسن نوشاہ پہ جب آنکھہ پڑی سہرے کی
بنگئی تار نظر رخ پہ لڑی سہرے کی

آئینہ بنکے ترے مُنہ کو نہ دیکھوں کیونکر
آج قسمت نے دکھائی ہی گھڑی سہرے کی

یاد کرنے کی فقط دیر تھی لیجے لیجے
آگیا دیکھیے ہے عمر بڑی سہرے کی

جوش شادی سی کھلی جاتی ہیں کلیاں کیا کیا
پھولتی جاتی ہی ایک ایک لڑی سہرے کی

گل کھلانے کے لئے فصلِ بہاراں آئی
دھوم جس وقت کہ گلشن میں پڑی سہرے کی
سر پہ بندھ جائے جو سہرا تو ہنسی آجائے
دیر سے راہ یہ تکتی ہے کھڑی سہرے کی
کچھ نہیں کھلتا ہے بیخود یہ بقولِ اُستاد
عید آئی ہے کہ آئی ہے گھڑی سہرے کی

سہرا بتقریب کتخدائی شیخ عبد الخالق فرزند شیخ عطا اللہ صاحب وکیل

بن گئی خوب شعاعِ رخِ انور سہرا
کہ نظر آنے لگا سہرے کے اوپر سہرا
حُسن کیواسطے پردہ تو ہے لازم ملزوم
حُسن آگیں ہے جبیں حُسن کی چادر سہرا
قابلِ وصف ادا خاص ہوا کرتی ہے
اس پھبن کا کہیں ہوتا ہے بھلا ہر سہرا
جلوہ فرما جو یہ نوشاہ ہے عبد الخالق
جلوۂ رحمتِ خالق ہے سراسر سہرا
شادیہیں پھول بھی اللہ رے شادی کا ہجوم
ہے خوشی سہرے پہ چھائی ہوئی ہر سر سہرا
جھومنے میں جو ہیں مستانہ ادائیں اس کی
پی کے آیا ہے مئے عیش کا ساغر سہرا
ان کو لڑیاں نہیں کہتے ہیں سخی کی ہیں یہ ہاتھ
عیش تقسیم کرے کیوں نہ برابر سہرا
لے کے رشتے کی جگہ تار شعاعِ خورشید
خوب گوندھا ہے یہ مالن نے منور سہرا
بھر گیا جلوۂ ایمن کا سماں آنکھوں میں
مُنہ ترا دیکھ لیا جس نے اُٹھا کر سہرا
جس طرح بزم سے دولہا کو ہے رونق حاصل
ہے اُسی طرح سے نوشاہ کا زیور سہرا
مسندِ زر مرے نوشاہ مبارک ہو تجھے
بنگیا تیرے لئے بختِ سکندر سہرا
دل میں حسرت ہے کہ آنکھیں ترے قدموں سے ملے
کہہ نہیں سکتا ادب سے ترے منہ پر سہرا
اتنے پردوں میں بھی تو موجِ تبسم نہ چھپی
منہ پہ رومال ہے رومال کے اوپر سہرا
مسکی جاتی ہیں یہ غنچوں کی قبائیں دیکھو
اپنے جامے میں سماتے نہیں بنکر سہرا

خوب لکھا ہے یہ بیخودؔ نے بھی انصاف یہ ہے
غالبؔ ذوقؔ کے سہروں سے بچا کر سہرا

سہرہ بتقریب عقد نکاح حافظ محمد سلیم الدین فرزند نسبتی مصنف

مبارک ہو سلیم الدین کو یہ بیاہ کا سہرا
ترے ارمان کی بڑی بہت ہی چاہ کا سہرا

نہ ہو ترجیح گل کو آج کیونکر لعل و گوہر پر
دعائیں اس نے مانگیں تھیں منّیں نوشاہ کا سہرا

ہوئی ہے ابتدا پھولوں کے سہرے سے ابھی کیا ہے
کوئی دن میں بندھے گا سر پہ عز و جاہ کا سہرا

جبیں کی روشنی سے عقد پرویں بن گیا طرّہ
شعاع رخ سے روکش ہے شعاع ماہ کا سہرا

بڑی محنت سے گوندھا دل لگا کر اس کو مالن نے
نہ ہو کیوں مستحق توصیف خاطر خواہ کا سہرا

عزیزالدیں تم کہتی ہیں کلیاں کھل کے سہرے کی
مبارک ہو تمہیں فرزند عالی جاہ کا سہرا

دعا پہ تیرے سہرے کو کیا ہے ختم بیخودؔ نے
ترے بدخواہ کے سر پہ ہو دودِ آہ کا سہرا

سہرہ بتقریب عقد نکاح حکیم محمد جمیل خاں فرزند دلبند ارسطوئے دوران افلاطون زمان عالیجناب حاذق الملک حکیم حافظ محمد اجمل خانصاحب سلمہ اللہ تعالی

ترے سر تک پہنچ کر ہو گیا ہے سرخرو سہرا
ترے قدموں پہ گر کر اب بڑھائے آبرو سہرا

دعائے نیم شب مقبول تھی اہل تمنا کی
کہ نکلا باندھ کر گھر سے جمیل ماہرو سہرا

دکھائے گا رخ نوشاہ اعجاز مسیحائی
چٹک غنچوں کی کہتی ہے کریگا گفتگو سہرا

ضیائے رخ کا پردہ بن گئی بڑھ کر حیا تیری
یہ طاقت تھی ملاتا آنکھ تجھ سے دو بدو سہرا

تمنا نوجوانوں کو ہوا کرتی ہے سہرے کی
مگر تو وہ ہے خود کرتا تھا تیری آرزو سہرا

رخ نوشا کا جلوہ بس گیا ایسا نگاہوں میں
کہ آنکھوں کو نظر آنے لگا اب چار سو سہرا

خضر کی عمر اقبال سکندر عیش جمشیدی
یہ چیزیں نذر کو لایا ہے بعد جستجو سہرا

دعاء عمر و دولت اب زبان غنچہ مانگی گی ۔ دعا کے واسطہ دستِ دعا ہی ہو بہو سہرا
نہو فرصت تو کیا ہی جوش رکتا ہی کہیں بیخود ۔ یقیں تہا ہمکو لکھکر لائیگا لاکہوں میں تو سہرا

تقریظِ انطباعِ مہتاب داغ

کون ہی وہ جہان میں ایسا ۔ مانتا ہی جسے بڑا چھوٹا
کس نے میدان شاعری مارا ۔ کس کا بجتا ہے آجکل ڈنکا
لائقِ مدح شان ہی کس کی ۔ مستند اب زبان ہی کس کی
کس نے مضمون نئے نکالے ہیں ۔ کس نے سانچے میں شعر ڈھالے ہیں
یوں بڑہائی ہی کس نے شانِ سخن ۔ لوگ کہتے ہیں کس کو جانِ سخن
آج کل کس کا نام ہے ایسا ۔ کون شیریں کلام ہی ایسا
کس کے حصے میں آج یہ فن ہے ۔ کس سخنور کا نام روشن ہی
کس کا سکہ دلوں پہ ہی جاری ۔ زخم کس کا جگر پہ ہے کاری
کس کا مضمون ہی برتر و عالی ۔ کس نے پائی زبان ٹکسالی
کس کا ایسا کلام رنگیں ہی ۔ جو حسیں ہی وہ محوِ تحسیں ہے
کس نے اپنا بنا لیا سب کو ۔ کس نے دل سے بہلا دیا سب کو
اگلے لوگوں میں تھی یہ بات کہاں ۔ اس کو مانے ہوا ہی ایک جہاں
جو خلاف اس زبان کے جانا ۔ اس کو اہلِ زبان نے کب مانا
دھوم اہلِ سخن میں تہی کس کی ۔ ایسی شہرت دکن میں تہی کس کی
شاہِ آصف نے کس کو مانا ہی ۔ آج کس کی طرف زمانا ہے

جانتا جو نہو بتاؤں اُسے | نام استاد کا سناؤں اُسے
اُس کا چھپتا ہی تیسرا دیوان | آج جو خسروِ سخن ہی یہاں
لوگ معجز بیاں کہیں جس کو | فخر ہندوستاں کہیں جس کو
میرے اُستاد داغ کے آگے | ہو جو عرفی بھی تو قلم رکھدے
برقِ ایمن بیاض نامہ ہے | لن ترانی صریر خامہ ہے
کیا نہ پیچیں حاسدانِ خستہ جگر | کلک میں ہیں سناں کے سب جوہر
سخت دشوار ہے اماں پانی | ہے سیاہی میں تیغ کا پانی
سننے والے کا ہوش پراں ہی | نقطے نقطے میں نکتہ پنہاں ہی
اس کو دیوان کون کہتا ہے | یہ فصاحت کا اک صحیفا ہی
ماہ کے دل میں داغ ہی اس کا | مہ جبیں اس کے نام پر ہیں فدا
ماہتابِ سخن ہے یہ دیوان | آفتابِ سخن ہے یہ دیوان
ہے ترانہ لبِ مغنّی کا | ہی یہ نوشہ عروسِ معنی کا
شاعروں کے لئے وثیقہ ہے | لبِ زاہد پہ یہ وظیفہ ہے
اک جہان اس پہ جان دیتا ہی | جس کو دیکھو وہ اس کا شیدا ہی
اس کی شوخی کا مبتلا ہی کوئی | طرزِ گفتار پر فدا ہے کوئی
ایک رنگینیوں پہ مرتا ہے | سادگی اک پسند کرتا ہے
کوئی مطلع پہ جان دیتا ہے | کوئی مقطع پہ پیٹ لیتا ہے
گرم مضمون کو کوئی سنتا ہی | کوئی پڑھ پڑھ کے سر کو دھنتا ہی
ہی کسی کی زبان پر نالہ | ہونٹ پر ہے کسی کے تبخالہ

کہیں معشوق کی زبانی ہے — کہیں گذری ہوئی کہانی ہے

شادیٔ وصل کا بیاں ہے کہیں — غمِ فرقت کی داستاں ہے کہیں

شکر دیکھا کہیں گلا دیکھا — عاشقانہ معاملا دیکھا

شکوۂ جورِ پاسباں ہے کہیں — ظلمِ افلاک کا بیاں ہے کہیں

کہیں غیروں کی کچھ حکایت ہے — کہیں قسمت کی کچھ شکایت ہے

شکر کرنا کہیں شکایت کا — کہیں رونا ہے دردِ فرقت کا

تذکرہ ہے کہیں رقابت کا — ذکر ہے کچھ کہیں محبت کا

شمع و پروانے کا بیاں ہے کہیں — گل و بلبل کی داستاں ہے کہیں

کہیں صیاد کے ستم کا بیاں — کہیں بیدادِ آسماں سے فغاں

کہیں کچھ کہہ کے جھٹ پلٹ جانا — کہیں شکوہ زباں پر لانا

کہیں معشوق کی طرفداری — دلِ بیتاب کی کہیں خواری

کہیں چٹکی جگر میں لے لینی — کہیں چبھتی ہوئی سی کہہ دینی

کام اک بانکپن کا کر جانا — خود کہیں سادگی سے مرجانا

کہیں تہمت کا اپنے سر لینا — کہیں شکوے پہ اُس کو دھر لینا

کبھی دشمن سے بات کر لینی — کبھی مٹی پلید کر دینی

کبھی غمخوار سے بگڑ جانا — اور ناصح پہ منہ کبھی آنا

کہیں جنت کے نام پر مرنا — کہیں پرہیز حور سے کرنا

کہیں توہیں بادہ خواروں کی — ہے کہیں مدح میگساروں کی

کبھی صحرا سے باغ کو جانا — کبھی گلشن سے دشت میں آنا

کبھی جنت میں جی کا گھبرانا — کوچۂ یار یاد آجانا

گل وبلبل پہ جب نظر کرنا — درد فرقت میں رشک سے مرنا

کبھی ناسازیٔ مزاج کا ذکر — کبھی ہردم وصال یار کی فکر

نامہ بر کی کبھی مداراتیں — کبھی اُس سے بھی شک کی باتیں

کبھی مژگاں کا خونچکاں ہونا — کبھی اپنے سے بدگماں ہونا

راہبر سے کبھی کھٹک جانا — خود کہیں راہ سے بھٹک جانا

جان دیکر کبھی بوسہ لے لینا — گالیاں کھا کے دل کہیں دینا

کہیں ارمان دل بیان کرنا — رازِ الفت کہیں نہاں کرنا

حسن لیلیٰ پہ منہ کبھی آنا — طرزِ وحشت نئی دکھا جانا

کبھی مجنوں کے حال کی تقلید — کبھی کچھ ساربان سے گفت وشنید

کہیں الفت کی گرم بازاری — کہیں یوسفؑ کی وہ خریداری

کبھی زنداں میں نالہ وفریاد — ہے کبھی قید زلف سے دلشاد

شوقِ دیدار کو نوید کہیں — وعدۂ حشر کی اُمید کہیں

شوخیاں ہیں کہیں جو آفت کی — دھمکیاں ہیں کہیں قیامت کی

کبھی کوچے میں اُس کے کم جانا — کبھی محفل میں اُس کی جم جانا

بات اُسکی کبھی اُڑا دینی — اپنے مطلب کی کچھ سُنا دینی

کہیں ہنسنا کہیں ہنسا دینا — کہیں رونا کہیں رلا دینا

کہیں تعریف ظلم کی کرنا — کہیں اپنی وفا کا دم بھرنا

وصل اُن کے خیال سے گاہے — نااُمیدی وصال سے گاہے

کبھی نالوں سے ہوش کھو دینا — خود کہیں بیکسی سے رو دینا

کہیں ممنون لطفِ بیحد کے — ذکر چھوٹے کہیں خوشامد کے

یادِ شوخی میں بے قرار کہیں — جبر پر بھی ہے اختیار کہیں

کہیں تکرار کا مزا لینا — لن ترانی کہیں سُنا دینا

کہیں توحید کا بیاں کرنا — غیر پر یار کا گماں کرنا

دیکھ لینا وہ ہر کہیں اُس کا — کبھی اپنے پہ بھی یقیں اُس کا

کہیں تشبیہ ہی مثال کہیں — عاشقانہ بھی ہیں خیال کہیں

کہیں اُستاد ذوق کے انداز — طرزِ غالب کہیں بہ راز و نیاز

کہیں جرأت کے ڈھنگ ہیں سارے — کہیں سودا کے رنگ ہیں سارے

کہیں اندازِ میر و مومن کا — اور پھر خاص طرز سب سے جدا

حمد میں خوش ادا بیان کہیں — نعت میں گلفشاں زباں کہیں

دین و ملت کا ہے کہیں جھگڑا — مسئلہ ہے کہیں تصوف کا

کبھی بتخانے میں چلے جانا — کبھی کعبہ میں اُس کو دیکھ آنا

لبِ معجز نما کا حال کہیں — سحرِ چشمِ بتاں حلال کہیں

کہیں زخموں پہ ہے یقینِ چمن — کہیں تازہ ہے داغ کا گلشن

کہیں فصلِ بہار کا ہے سماں — کہیں جلوہ دکھا رہی ہے خزاں

کہیں وامق کے حال پر تحسیں — کہیں وہ ذکرِ الفتِ شیریں

کوہکن کا لکھا ہے حال کہیں — پیر زن کا لکھا ہے جال کہیں

اس طرح کی کوئی کتاب نہیں — سر سے پا تک کہیں جواب نہیں

جتنی غزلیں ہیں بیمثال ہیں سب
جتنے مضموں ہیں مہ جمال ہیں سب

جو رباعی ہے لاجواب ہے وہ
جو قصیدہ ہے انتخاب ہے وہ

کون ہے وہ جو مدح خواں نہوا
ختم بیخود پہ وصف ہاں نہوا

ایسا جادو زباں نہیں دیکھا
یہ زباں پہ بیاں نہیں دیکھا

سیکڑوں اس زباں پہ مرتے ہیں
مدح میں اس کی گل کترتے ہیں

کر سکے مدح جو زباں میری
اتنی طاقت بھلا کہاں میری

مے پلاتا نہیں ہے کیوں ساقی
فکر تاریخ ہے ابھی باقی

لکھوں جو کچھ وہ انتخاب لکھوں
اس کی تاریخ لاجواب لکھوں

نئی صنعت رکھی ہے کیا اسمیں
تخرجہ ہے جواب[۱۲] کا اسمیں

کس نے پایا ہے اس طرح کا دماغ
تیسرا ہی یہ[۱۳] کارنامہ[۱] داغ

تقریظ تذکرۂ خمخانۂ جاوید مؤلفہ عالیجناب مکرمی لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے

بہار آئی مئے گلفام دینا
لبالب بھر کے ساقی جام مینا

پیاسے ہیں بہت دن کے مے آشام
شراب روح پرور کا پلا جام

پڑے ہیں کچھ سے کانٹے زباں میں
گھٹا گھنگھور چھائی آسماں پر

وہ مے دے جو نشہ میں چور کر دے
وہ مے جو بے پیئے مسرور کر دے

چمن پر آج رنگت آرہی ہے
کچھ آنکھوں میں طراوت آرہی ہے

کبھی بلبل کے لب پر ہے ترانا
کبھی گلچیں کے ڈر سے سہم جانا

سخن رنگیں کوئی ایسا سنا دے
کہ جو رنج والم دل سے بھلا دے

برس کر ابر جب سے کچھ کھلا ہے
چمن کا رنگ ہی بدلا ہوا ہے

قیامت ڈہائی غنچے نے چٹک کر
گری ہے دل پہ بجلی سی کڑک کر

وہ شوخی سے صبا کا گدگدانا
وہ پہولوں کا ادا سے مسکرانا

ہوا سے سبزہ کا وہ لہلہانا
طیور خوشنوا کا چہچہانا

وہ مشتاقِ تبسم سروِ لب جو
تڑپ کر درد سے قمری کی کوکو

وہ ہر سو جلوہ فرما اُس کی قدرت
تماشا دیکھکر نرگس کو حیرت

وہ نہروں میں رواں آب مصفا
خراماں ہر طرف طاؤس زیبا

وہ زیبائی وہ رعنائی گلو نکی
پہر اُس پر خوشنوائی بلبلو نکی

ہوا سے ہر طرف بادل کا پہٹنا
شب مہتاب سونے پر سہاگا

یہ گذری سیر جب میری نظر سے
لہو جاری ہوا زخم جگر سے

اُبہر آئیں وہ دل کی ساری چوٹیں
کبھی کہائیں تہیں جتنی کاری چوٹیں

کسی کی وہ جفائیں یاد آئیں
مجھے اپنی وفائیں یاد آئیں

وہ اپنی اشکباری یاد آئی
وہ دل کی بیقراری یاد آئی

کسی کا مسکرانا یاد آیا
وہ ہنس ہنس کر رلانا یاد آیا

وہ یاد آئی کبھی کی اپنی حالت
نظر میں پہر گئی اک بت کی صورت

وہ شوقِ وصل نے پہر گدگدایا
وہ یادِ یار نے پہلو دبایا

کہلا سینے میں پہر باغِ تمنا
ہرے پہر ہو گئے داغِ تمنا

جدائی سے کلیجہ شق ہوا پہر
بنا سینہ مرا ماتم سرا پہر

لہو پہر ہو گیا آنکھوں سے جاری
تڑپ کر پہر گذاری رات ساری

Supplied by Law Ho

گریباں کو کیا پھر چاک میں نے | اُڑائی سر پر اپنے خاک میں نے
نگاہوں نے اِدہر صحرا کو تاکا | اُدہر تلوؤں نے خاروں کو ٹٹولا
بن آئی پھر سپہرِ فتنہ زا کی | سرِ شوریدہ نے دیوار تاکی
جب اس درجے کو نوبت اپنی پہنچی | تو پھر عقلِ مآل اندیش چونکی
دلِ مضطر کو سمجھایا بہت سا | طبیعت کو سنبھالا مجھکو روکا
تسلّی دی مجھے دل کو دلاسا | پلائی کچھ دوا صدقہ اُتارا
بیاں کی میرے آگے اک کہانی | سُنائے شعر بھی کچھ منہ زبانی
مجھے تو عشق ہے شعر و سخن کا | ہوا وہ زور کم دیوانہ پن کا
مرے دل کو کیا قابو میں کیسا | دکھایا معجزہ جادو میں کیسا
مجھے سنبھلا ہوا جب اُس نے پایا | خزینہ اک معانی کا دکھایا
سنا کر ذکر کچھ اک تذکرہ کا | کیا تقریظ لکھنے کا اشارا
کتاب اک ایسی رکھ دی لاکر آگے | کہ وحشت جس سے کوسوں دور بھاگے
اگر ہر موئے تن میرا زباں ہو | تو ہاں کچھ اس کی خوبی کا بیاں ہو
کہیں سادہ کہیں ہے طرز رنگیں | چُنے چھٹکے ہوئے سارے مضامیں
جہاں تعریف ہے زلفِ دوتا کی | وہاں پیچیدگی ہے کس بلا کی
کسی نے شوخیاں بھر دیں زبائیں | کسی نے گرمیاں کی ہیں بپائیں
کسی کی سادگی ہے قابلِ داد | کسی نے طرزِ نو کر لی ہے ایجاد
کسی کو ہے ادا بندی کا لپکا | کوئی تشبیہ کی جانب ہی لپکا
کسی کو استعارہ بھا گیا ہے | کوئی ڈھاکر زبان پر آگیا ہے

معانی پر نگاہیں ہیں کسی کی — جگر کے پار آہیں ہیں کسی کی
کہیں شوخی کا ہے عالم نرالا — کہیں ہے سادگی کا بول بالا
تصوف میں کسی نے نام پایا — کسی نے مدح میں انعام پایا
کوئی الفاظ کی شوکت کا عادی — کسی کی بندشیں ہیں سیدھی سادی
کوئی نازک خیالی پر مٹا ہے — تو کوئی روزمرہ پر فدا ہے
کہیں ہے فارسی ترکیب ساری — کہیں اُردو زباں ہے پیاری پیاری
نئی ترکیب کا ہے کوئی موجد — پُرانی طرز کا کوئی مقلد
کہیں الفاظ کی جادوگری ہے — کسی نے گود پھولوں سے بھری ہے
کسی نے تیر کر جیتا ہے پالا — کسی نے ڈوب کر موتی نکالا
کسی نے چوٹ کھا کر آہ کی ہے — کسی نے دل کے اندر راہ کی ہے
کسی نے چٹکیاں لی ہیں جگر میں — سمایا ہے کوئی ظاہر نظر میں
ستم کے دُکھڑے روئے ہیں کسی نے — کہیں موتی پروئے ہیں کسی نے
کسی نے پھول توڑے ہیں چمن سے — کسی نے لعل اُگلے ہیں دہن سے
غرض ہر شعر چوٹی کا چُنا ہے — سُنا جسنے اُسی نے سر دُھنا ہے
کسی نے تذکرہ لکھا ہے ایسا — کہیں تم نے سنا دیکھا ہے ایسا
کسی سے ہو سکی کب ایسی محنت — پھر اُس پر صرف دولت صرف ہمت
مؤلف اس کے ہیں لالہ سری رام — خلائق کے زباں زد انکا ہے نام
بھرے ہیں اِن میں اوصافِ حمیدہ — لکھے ہیں شعر سارے چیدہ چیدہ
ہزاروں پر پھرا ہے اِن کے پانی — کھچی ہے جب یہ تصویر معانی

کوئی شاعر نہیں چھوڑا ہی باقی / ہوئے جس سے نہ یہ جا کر ملاقی

مہینوں بلکہ برسوں خاک چھانی / گنوادی عشق میں اسکے جوانی

کیا ہے کام یہ اک عمر بھر میں / سفر برسوں کیا ہے بحر و بر میں

جہاں قلمی کوئی دیوان دیکھا / ہزاروں دیکے ظالم نے خریدا

کتابوں کی یہاں تعداد کیا ہی / زمیں سے چھت تک اک کمرہ بھرا ہے

ہزاروں ہیں کہیں دیوان آئیں / کہیں ہی تذکرہ کی کان اس میں

کتاب ان سے بچی ہی کب جہاں میں / نہیں اصلاً غلو میرے بیاں میں

خریدی جو جہاں سی ہاتھ آئی / یہی دولت یہی ان کی کمائی

لکھا ہے تذکرہ جادو کیا ہے / زمانے سے نرالا ہے نیا ہے

زمانہ ہے خریداروں میں اس کے / جسے دیکھو طلبگاروں میں اس کے

کہاں تقدیر نے پہنچا دیا ہے / معنون نام نامی سے ہوا ہے

نظر تک حضرتِ آصف کی پہنچا / بہت دن میں نصیبہ اسکا جاگا

قلم نے کی ہے برسوں جبّہ سائی / جب اس در تک ہوئی حاصل رسائی

یہیں مشکل ہی شہ کی مدح خوانی / پھر اس پر خسروِ ملک معانی

فریدوں فر بھی ہی معجز رقم بھی / ملا ہے اس کو نیزہ بھی قلم بھی

اسی کی سلطنت ملکِ دکن میں / اسی کا راج اقلیمِ سخن میں

اسی کا کام ٹھیرا حکم رانی / اسی کا شغل ہے شیریں بیانی

دعا گو بابِ عالی کے ہزاروں / ثنا خواں خوش مقالی کے ہزاروں

قلم واں اس کا دکانِ جواہر / غزل ہے اسکی یا کانِ جواہر

اُٹھا کر ہاتھ بیخود اب دُعا کر — اثر بخشے خدا سے التجا کر
الٰہی شاد کو دلشاد رکھنا — دکن کی سلطنت آباد رکھنا
اسے حاصل ہو عیشِ کامرانی — عطا کر اس کو عمرِ جاودانی
مؤلف کا رہے نام اس سی قایم — مزا لیں اس کو پڑھکر شاہ دایم

قصیدہ در مدحِ سکندر شوکت نوشیرواں معدلت شہنشاہِ انگلینڈ و قیصر ہندوستان ملک معظم ہز میجسٹی جارج پنجم دام اقبالہٗ و حشمتہٗ و اجلالہٗ

تو شہ والا ہمم عالی تبار — میں رعیت اور وہ بھی خاکسار
تیرا ہمسر کوئی دنیا میں نہیں — مجھ سے بہتر تیری خاکِ رہگذار
چرخِ اخضر تیری ایواں کی زمیں — پستی طالع مرے سر پر سوار
فخر انگلستان و لندن تیری ذات — ہند و دہلی کے لئے میں ننگ و عار
کاملانِ دہر کا تو بادشاہ — ناقصوں میں ہی یہاں میرا شمار
تجھسے وابستہ زمانے کی خوشی — مجھسے برگشتہ مری لیل و نہار
تیرے سائے سے زمیں گلزار ہو — ہو خزاں مجھ تک اگر پہنچے بہار
ہے ستاروں سی زیادہ تیری فوج — داغ ہیں سینے میں میری تین چار
تیرے قبضے میں ہیں اقلیمیں کئی — میرا دل پر بھی نہیں ہی اختیار
تجھکو شایاں تجھکو زیبا سروری — میری عادت میرا شیوہ انکسار
تو میرا ممدوح میرا بادشاہ — میں ترا مداح تیرا جاں نثار
تو خدا کے فضل سی ہے مستفیض — میں کرم کا تیرے ہوں امیدوار

تاج بخشی کام تیرے ہاتھ کا
ہے دعا گوئی مری لب کا شعار

دولتِ دیدار تیری اور میں
کیا کہوں حیران ہوں آئینہ وار

مدح میں لکھا ہی مطلع اور بھی
بے کمالی سے مگر ہوں شرمسار

مطلع ثانی

اے فریدوں شوکت و کسریٰ وقار
جورج پنجم بادشاہِ نامدار

اے سکندر مرتبت دارا شکوہ
اے شہنشاہِ زماں ذی اقتدار

اے عدالت گستر و فریاد رس
اے غریبوں بیکسوں کے دستیار

اے سراسر شانِ الطاف و کرم
اے سراپا رحمتِ پروردگار

تیرے سر پر جب جگہ اس کو ملی
بڑھ گئی توقیرِ تاجِ زرنگار

بخشدے تو جس کو چاہے مملکت
جود و بخشش کا تری کیا ہے شمار

کون تھا عالم میں تیرا سا سخی
کب ہوا دنیا میں تجھسا شہریار

آکے دلی کی بڑھائی آبرو
یہ رہیگا لطف تیرا یادگار

ہو کرم کی اسطرف بھی اک نگاہ
اک نظر کا میں بھی ہوں امیدوار

میں بھی اک مداح ہوں ادنیٰ ترا
مجھکو بھی حاصل ہوا یہ افتخار

اب دعا پر ختم کرتا ہوں سخن
ہے اجابت کو دعا کا انتظار

ہاتھ سے یہ وقت کھونے کا نہیں
ہوں تو میں بیخود مگر ہوں ہوشیار

دوست تیرے شاد دشمن پائمال
خوش رکھے تجھکو مرا پروردگار

ملک و دولت میں ترقی ہو سوا
اس سے بڑھکر ہو زمانہ سازگار

ہر برس میں اک برس بڑھ جائے عمر
تو رہے دنیا میں تا روزِ شمار

قصیدہ در مدح حضرت عالیہ سکندر شوکت نوشیرواں معدلت حضرت سلطان جہان بیگم والیٔ ریاست بھوپال

اس عہد کی تو بلقیس اس وقت کی تو مریم
اے شانِ جہان ثانی سلطان جہان بیگم

اللہ رے تری شوکت اللہ رے تری شہرت
ممدوحِ جہاں تو ہی مداح ترا عالم

اقبال ترا چاکر نصرت ہی فدا تجھ پر
اسکندر و دارا سے ہی شان تری اکرم

شاہان گذشتہ سے نسبت تجھے کیا دیجے
ہے عدل میں تو آگے بخشش میں ہے تو اقدم

افلاک سے ہے اونچا ایوان کا ترے شمسہ
اب اہلِ فلک کو ہی تعظیم تری الزم

سطوت سے تری ایسا ظالم نے ستم چھوڑا
اب شیر سے بکری کا ہی ربط بہت باہم

اک فتح برستی ہی جب ابر نظر کی ہے
کیا ابر بہاری ہی لشکر کا تری پرچم

نقارہ جو بجتا ہے بادل جو گرجتا ہے
یہ عید مبارک ہو آتی ہی صدا پیہم

یہ دور ہے عشرت کا یہ قول غلط نکلا
ہے رنج و خوشی باہم شادی و غم توام

بھوپال گلستاں ہی کیا جوشِ بہاراں ہی
آباد ہر اک گھر ہے ہر دل ہی خوش و خرم

ایسی تھی کہاں دولت تجھ سے اسے کیا نسبت
تو فیض مجسم ہے وہ نام کا تھا حاتم

مفلوکِ زمانے کے ہیں داد طلب تجھ سے
افلاس کے زخموں کا ہی لطف ترا مرہم

لاکھوں میں کہاں تجھسا تو فرد ہی تو یکتا
ہر چاہ بھلا کیونکر بنجائے چہِ زمزم

شمشیر ظفر پیکر نیزہ ہے ترا اژدر
گردن پہ سرِ دشمن رہ سکتا ہی کب اسلم

یہ سیرِ چمن تیری ہے فیض سے کب خالی
بنجائیگی اب موتی پھولوں پہ جو ہے شبنم

بیگانہ یگانہ ہے مٹھی میں زمانہ ہے — ہے نقشِ سلیمانی ہر ایک تری خاتم

کچھ بات نہ تھی گویا لندن کا سفر کرنا — اس درجہ اولوالعزمی پھر عزم بھی یہ محکم

وہ اسپ پری طلعت وہ پیلِ فلک رفعت — سرعت میں تو بجلی ہے یہ جنگ میں ہے ضیغم

جانباز ہیں سب افسر شیروں کا ہے یہ لشکر — ایک ایک سپاہی ہے پلٹن کا تری رستم

یوں نام تو بیخودؔ کا تو نے بھی سُنا ہوگا — وہ تیرا دعاگو ہے دیتا ہے دعا ہر دم

یہ جوشِ مسرت ہو یہ عیش کی کثرت ہو — ہر دم ہو خوشی حاصل ہر لحظہ خوش و خرم

ہو ملک میں افزونی دولت ہو تری دونی — جب عید تجھے آئے دشمن کے ہو گھر ماتم

اولاد کا سکھ دیکھے تو رنج نہ دکھ دیکھے — تو روزِ قیامت تک دنیا میں رہے قائم

قصیدہ در جشن عید الفطر صاحبزادہ نواب محمد شبیر علی خاں صاحب بہادر شبیر

میں شہِ ملکِ سخن ہوں مجھے سمجھو نہ حقیر — شاعروں کے لئے فرمان ہے میری تحریر

کم نہیں طبل و علم سے یہ دوات اور قلم — بوق و قرنا کی صدا ہے مری خامہ کی صریر

بن گیا جب کا عمل میری زباں کا جادو — کر لیا میرے مضامین نے دلوں کو تسخیر

جس قدر ذہن رسا اتنا تخیل ہے بلند — میری اقلیم معانی کے یہ دونوں ہیں وزیر

ہو اگر مجھ سے کبھی معرکہ آرا دشمن — زخم کاری کے لئے میری زباں ہے شمشیر

امتحاں صولت و سطوت کا اگر ہو منظور — موم پتھر کو کرے میرے سخن کی تاثیر

معترض بند مرے سامنے بدگو ہیں خموش — کیل دیتی ہے زباں میری مدلل تقریر

عرش کی لائے خبر کیوں نہ مری فکرِ رسا — مجھکو یہ مبدۂ فیاض نے دی ہے توقیر

ہے بہت بال ہما سے مری اونچی پرواز — میں وہ شہباز ہوں شہرت ہے مری عالمگیر

اب کہاں ہی کوئی صیاد معانی مجھ سا
طائر سدرہ مرے دام میں ہوتا ہی اسیر

میرا شاگرد ہی انشا میں دبیر گردوں
اب کہیں جا کے اسے آئی ہی رسم تحریر

پھول جھڑتے ہیں زباں سے مری ہم رنگ چمن
طبع رنگیں ہی مری شاہد گل کی تصویر

حسن ہے یہ بھی کہ پیچیدہ بیانی میری
بنگئی ماہ جبینوں کی طلائی زنجیر

دھوم عالم میں مری فوج ظفر موج کی ہی
جس کا ثانی ہی جہاں میں نہ کوئی جس کا نظیر

پلٹنیں میری وہ تیار رسالے ہیں وہ لیس
جن سے سب میرے حریفان سخن ہیں دلگیر

یعنی ہر شعر ہے جانباز سپاہی میرا
میرے ہر شعر کا لکھہ لیتی ہی چہرہ تقدیر

دھاک ہی جن کی زمانے میں یہی شیر ہیں وہ
ہیں شجاعت میں جو رستم سے سوا با توقیر

قادر انداز ستم کے یہ بلا کے ہیں دلیر
دل سے ہٹکر نہیں پڑتا کبھی ان کا کوئی تیر

حسن ایسا ہے کہ معشوق فدا ہیں ان پر
نازک اتنے ہیں کہ کھچتی نہیں ان کی تصویر

نور کے پتلے ہیں صورت میں چمک میں بجلی
ماہ گردوں کو خجل کرتی ہی ان کی تنویر

زخم ان کا کبھی بھرتا ہی نہیں جیتے جی
سر سے دل تک اتر آتی ہی انہیں کی شمشیر

پرورش پائی ہے رہکر مرے دل میں برسوں
ان میں اب تک ہی مرے گرم لہو کی تاثیر

با اثر ان سے زیادہ کوئی دنیا میں نہیں
میری سرکار سے پاتے ہیں اثر کی جاگیر

عید کا روز ہے لایا ہوں سجا کر ان کو
قدر داں مجھ سے سوا ان کا ہی اک با توقیر

اس کی توصیف میں لکھا ہی یہ روشن مطلع
اور بھی آج چمک جائیگی ان کی توقیر

مطلع ثانی

حسن اخلاق و سخاوت میں نہیں جس کا نظیر
ہے وہ شبیر علی خان بہادر شبیر

Supplied by Mirza Law Ho... ETAWA...

مہر گردوں جسے کہتے ہیں جبیں ہی اُس کی ہے اُسی کے تو یہ جلوے سے زمیں پر تنویر
دل سے ملنا اُسے۔ ہر شخص سے جُھک کر ملنا دل میں ہر ایک کا گھر سب کی نظر میں توقیر
یاد ہے اُس کو طریقہ وہ ملنساری کا کہ مصور سے بھی کھچتی نہیں اُس کی تصویر
اُس کے در تک کوئی جا کر نہیں پھرتا محروم وہ بنا دیتا ہی دم بھر میں فقیروں کو امیر
رحم دل بھی ہے وہ اُتنا ہی کہ جتنا فیاض بخش دیتا ہے جو ہو جائے کسی سے تقصیر
چشم پوشی بھی جو کرتا ہی تو اس موقع پر کبھی ملتی نہیں نوکر کو خطا پر تعذیر
رُعب سے اُسکے چغلخور کی ہی بند زباں کر نہیں سکتی وہاں میری برائی تقدیر
درد مندوں کا زمانے میں معالج وہ ہے روتی صورت کو ہنسا دیتی ہی اُسکی تدبیر
اُس کے گلشن سے بہار آکے نہیں جا سکتی باندھ لیتی ہی اُسے موجِ صبا کی زنجیر
علم میں حلم میں یکتا ہی نہیں اُس کا جواب عقل میں فہم میں بےمثل نہیں اُس کا نظیر
نظم میں نثر میں ہر طرح کی قدرت حاصل نغز گو سیف زباں شوخ بیاں خوش تقریر
کیوں نہ ہو داغ کا وہ بھی تو ہی شاگرد رشید بات میں اُسکی اثر شعر میں اُس کے تاثیر
دھوم سُنتا ہوں بہت اُسکی سخن فہمی کی داد لینے کے لئے کی ہی غزل یہ تحریر

غزل

چرخ کو لاگ خفا یار مخالف تقدیر وہ پلٹ جاتی ہے ہوتی ہے جو سیدھی تدبیر
لیچلی جان مری نیم نگاہی تیری میں تو سمجھا تھا کہ دل تک بھی نہ پہنچے گا یہ تیر
مجھکو دیکھیں نگہِ غور سے میرے احباب یاس و حسرت کی اگر دیکھنی چاہیں تصویر
خونِ دل میری غذا آہ و بُکا شغل مرا غم ہے ہے گلکاں درد ہے میری جاگیر
ہائے کیا خاک کہوں اپنی مصیبت تم سے بے اثر بات مری آہ مری بے تاثیر

دل میں چُبھہ جاتی ہی ہر ایک ادا ظالم کی — پڑ گئی جس پہ نظر اُس کی ہوا وہ نخچیر
رو رہے ہیں وہ مجھے بیٹھکے پایئن مزار — خاک ہوکر یہ محبت میں ملی ہے توقیر
بے لئے دل میں وہ چٹکی کبھی رہتے ہی نہیں — آنکھہ بھی شوخ ہے پائی ہی طبیعت بھی شریر
قتل کردیں گے بلا سے وہ مجھی پوچھہ تو لوں — آپ کیوں مجھ سے خفا رہتے ہیں میری تقصیر
آکے زاہد ہو دخیل اس میں یہ فردوس نشد — اُس کا کوچہ ہے شہیدانِ وفا کی جاگیر
تیز رفتار بھی ہے شوخ ادا بھی ظالم — ایسی چلتی ہوئی دیکھی نہیں ہم نے شمشیر
کردیا اُس نے وہ دم بھر میں غلط منصوبہ — میں نے برسوں میں اگر وصل کی سوچی تدبیر
نہ کِہلا اب بھی اگر غنچہ خاطر بیخود — آج سے ہم بھی بدل لیں گے تخلص دلگیر
ہو چکی ختم غزل مدح ابھی باقی ہے — قط ذرا خامہ پہ رکھلوں تو کروں کچھ تحریر
مدح حاضر میں پڑھوں مطلع دلکش ایسا — جس کو سُنکر نہ سُنے پھر کوئی بُلبُل کی صفیر

مطلع ثالث

آج کہتا ہوں تری خاک قدم ہی اکسیر — اسم اعظم کی ترے نام میں دیکھی تاثیر
تجھ پہ ہے فضل خدا تجھ پہ نبی کا سایہ — تیرا حامی ہے علی تیرا معاون شبیر
جس سے تو دل سے ملے اُس کو خدا ملجائے — تو ولی ابن ولی تو ہے امیر ابن امیر
تجھکو خالق نے محبت کا بنایا پُتلا — قدر دانی ترا شیوہ ہے وفا تیرا خمیر
ڈال دی جس پہ نظر پڑ گئی گردن میں کمند — کرلیا چشم عنایت نے زمانہ تسخیر
سبزۂ خط رُخ پرنور پہ ہے جلوہ نما — اِس کو میں سورۂ یوسف کی لکھونگا تفسیر
زعفراں اُگنے لگی باغ میں سبزہ کی جگہ — بنگئی فیضِ قدم سے ترے دلی کشمیر

مجھ سے پوچھے کوئی رتبہ تری دربانوں کا
ماہ روشن کوئی ان میں ہی کوئی مہر منیر

جشن جمشید سے افضل ہی بہت جشن ترا
ہو جو ایما تو کروں وجہ فضیلت تحریر

عید کا روز ہے افطار ہوئے ہیں روزے
جمع ہیں پاک نفس پاک نظر پاک ضمیر

دوستوں پر جو یہ تیری ہی عنایت کی نظر
تیرے دشمن کے لئے ہے یہی برچھی یہی تیر

تیرے ڈر سے ترے دشمن کا لہو سوکھ گیا
منہ کی کہا کر بھی تو جاری نہیں ہوتی تکبیر

کانپتا ہے تری ہیبت سے تن روئیں تن
بھول جاتا ہی ترے سامنے رستم تقریر

تیرا ثانی تو شجاعت میں ہوا اور نہ ہو
کوئی ہوگا بھی بہادر تو ترا عشر عشیر

قطعہ در وصف شمشیر

تری تلوار کے اوصاف رقم کرتا ہوں
جسکے آگے ہے جواہر بھی نگاہوں میں حقیر

آب ہیرے کی زمرد کی ہی رنگت اس کی
اس سے سب ڈرتے ہیں عادت میں اسکی تحریر

یہ وہ قاتل ہی کہ ہے موت بھی اس پہ قرباں
یہ وہ صیاد کہ ہے پیک اجل اس کا اسیر

جوہری جانتے ہیں اسمیں جو کچھ جوہر ہیں
اس کا جوہر ہے نظر میں تو سکیلے کا خمیر

ہو خط سبز کا آئینہ میں جسطرح سے عکس
یوں نظر آتی ہی ابھری ہوئی جوہر کی لکیر

عکس ہے ابروئے پرخم کا یہ تلوار نہیں
یا کسی شوخ کے غصے کی کھچی ہے تصویر

اس پہ ہوتا ہی مہ عید کا دہوکا سب کو
چرخ پر چڑھ کے اتر آتی ہی دم بھر میں شمشیر

کوئی معشوق ہو جسطرح کسی کے بس میں
تیرے قبضہ میں ہی اس طرح سے تیری شمشیر

قطعہ در توصیف اسپ

وصف لکھا ہی ترے اسپ پری پیکر کا
میں نے کاغذ پہ اتاری ہی پری کی تصویر

چھوٹے پیکاں کے برابر ہے کنوتی اس کی
حرکت کان کی کہتی ہی کہ چلنے کو ہے تیر

ماہتا بیٹھا ہوا چھوٹی سی کمر آنکھ بڑی
کاکل ایسی ہے کہ عشاق کے دل جسمیں اسیر

گامچی مختصر اُس پر ہے کشادہ سینہ
اُس کی گردن کا جواب اور نہ پٹھے کا نظیر

دور سے یہ نظر آتا ہے ہما کلغی کا
یا اُڑا مُرغِ سلیماں کوئی لیکر تحریر

قیدِ تشبیہ سے آزاد ہے چالاکی میں
برق کی تیزئی رفتار ہے اس کی تاخیر

شرم آتی ہی ترے آگے قصیدہ پڑہتے
تو جو عرفی کا ہے ہمسر تو نظیری کا نظیر

ختم کرتا ہے ترا وصف دعا پر بیخود
لوگ کہتے ہیں کہ ہے اس کی دُعامیں تاثیر

دل بڑہے اور ترا دل میں خوشی اور بڑہے
جس قدر عمر بڑہے اُتنی سوا ہو توقیر

کان بنجائے جواہر کی جواہر خانہ
تیرا اقبال زیادہ تری دولت ہو کثیر

مُنہ نہ دیکھے کبھی آئینے میں دشمن تیرا
یہ حقارت ہو کہ خود اپنی نظر میں ہو حقیر

خوبیاں یوں تری اولاد میں تیری آجائیں
جیسے کاغذ پہ اُتر آتی ہے عکسی تصویر

دل سے دی ہیں تجھے جتنی یہ دعائیں دی ہیں
شاد و آباد رہے تجھکو مرا ربّ قدیر

دیگر قصیدہ

کیوں بنا کھل کے ہر اک پھول مئے عیش کا جام
فصلِ گل آئی ہے کیا عید کا لیکر پیغام

پہلے غنچے سے کھلی باغ میں کیوں دل کی کلی
تا کمر جھک کے کیا سبزہ نے یہ کس کو سلام

وجہ کیا شاہدِ گل نے جو نکالا جوبن
کیا سبب اس کا جو نکھرا ہوا ہے باغ تمام

کیا ہوئی وہ دلِ بُلبل کی طپش اور خلش
سروکی شاخ پہ قمری کو ملا کیوں آرام

چڑھ گئی کس کی نظر پر یہ معمّا کیا ہے
چشمِ نرگس پہ فلک نے جو اتارے بادام

وجد کرتے ہیں شجر سُن کے صدائے طاؤس
گوک کوبل کی مٹاتی ہے دلوں کے آلام

خوش نوایانِ چمن کے ہیں وہ دلکش نغمے
جس سے ثابت ہے کہ ہوتا ہے انہیں بھی الہام

دلِ بلبل کو لبھاتی ہی چٹکنے کی صدا
بھر دیا تھا دہنِ غنچہ میں کیا حسنِ کلام

زلفِ سنبل میں جو شبنم نے پروئے موتی
تھا یہ اعجازِ بہاراں کہ رہا اُن کو قیام

پھٹ پڑا باغ پہ یارب یہ کہاں ہی جوبن
کونپلیں جتنی نکلتی ہیں وہ سب گل اندام

ہے جو سورج مکھی سورج سے چمک میں نہیں کم
گلِ مہتاب پہ دھوکا ہے کہ ہے ماہِ تمام

آنکھ لڑتی ہی جوانانِ چمن سے کیا کیا
مجھکو ڈر ہے کہ نہ ہو مفت میں روزہ بدنام

دلکش ایسی ہی کچھ اس سال ہوائے گلشن
بنگئی موجِ صبا شاہدِ گل کے لئے دام

نہر میں دخل کہیں سیلِ فنا کو نہ ملا
قصرِ گردوں کی طرح سے ہے حبابونکو قیام

اب نہ ڈھائیگا ستم اہلِ زمیں پر یہ فلک
اب نہ لیگا کوئی دنیا میں کبھی رنج کا نام

یہ سماں دیکھکے چاہا کہ سبب ہو معلوم
بات تو ہے یہ خوشی کی جو رہے اس کو قیام

ہر طرف میں نے تجسس کی نظر دوڑائی
آنکھوں آنکھوں ہیں ہوئی نرگس و سوسن سی کلام

الغرض عید کے آنے کا مجھے بھید کھلا
اٹھ گیا پردہ جو تھا مٹ گیا سارا اوہام

عیدِ شبیر علی خاں کے لئے آئی ہے
روزے افطار ہوئے ختم ہوا ماہِ صیام

اُس کے صدقے میں کچھ اوروں کو بھی دی ہی خوشی
اُس کی لونڈی ہی طرب عیش ہی خاص اسکا غلام

مدح حاضر ہیں وہ بیساختہ مطلع لکھوں
سُن کے احسنت کہی جس کو ہر اک خاص و عام

مطلعِ ثانی

دین سے تجھکو شرف تجھ سے ہی اسلام کا نام
فخر کیونکر نہ کرے نام پہ تیرے اسلام

میں کہاں اور کہاں مدح سرائی تیری
مجھ سے وحشت زدہ کو تو نے کیا خوب ہی رام

حد بھی آخر ہے ترے لطف و کرم کی کوئی
دل مرا موہ لیا تجھکو کروں جھک کے سلام

کیا لکھوں مدح میں اب سوچ رہا ہوں بیٹھا — تیرے اوصاف حمیدہ تو نہ ہوسکے ارقام

زہد عادت ہے تری تجھکو عبادت کا ہے شوق — جود و بخشش ترا شیوہ ہے سخاوت ترا کام

دل ترے سینے میں اک نور کی روشن قندیل — لب مسیحا ترا اعجاز نما تیرا کلام

خواب میں تجھکو کیا ہے شہِ جیلاں نے مرید — مجھکو واللہ نہیں تیری بزرگی میں کلام

نام سے دختر رز کے نہیں واقف ہم لوگ — تیرے تقوے نے کیا ذکر کو بھی اسکے حرام

مے تو کیا مے کی کبھی بو بھی نہ پہونچی اس سے — یوں ترے عہد میں انگور کا سربستہ ہے جام

تو وہ ہے دین کی اک شان ہے تجھسے قائم — تو وہ ہے قیصر و فغفور ہیں تیرے خدام

تو کہاں اور کہاں رتبۂ عالی تیرا — جم و پرویز کجا خسرو و بہرام کدام

تیرے دشمن کی بہت ہمنے بری گت دیکھی — نام شیطان کا سب لیتے ہیں بکر دشنام

خامہ فرسا ہے بہت جوشِ طبیعت میرا — ہو اجازت تو کروں ایک غزل بھی ارقام

غزل

کیا نکلتا نہیں ناکامئ جاوید سے کام — جو نہ پوری ہو کبھی ایسی تمنا کو سلام

وصل کی شب ہوئیں کیا کیا نہ مرادیں پوری — تمنے بھی دیکھ لیا میری دعا کا انجام

تیرے قربان مرے صبر ترا کیا کہنا — اب اُدہر سے چلے آتے ہیں محبت کے پیام

ڈہال کر غیر پہ دشنام دئے جاتے ہیں — بولتا ہوں تو وہ کہتے ہیں نہیں تجھسے کلام

بیوفا کون ہے اتنوں میں ذرا پوچھ تو لے — تیری محفل میں تو بیٹھے ہیں وفادار تمام

آنکھ اُٹھتی نہیں اب ایسی بھی کس کام کی شرم — بندہ پرور کبھی لے لیجئے میرا بھی سلام

پوچھکر مجھ سے وہ تو کون ہے کیا شرمائے — باندھ کر ہاتھ ادب سے جو کہا میں نے غلام

زندگی اس پہ ہی موقوف پئے جائیں شراب — سانس جبتک ہے رواں سینے میں چلتا ہے جام

انگلیاں اُٹھتی رہیں وضع کی پابندی پر — نیک نامی کے لیے ہم ہوئے کیا کیا بدنام

زہر دینے کی تو نوبت بھی نہ آنے پائی — میٹھی باتوں ہی سے ظالم نے کیا کام تمام

رنگ ہر بزم میں ہجو نے جمار کہا ہے — کہیں بنجاتا ہے زاہد تو کہیں مے آشام

اپنے ممدوح کے پھر وصف رقم کرتا ہوں — توسنِ طبع کی پھر مدح میں مُڑتی ہے لگام

تو نے اجمیر میں خواجہ کی بھری ہیں دیگیں — تو نے اس عمر میں کیا کیا نہ کئے فیض کے کام

قطعہ در وصفِ تیغ

تجھکو دربار سے خواجہ کے ملی وہ شمشیر — جسکے اوصاف میں قاصر ہے زبانِ صمصام

مغربی ہمنے تو دیکھی نہیں ایسی اب تک — مہ جبیں۔ آئینہ رو۔ تیز زباں۔ خوں آشام

دونوں باگوں پہ تری تیغ کو کٹتے دیکھا — کیا چھریرا ہے بدن کیسی ہے نازک اندام

جس کو سمجھے ہوا ہے تیغ قضا اک عالم — ہے پُرانا تری شمشیر کا وہ ایک نیام

طائرِ روحِ عدو اس سے کوئی بچتا ہے — دونو جانب تو یہ پھیلا ہوا جوہر کا ہے دام

ضرب سے اس کی بچے خاکِ تنِ رُوئیں تن — کی ہے سکے کی جگہ فتح کی آیت ارقام

قطعہ در توصیفِ اسپ

اب ترے گھوڑے کے اوصاف لکھوں یا نہ لکھوں — اس کی تیزی تو یہ کہتی ہے کہ مشکل ہے یہ کام

برق نے چند قدم ساتھ دیا تھا اس کا — رہگئی تھک کے تو یہ بولی کہ آہستہ خرام

اس کو کہتے ہیں جو مشکی وہ بجا کہتے ہیں — مُشکِ خالص سے بنایا گیا ہے جسم تمام

لطف تو یہ ہے کہ ہے ساز بھی اسکا ہمرنگ — چوٹیاں حور کی گوندھیں تو بنی اس کی لگام

ہے شبِ قدر سے بھی قدر سوا کچھ اس کی — نسل کا ہے یہ عرب شبہ نہ کچھ اس میں کلام

اُڑ گیا باغ سے یہ بادِ بہاری کی طرح — کبک و طاؤس اُڑاتے ہیں یہ طرزِ خرام

ختم کرتا ہے قصیدہ کو دعا پر بیخود
تو بھی قائم رہے جبتک ہے دنیا کو قیام

ہے دعا دل کی مرادیں تری ساری بر آئیں
اور باقی رہے کیا دل میں اک اللہ کا نام

تیری سرکار میں ہو عیش کی کثرت اتنی
تجھکو فرصت نہ ملے صبح سے لیکر تاشام

نخل امید کے پروان چڑھیں پہل سارے
تیرے سایہ میں بڑی ہو تری اولاد تمام

ہوں ترے حق میں جو مقبول دعائیں میری
میں بھی دل کھول کے لوں پھر تو بہت کچھ انعام

تمّت

دیوان گفتار بیخود

بعونہ تعالےٰ

اختتام یافت

بقلم خاکسار فضل اللہ شاہجہاں پوری شاگرد استاد الہند منشی شمس الدین صاحب اعجاز رقم لکھنوی

تقریظات وتاریخات دیوان گفتار بیخود از نتایج افکار سخن طرازان نغزگو بحساب حروف تہجی

تقریظ وتاریخ از التقاط قلم فصاحت رقم صوفی یکتا سخن وَر بے ہمتا ناثر بیمثال ناظم خوش مقال والا رفعت عالیجناب معلی القاب شاہزادہ نواب امیر الملک بہادر گورگانی المتخلص بہ احقر نشانی جلالت مآب حضور پرنور عالیجاہ بہادر شاہ ثانی ظفر دہلوی

ہمارے کیا بلکہ پیروں کے پیرزادے ظاہر میں سیدے سادے لیاقت علمی میں لایق فن شاعری میں فائق۔ تہذیب میں کامل اخلاق حمیدہ کے عامل شاعروں کے اُستاد۔ شاعری کی امداد۔ ہر کام کی شدہ بدہ نام کے بیخود۔ دہلی کے روشن چراغ۔ جانشین جناب فصیح الملک داغ ایسے ممتاز شخص کی تعریف آفتاب کو مشعل دکھانی اور لقمان کو حکمت بتانی ہے۔ کلام کی خوبی کی داد کو سمجھنے کی استعداد ضرور اور یہ اپنے سے دور تو پھر یہ قول مشہور ہے ؎

صائب دو چیز می شکند قدر شعر را　　تحسین ناشناس وسکوت سخن شناس

کلام خود اپنی تعریف کر رہا ہے۔ مضمون اپنی خوبی میں لا کلام کا دم بھر رہا ہے۔ بندش اپنے پر کھوے ہوئے سخن شناس حضرات کو مسرور بنا رہی ہے۔ زبان شعور سکھا رہی ہے۔ اس احقر کو کچھ لکھنا نہ آئے تو کیا لکھے اور سمجھ نہ ہو تو کیونکر سمجھ سکے اور کہے تو تحسین بے وقوف کیا فایدہ دے سکے۔ نیز ایسا کلام کب کسی کی تعریف کا محتاج ہے۔ اس کی خوبی کو مدح کی کیا احتیاج ہی خاص کر اس حقیر ترکو جس کو سب احقر کہیں کسی بہتر و برتر کی تعریف کا کیا شعور ہے۔ مگر اپنے مرشد زادے کی توصیف ضرور ہے۔ اس لئے قلم اٹھایا اور اپنی بے لیاقتی سے نہ شرمایا ع

گر قبول افتد زہے عز و شرف۔ امید ہے کہ میری بے حقیقتی اور نالیاقتی کے جاننے والے مجھکو معذور سمجھ کر کسی بُرائی پر نظر نہ فرمائیں گے اور میری عقیدتمندی کو پیش نظر رکھکر آفرین فرمائینگے

اچھے ہو کر ہمیں کیوں آپ بُرا کہتے ہیں　　ساتھ اچھوں کے بُرے بھی تو لگے رہتے ہیں

قطعہ تاریخ

تصنیف و مصنف ہر دو اعلیٰ	خود خوبی خویش می نماید
تاریخ طبع ندا با حقیر	دیوان خیال بیخود۔ آمد

تقریظ چکیدۂ خامۂ اعجاز رقم فصاحت و بلاغت توام ناثر بے عدیل جہان و بیر یکتائی زمان خانصاحب جناب مولوی سید احمد مولف فرہنگ آصفیہ وارمغان دہلی وغیرہ وظیفہ خوار سرکار حضور نظام خلد اللہ ملکہ

گفتار بیخود

اس کی بھی عجیب رفتار ہے۔ گیارہ برس تک انتظار ہی انتظار میں رکھا۔ بہتیرے شیدایان زبان کو پُرارمان ہی سلا دیا۔ بارے خدا خدا کر کے اب وہ دن نصیب ہوا کہ اِس یوسف دہلی نے اپنے چہرۂ مبارک سے نقاب اُٹھا کر ہزاروں سخن فہموں کو سرشار و بیخود کر دیا۔ آپ جانتے ہیں یہ کونسے بیخود کا سُرور افزا کلام ہے۔ وہی بیخود جس کے آبا و اجداد نے شاہی وزارت تک ترقی کی۔ رئیسان با اختیار کے مصاحب خاص رہے اور انہیں کے مورث اعلیٰ نے شاہ جی کا تالاب اور شاہ جی کا چھتا بنوایا۔ تالاب تشنگان عزت و حرمت کے واسطے بحر خضر تھا۔ اب جملہ حیوانات کے لیے چشمۂ حیات ہے۔ چھتا بھی عجیب کرامت بھرا ہوا طلسمات ہے جنہیں جاڑے گرمی میں کہیں پناہ نہیں ملتی وہ اس چھتے میں آکر بسر کر لیتے ہیں۔

آپ کا نام نامی منشی سید وحید الدین احمد صاحب بیخود ہے۔ حضرت داغ نے آپ کی زبان کو ٹکسالی اور مستند زبان ہونے کا سرٹیفکٹ عطا فرمایا اور اصناف سخن پر قادر ہونے کی داد دی ہے۔ ایک بزرگ نے نواب فصیح الملک کو لکھا کہ آپ کے بعد آپ کا جانشین کون ہوگا کہیں یہ گدی خالی نہ رہے۔ نواب صاحب نے جوابًا لکھا کہ بیخودین یعنی دو بیخود ہیں۔ ایک مولوی عبد الحی بدایونی دوسرے سید وحید الدین احمد دہلوی۔ اِس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ آپ دونوں صاحبوں کے

کلام کو تمام شاگردوں کے کلام پر ترجیح دیتے ہیں اب اس بات کی تمیز کرنی چاہئے کہ کس کو انتخاب کیا جائے۔ مولوی عبدالحی بدایونی خوش کلام۔ خوش فکر ضرور ہیں بلکہ زبان دہلی کے کامل مقلد۔ ماہر زبان۔ صحبت یافتۂ اہل کمالانِ زبان اُردو۔

منشی سید وحید الدین احمد اُردو کی ٹکسال اور اُس ٹکسال کے ضراب لاجواب۔ اُردو اِن کے گھر کی لونڈی ہو یہ اُس کی گودیوں میں پلے ہیں۔ اِن کی زبان فطرتی ہو۔ اوروں کی زبان اکتسابی۔ پس اس وجہ سے اِن کو اہل دہلی نے جانشین داغ قرار دیا۔ سیکڑوں داغ کی زبان کے عاشق اس طرف جھک پڑے۔ ایک ہم کیا استاد زمانہ۔ بادشاہِ سخن۔ شمس العلما خواجہ حالی رحمتہ اللہ علیہ اپنی ایک تحریر میں خود اِن کی زبان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں چنانچہ اس جگہ اُس کی بجنسہ نقل ناظرین دیوان کے ملاحظہ عالی سے گذاری جاتی ہو۔ وہو ہذا۔

روئداد جلسہ دستاربندی و جانشینی نواب فصیح الملک بہادر داغ دہلوی مرحوم دیکھکر مجھے بے انتہا مسرت ہوئی اور اس بات کا افسوس ہوا کہ جلسہ مذکور میں مجھکو شریک ہونے کا موقع نہ ملا۔ میں عزیزی و شفیقی سید وحید الدین صاحب بیخود کو بلاشبہہ مرحوم کی جانشینی کا مستحق جانتا ہوں اور اُن کا رشید ترین شاگرد اور شاعری میں اُن کے قدم بقدم چلنے والا سمجھتا ہوں اور جہانتک مجھے معلوم ہے فصیح الملک مرحوم بھی اِن کو ارشد تلامذہ میں شمار کرتے تھے اور اپنی جانشینی کا سب سے زیادہ مستحق سمجھتے تھے فقط

راقم خاکسار الطاف حسین حالی بقلم خود۔ ۱۷ فروری سنہ ۱۹۰۸

اس سے زیادہ لکھنے کو لوگ داخل خوشامد تصور فرمائیں گے لہذا اُن کے کلام میں سے چند برجستہ اشعار لکھکر دکھا دینے کافی ہیں۔

ندیکھا تھا جو بزمِ دشمن میں دیکھا	محبت تماشے دکھاتی ہے کیا کیا
کیا اسی کا نام اُلفت ہے کہ جب دیکھا اُسے	خود بخود اک جوش پیدا دل کے اندر ہو گیا

کھٹکتی ہے مرے سینے میں یارب آرزو اُسکی
یہ کوئی بھید ہی اس میں بھی کوئی راز مخفی ہے
وہی ہم ہیں وہی دل ہے وہی دل کی تمنا ہی
اس طرح سے برباد نہ کر اہلِ وفا کو
کیوں اُلجھتے ہو ہر اک بات پہ بیخود اُن سے
ہمنے دیکھاہے زمانہ ہم نے برتے ہیں حسیں
خدا جانے کہ کیا گذری خدا جانے کہ کیا بیتی
اور مہمان ہی دو چار گھڑی کا بیخود

نکل جائے یہ دل کی پھانس وہ سامان پیدا کر
مرا دل دیکھکر وہ اپنے دل پر ہاتھ دھرتے ہیں
نئے سر سے انہیں باتوں کے ارماں ہوتے جاتے ہیں
ڈھونڈے سے بھی ملتے نہیں لوگ دوا کو
تم بھی ناوان بنے جاتے ہو ناوان کے ساتھ
بندہ پرور ظلم کی کثرت کہیں اتنی نہیں
جناب شیخ کعبے سے نہایت شرمسار آئے
آپ آرام کریں آج یہیں رات کی رات

قطعہ تاریخ از فکر عالی حاجی حرمین شریفین حضرت انور صاحب از بمبئی

بہار افروز ہے معنے رنگیں
خریداروں نے آنکھوں سے لگایا
کہی انور نے تاریخ مسیحی

پھلا پھولا ہے کیا گلزار بیخود
چھپا جب دفتر اشعار بیخود
تعالی اللہ ہے گفتار بیخود ۱۹۱۵

قطعہ تاریخ چکیدۂ قلم فصاحت و بلاغت رقم جناب حکیم مطیع احمد صاحب احمد تخلص بدایونی شاگرد جناب ممتاز الشعرا حاجی عطا محمد صاحب عطا بدایونی

دیوان بیخود کا چھپا دنیا میں شہرت ہو گئی
گلدستۂ عیش و طرب کہتا ہے ہر فرد بشر
یہ دیوان ہی تعلیم کی درس گاہ
سبق پائیں گے اس سے اہل سخن

دیگر

اس کی خوشی کی حد نہیں اس کی خوشی کا کیا بیاں
تم بھی اے احمد کہو۔ نظم نشاطِ جاوداں ۲۴ ۱۳
بتاتی ہے طرز ادا نو بنو
مراعات بیخود۔ تم احمد کہو ۱۳ ۲۴

قطعہ تاریخ از نتیجہ فکر شاعر نازک خیال ناظم شیریں مقال فصاحت و بلاغت دستگاہ

جناب علی احمد قریشی بلاغت تخلص امروہوی یادگار حضرت سلام مرحوم و مغفور اڈیٹر رسالہ ترقی سخن بمبئی

عاشقِ شعر و سخن کیوں اس کے شیدائی نہ ہوں
ہر غزل ہے منتخب اس منتخب دیوان کی
حضرت بیخود کو دیں کیونکر نہ داد اہل سخن
رنگ ہے اشعار میں بالکل فصیح الملک کا
فرد ہیں اس وقت بیشک آپ اپنے رنگ میں
خوب سلک نظم میں موتی پروئے فکر نے
روزمرہ وہ لکھا دلی کو جس پر فخر ہے
مادہ طبع بلاغت نے یہ سالِ طبع کا

بنگیا گفتارِ بیخود ایک معشوقِ حسیں
چست بندش ہے زباں شستہ ہے مصرع دلنشیں
خوش بیانی آپ کی ہے قابل صد آفریں
شاعری نے آپ کی منوا دیا ہے جانشیں
کون استادی کا حضرت آپکی قائل نہیں
جس کی آب و تاب سے ہر شعر کی چمکی زمیں
مرحبا صد مرحبا آفریں صد آفریں
کہدیا۔ بیخود کا دیواں ہے مفید شائقیں
١٣٤٣ھ

قطعہ تاریخ از نتیجہ افکار غواص بحر سخندانی کشاف دقائق معانی شاعر رنگیں بیان ناظم شیریں زبان حضرت ضمیر الحق محمد نور خاں بیدل تخلص اڈیٹر افتخار جاورہ شاگرد رشید حضرت راقم الدولہ مولانا ظہیر دہلوی مرحوم

جانشینِ داغ کا دیواں چھپا
فکر ہے تاریخ کی تجکو اگر
طبع بیخود کا ہوگیا دیواں
گلشن نظم میں بہار آئی
مصرعہ سال طبع لکھ بیدل

دیگر

اِس کو بیدل لالہ زارِ داغ لکھ
طبع زادِ یادگارِ داغ لکھ
١٣٤٣ھ
جو ہے شاگرد نامدارِ داغ
آج پھولا ہے لالہ زارِ داغ
طوطیٔ ہند یادگارِ داغ
١٣٤٣ھ

قطعہ تاریخ از نتیجہ فکر بلند نکتہ سنج و نکتہ طراز جناب سید دولت علی صاحب المتخلص بہ بیکل

حضرت بیخود کا دیوان چھپ گیا
آرزومندوں کی بن آئی اخیر

کس قدر ہے صاف و پاکیزہ کلام
طبع روشن ہے کہ اک بدر منیر

شکریں گفتار ہے طوطیٔ دل
کیوں نہ اس کا دم بھریں ہم صفیر

گنتی کی اوروں میں ہیں جو خوبیاں
اِس میں اُن وصفوں کی تعداد کثیر

اس مرقع میں نئی تصویریں ہیں
دیکھ لیں کہنہ لکیروں کے فقیر

سب پرانے رنگ پھیکے ہو گئے
اِس کے آگے سرنگوں ہے چرخِ پیر

آسمان پر ہر زمینِ شعر ہے
یا دماغ حضرت شاہِ نصیر

حضرت بیخود کے اس دیوان کی
داد دیتے ہوتے گر داغؔ و امیرؔ

اُس کا ثانی کون جو ہو لاجواب
کس سے دے تمثیل اس کی یہ حقیر

لکھا بیکل نے یہ سالِ انطباع
ہے یہ واللہ آپ ہی اپنا نظیر

قطعہ تاریخ نوک ریز قلم فصاحت رقم شاعر بے مثال سخنور شیریں مقال بلبل بستان خوش بیانی طوطی گلستان معانی جدت پسند ناظم مضامین بلند معدن سلاست منبع فصاحت جناب مرزا ذاکر حسین صاحب قزلباش لکھنوی المتخلص بہ ثاقب یادگار نواب اسد اللہ خاں غالب مرحوم نور اللہ مرقدہٗ

رونمائے حسن ہے بیخود کا گلزارِ سخن
شاہد گل نے نقاب اُلٹی نظر آیا جمال

پتے پتے سے عیاں ہیں باغباں کی محنتیں
خونِ دل سے مدتوں سینچا گیا ہے ہر نہال

دل کو اندیشوں نے غفلت میں بھی رکھا ہوشیار
رات دن فکروں نے کی ہے اس چمن کی دیکھ بھال

ہر کلی خوش رنگ اپنی وضع میں تصویر ہے
چشم میگونِ فسونگر جس کی ہے ادنیٰ مثال

رنگِ شادابی کسی پودے سے جا سکتا نہیں
یہ بہارِ بے خزاں ہے اور حسنِ لازوال

کیا نہیں سب کچھ ہوا ہیں نکتہ رس دل کے لئے	سادگی بیساختہ پن روزمرہ بول چال
جانشین داغ ہیں سند نشین فضل ہیں	آپ ہیں استاد فن کس کو ہو اس میں احتمال
ہے مسیحی سال میں دیواں کے چھپنے کی نوید	کیوں نہ ہو گفتار بیخود صائب سحر حلال
فکر ثاقب سال ہجری میں ہے یوں گوہر فشاں	جلوہ گاہ گنج معنی بزم رنگین خیال

قطعہ تاریخ نگاشتہ قلم جواہر رقم سخنور یکتا ناظم باکمال جناب محمود حسین صاحب جلیل القادری بدایونی

زہے دیوان بیخود گلشن راز	طرب افزا مضامیں صاف و مشروح
سروش آمد جلیل از پردہ غیب	کلام اوج بہجت راحت روح

تقریظ از نتیجہ طبع وقاد ناثر عدیم المثال جناب خواجہ حسن نظامی صاحب خواہر زادہ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ

کلام بیخود

سنتا ہوں چھپا ہے۔ اور میری تقریظ چاہتا ہے۔ میں کیا لکھوں۔ نہ میں شاعر ہوں نہ میرے باپ شاعر تھے نہ یہ امید ہے کہ میرا بیٹا شاعر بنے گا۔ البتہ جناب بیخود کا تخلص ایسا پیارا ہے کہ مجھ سا مستانہ دیوانہ اس نام میں اپنے دل کا تعلق پاتا ہے۔ اس لئے کلام بے خود پر چند حرفوں کو جوڑ دیتا ہوں۔

کہتے ہیں کہ اب دلی میں بیخود جیسا کوئی شاعر نہیں۔ خبر نہیں یہ کہنا کہاں تک درست ہے لیکن یہ تو سب کو ماننا پڑیگا کہ دلی کی دھوم تصوف کی بے خودی والوں کے مزاروں سے کچھ باقی رہ گئی ہے ورنہ غریب کا مدت ہوئی دم نکل چکا ہے

مری نظروں میں اب کچھ رنگ دہلی جم نہیں سکتا — وہی مٹی کے تودے ہیں وہی جمنا کا پانی ہے

لہذا بیخود نام شاعر کو اگر سب پر فوقیت دی جائے تو نامناسب نہیں ہے۔

جناب بیخود دہلی سے باہر کم آتے ہیں مگر اپنی سخن طرازی سے اردو ادب کے ہر گھر میں سکے چلاتے ہیں۔ ان کے کلام کی خصوصیت شاعرانہ تو شاعر جانیں صوفیانہ نکتہ نظر سے اس میں ایک گہرائی کیف اور بولتا ہوا اثر ہوتا ہے۔ اور میرے نزدیک کلام وہی ہے جس میں یہ اوصاف

خصوصاً آخری صفت زیادہ ہو۔
خدا نہ کرے کہ میں اتنا جیوں اور قیامت کے بورئے سمیٹنے والا کہلاؤں ورنہ کلام بیخود کا مزا سو پچاس برس کے بعد آئیگا۔ اور آیندہ نسلیں اس کی قدر کریں گی اب کیا ہے۔ اب تو ذاتیات کی بحث میں بڑے بڑے لائق لوگ دوسروں کی قابلیت سے انکار کر جاتے ہیں۔ جب ذاتیات پر جھگڑنے والے مرجائیں گے ہیں اور بیخود صاحب بھی قبر میں چلے جائیں گے تو انصاف کیا جائیگا اور اس کلام کو ادب اُردو کا درخشندہ جوہر کہا جائے گا۔

تقریظ از خامۂ اعجاز رقم بلبل گلزار فصاحت طوطی شکرستان بلاغت نقاد سخن یکتائے زمن مسٹر محمد حامد علی خاں بیرسٹر ایٹ لا لکھنوی

جناب منشی سید وحید الدین احمد صاحب بیخود

منشی سید وحید الدین احمد صاحب بیخود ہندوستان کے مشہور شاعروں میں سے ہیں دہلی کے رہنے والے ہیں۔ شاعری آپ کا آبائی فن ہے آپ کے والد سید شمس الدین احمد عرف سید احمد شاعر ہیں سالم تخلص کرتے ہیں آپ کے دادا سید بدر الدین احمد عرف فقیر صاحب کا تخلص پہلے سالک اور بعدہٗ کاشف تھا حضرت غالب کے شاگرد تھے۔ آپ کے پردادا امتیاز الدولہ افتخار الملک نواب سید احمد میر خاں بہادر منصور جنگ عالمگیر ثانی کے وزیر تھے۔ مفتی محمد صدر الدین خانصاحب آزردہ آپ کی والدہ کے پھوپا تھے۔

منشی سید وحید الدین احمد صاحب ۲ رمضان المبارک ۱۲۷۹ ہجری میں بمقام بھرت پور پیدا ہوئے دو ماہ بعد آپ اپنے وطن دہلی میں آئے ۴ برس کی عمر سے آپ کی تعلیم دہلی میں شروع ہوئی فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھکر مہر نیمروز و دیوان غالب (فارسی) حضرت حالی سے پڑھا۔ ذہن تیز اور حافظہ قوی تھا جو پڑھتے تھے جلد یاد ہو جاتا تھا اور یاد رہتا تھا نظم کے عشق نے عربی کی تعلیم نہ ہونے دی تخمیناً بارہ برس کا سن ہوگا جو آپ نے شعر کہنا شروع کیا آپ کا پہلا شعر یہ ہے ؎

دل سے نکل گیا کہ جگر سے نکل گیا ۔ تیر نگاہ یار کدھر سے نکل گیا

اس شعر میں کسی کی اصلاح نہیں ہے ۱۲ برس کے لڑکے کی اور یہ زبان سبحان اللہ افسوس یہ غزل

متلف ہوگئی۔ آپ کے چچا صاحب سید عظیم الدین محمد عرف سید محمد صاحب متخلص بہ موزوں ایک دن کچھ لکھ رہے تھے آپ نے دریافت فرمایا کہ آپ کیا لکھ رہے ہیں فرمایا غزل کہہ رہا ہوں آپ نے کہا کہ اس زمین میں میں بھی طبع آزمائی کروں آپ کے چچا صاحب نے کہا کہ تم کیا کہو گے یہ بات آپ کو ناگوار ہوئی ادب سے چپ ہو رہے کچھ جواب نہ دیا لیکن دل میں کہا انشاء اللہ تعالیٰ ہم غزل کہینگے اُس وقت آپ کا سن چودہ برس کا تھا غزل کہی اور ایسی کہی کہ اس واقعہ کے ۲۰ برس بعد آپ نے اُنہیں چچا صاحب کی غزلوں کو اصلاح سے مزین کیا سبحان اللہ

ایک دن کا ذکر ہے کہ جناب حکیم عبداللہ خانصاحب رسا آپ کے ماموں غزل کہہ رہے تھے حال کب۔ حال کب آپ حاضر تھے رسا صاحب نے یہ قطعہ کہا

قطعہ

دیکھو تو آئینہ ذرا اے حضرتِ رسا ؛ چہرے سے آشکار تھا رنج و ملال کب
ہم نے نہ کہدیا تھا کہ اچھا نہیں ہے عشق ؛ کب تم تھے بے قرار ہوا تھا یہ حال کب

آپ نے فوراً مصرعے لگائے اور وہ یہ ہیں ؎

میری خطا معاف ہو ہے شرم کی یہ جا ؛ یہ حال زار اور ہو حضرت سا پارسا
بیخود کی شکل کو بھی تو ول سے بھلا دیا ؛ دیکھو تو آئینہ ذرا اے حضرتِ رسا
چہرے سے آشکار تھا رنج و ملال کب

تھا قول آپ کا تو کہ گردوں نشیں ہے عشق ؛ یا کہتے ہو کہ موت سے بدتر کہیں ہے عشق
کیوں ہے زبان پہ دشمن دنیا و دیں ہے عشق ؛ ہم نے نہ کہدیا تھا کہ اچھا نہیں ہے عشق
کب تم تھے بیقرار ہوا تھا یہ حال کب

جب حضرت حالی کو یہ مصرعے سُنائے حضرت حالی بہت محظوظ ہوئے اور فرمایا کہ تم شعر کہا کرو اب کیا تھا روزانہ ایک دو غزل کہڈالتے پڑھتے اور محظوظ ہوتے اور غزل پھاڑ ڈالتے اسی طرح ایک دیوان کہا اور چاک کر ڈالا پہلے نادر تخلص کرتے تھے ۱۶ برس کا سن تھا کہ بیخود تخلص رکھا کبھی کبھی حضرت حالی کو اپنا کلام سُناتے اور اصلاح سے مستفیض ہوتے حضرت حالی کی تحریک سے سنہ ۱۳۰۹ ہجری میں حضرت داغ کے شاگرد ہوئے۔ جناب مولوی عبدالرحیم خانصاحب دہلوی بیدل

تخلص آپ کو حضرت داغ کی خدمت میں لے گئے اور کہا کہ ان کو (بیخود کی طرف اشارہ کرکے) آپ اپنا شاگرد کیجیے حضرت داغ نے بیخود سے فرمایا کہ کوئی اپنی غزل پڑھو آپ نے غزل شروع کی صبا دیکھا۔ جفا دیکھا یہ غزل اُسی دن کہی تھی مولوی صاحب نے مصرع طرح دیا تھا جب یہ شعر پڑھا

جب آنکھ پڑی اپنی اک بات نئی پائی ٭ ان دیکھنے والوں نے تجھکو ابھی کیا دیکھا

حضرت داغ پھڑک گئے بہت تعریف کی اور جناب مولوی صاحب کیطرف مخاطب ہو کر فرمایا کہنہ مشق معلوم ہوتے ہیں جناب مولوی صاحب نے فرمایا کہ میرے علم میں تو کبھی کبھی کہتے ہیں یہ غزل تھوڑی دیر ہوئی آج ہی کہی ہے مصرع طرح میں نے دیا تھا۔ حضرت داغ نے فرمایا کہ اس شعر (یہ شعر غزل کا تیسرا شعر تھا) کی پختگی مشاقی کا پتہ دیتی ہے۔ بیخود کو اپنا راز کہنا پڑا۔ عرض کی روز ایک دو غزل کہتا ہوں، اپنے آپ کو سُناتا ہوں سُنا کر پھاڑ ڈالتا ہوں اسی طرح ایک بہت بڑا دیوان پھاڑ چکا ہوں۔ حضرت داغ آپ کا کلام سُنکر بہت محظوظ و مسرور ہوئے اور اُسدن سے خاص توجہ و محبت فرمانے لگے کل تین ماہ اصلاح دیکر فرمایا کہ اب آپ کو اصلاح کی ضرورت نہیں حضرت حالی و حضرت داغ آپ کے کلام کی اکثر تعریف فرمایا کرتے تھے آپ کی زبان کو حضرت داغ اپنی زبان کہتے تھے۔ چنانچہ بیخود کہتے ہیں ؎

زباں استاد کی بیخود ترے حصے میں آئی ہے ٭ پھر اتنا بھی نہیں کوئی خدا رکھے ترے دم کو

متروکات داغ کے آپ سخت پابند ہیں۔ مثلاً سدا ہمیشہ کے معنے ہیں۔ میں۔ کا نون دبنا ہوا یاں واں بجائے یہاں۔ وہاں وغیرہ آپ کے یہاں ترک ہیں صرف اُڑ ایک غزل میں رہنے دیا ہے کہ یہ لفظ ردیف میں واقع ہوا ہے اور یہ غزل ایک مشاعرے کی طرح میں کہی تھی۔ ورنہ اُڑ بجائے اور نظم نہیں کرتے۔ دیوان بیخود چھپ رہا ہے انشاء اللہ بہت جلد شایع ہوگا۔ میں دہلی سے رخصت ہو رہا ہوں (حضرت غالب کی قبر پر بھی فاتحہ پڑھ آیا جب دہلی آتا ہوں حضرت غالب کی قبر پر فاتحہ ضرور پڑھتا ہوں) ملازم اسباب باندھ رہا ہے میں اُس کو ہدایتیں بھی دیتا جاتا ہوں اور یہ سطریں بھی لکھتا جاتا ہوں چند اشعار بیخود صاحب کے میرے سامنے فرش پر رکھے ہوئے ہیں۔ شوخی سلاست۔ صفائی وغیرہ آپ کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ ؎

قربان اِس زبان کے صدقے بیان کے ٭ ناصح کی بات ہی نہیں جو بے تکی نہ ہو

خاک بھی ہم تو نہ اے ناصح ناداں سمجھے ٭ جا کے سمجھائے تو جو تجھے انساں سمجھے

چار داغوں پہ نہ احسان جتاؤ اتنا ٭ کون سے بخشدئے تم نے خزانے ہم کو

اس شعر میں مبالغہ ملاحظہ ہو ؎

نزاکت آئینہ تک عکس کو جانے نہیں دیتی ٭ یہی نقشہ ہے تو بس کھچ چکی تصویر رہنے دو

اس مطلع میں کیا اثر بھرا ہے مصرعہ ثانی پر نظر رہے کیا خوب کہا ہے ؎

اے کاش مری آہ میں اتنا اثر تو ہو ٭ میرا خیال اس کو مجھے دیکھکر تو ہو

انگریزی میں ایک مثل مشہور ہے جس کا ترجمہ یہ ہے "پہلی ہی نگاہ میں عاشق ہو گیا" بیخود مطلق انگریزی نہیں جانتے اور نہ یہ مثل کبھی سنی لیکن کیا خوب فرمایا ہے ؎

پہلی نظر میں وہ مجھے عاشق سمجھ گئے ٭ پہچان لے نگاہ کو اتنی نظر تو ہو

سچ ہے شعرا غیب کی کوڑی لاتے ہیں۔

آدمی جو کام کرے استقلال سے کرے اس مضمون کو بیخود نے کیا خوب نظم کیا ہے۔

یہ کیا کہ آج کچھ ہے تو کل کچھ زبان پہ ٭ شکوہ ہو یا ہو شکر مگر عمر بھر تو ہو

اس شعر کی تعریف نہیں ہو سکتی ؎

ناامیدی نے مٹا دی آرزو ٭ کام یوں نکلے دلِ ناکام کے

افسوس وقت نہیں ورنہ تحریر کو طول دیتا تھوڑی دیر میں سوار ہوتا ہوں۔ دہلی خدا تجھے آباد رکھے۔ تجھ سے رخصت ہوتا ہوں اپنے اُن مورث اعلیٰ (حضرت مولانا سمار الدین رحمتہ اللہ علیہ) جو ہندوستان میں بہلول لودی کے عہدِ سلطنت میں تشریف لائے اور حضرت کی اولاد (جو کئی صدی تک دہلی میں رہی اور بالائے حوضِ شمسی حضرت کے مزار شریف میں آرام کر رہی ہے) سے رخصت ہوتا ہوں۔ خدا حافظ اے پرانی دہلی (ذوق۔ مومن۔ غالب۔ آزردہ۔ شیفتہ۔ دردسوز۔ سالک ویران۔ انور۔ ظہیر۔ نیر۔ مجروح وغیرہ کی یاد دلانے والو خدا حافظ۔ خدا حافظ و ناصر جناب حافظ حکیم محمد اجمل خاں صاحب حاذق الملک متخلص بہ شیدا ارات و دن تم ہو اور مخلوق خدا کا کام۔ تم سے لوگ پیش نظر تھے جس وقت میں نے یہ مطلع کہا تھا ؎

جو مخلوق خدا کے کام میں مصروف ہیں دل سے ٭ وہی واقف ہیں رستہ سے وہی آگاہ منزل سے

میں حیران ہوں کہ ایک منٹ کی تو فرصت نہیں اور پھر شعر کہتے ہو اور خوب کہتے ہو کمال کرتے ہو

حضرت صفی (سید علی نقی) لکھنوی اسی مرض عدیم الفرصتی میں مبتلا ہیں دن بھر عدالت خفیفہ کی سررشتہ داری کرتے ہیں خدا جانے شعر کس وقت کہتے ہیں - خدا حافظ حضرت تابان جناب نواب شجاع الدین خاں بہادر چلتے وقت چند شعر اپنے پڑھے دیتا ہوں نہیں معلوم پھر کب ملاقات ہو دہلی کی شاعری کی دنیا میں چہل پہل آپ کے دم سے ہے۔ ؎

ہر زمانے کا اک فسانہ ہے ٭ ہر فسانے کا اک زمانہ ہے ٭ کام جو آنکھ سے نہیں لیتے
اُن کو سادہ ورق زمانہ ہے ٭ جس میں سب رنگ ہیں زمانے کے ٭ ہم غریبوں کا وہ فسانہ ہے
بے بہا کچھ خیال ہیں دل میں ٭ مفلسوں کا یہی خزانہ ہے ٭ اُنکی سب ہاں میں ہاں ملاتے ہیں
وہ جدھر ہیں ادھر زمانہ ہے ٭ جتنا شاکی ہو نہیں زمانے کا ٭ اتنا شاکی مرا زمانہ ہے

خدا حافظ عالیجناب نواب سعید الدین احمد خاں بہادر طالب حضرت کو دیکھکر یہ شعر اپنا اکثر پڑھا کرتا ہوں ؎ وہ سادگی اُن کی وضع و اخلاق و لپسند ٭ ایسونکو آنکھیں ڈھونڈتی ہیں اس زمانے میں خدا حافظ جناب نواب سراج الدین احمد خاں سائل ؎ کس مُنہ سے کہوں جاؤ خدا حافظ و ناصر ٭ پھر آنا مبارک ہو - مبارک ہو سفر بھی ٭ مقطع میں پڑھے دیتا ہوں ؎

حاسد وہ سمجھ جائیں گے آنکھیں نہ ملا نا ٭ دل کہتا ہے جو کچھ وہی کہتی ہے نظر بھی

خدا حافظ جناب محمد کرم اللہ خانصاحب عرف ننھے خانصاحب شیدا آپکو دیکھکر یہ خیال دل میں گذرتا ہے کہ ذوق و مومن و غالب کا کیا زمانہ ہوگا - کیا وہ صحبتیں ہونگی ؎ تم سلامت رہو ہزار برس ٭ ہر برس کے ہو دن پچاس ہزار ٭ خدا حافظ حضرت مضطر - (جناب حکیم اسمٰعیلخانصاحب) جناب محمد مرزا خاں صاحب عابد خلف حضرت سالک - جناب مرزا محمد علیخانصاحب علی - جناب نواب فیض احمد خاں بہادر فیضی - جناب آغا ظفر علی بیگ صاحب شاعر جناب سریرام صاحب مولف خمخانہ جاوید جناب بیخود صاحب اے حضرات خدا حافظ خدا حافظ ۶ پھر ملیں گے اگر خدا لایا -

قطعہ تاریخ شاعر نازکخیال عبد الرزاق صاحب حمزہ کلرک پوسٹ آفس ضلع فتح گڈھ شاگرد حضرت ممتاز الشعرا عطا بدایونی

ہے یہ دیوان حضرت بیخود ٭ ہر غزل اس کی فیض کا دریا

گل لطف وکرم مہکتے ہیں ٭ باغ افضال تم کہو حمزہ

۱۹ ۱۵

تقریظ از کلک گہر ریز رنگیں خیال شیریں مقال دیوان روشن لال مرزا دو حالب صاحب دہلوی

بنامیکہ زیباست یکتا ئیش ٭ بنامیکہ یکتاست زیبائیش با مصفاست فانوس نیلی سپہر فروزاں دو قندیل از ماہ مہر ٭ تو ئی شاہ ہر عاجز و بیکساں ٭ توئی پاک سلطان نار وجہاں بستان بستان ۔ حمد چمن آرائی باغ تکوین وایجاد راکہ گلہائے رنگیں سخن در گلستان جہان الفضل آب وہوائے رحمت خود شگفانده وچمن چمن توصیف گلدستہ پیرائے روضہ دین ۔ قدس آئین خویش راکہ زنگار رنگ بندی ہائے بوستان ملت خود فرموده ۔ ہمچو برگ گل آب و رنگے بخشیده ۔ دریں آوان شگفتگی زمان ۔ بلبل گلزار رنگیں بیانی ۔ طوطی شکرستان شیریں زبانی ۔ رشک نظیری وخاقانی ۔ صدر نشیں مسند زباندانی ۔ یگانۂ روزگار ۔ مشہور ہر شہر و دیار شاعر ۔ ماہر ادا بند ۔ ناظم دلپسند عالیخاندان ۔ والا دودمان منشی سید وحید الدین احمد فیاض زمان بیخود صاحب دہلوی جانشین حضرت نواب فصیح الملک بہادر داغ دہلوی مرحوم ومغفور روشن ضمیر بسیار خوب ست ۔ ہر دل را مرغوب است ؎

جانشین داغ دیواں زود رقم ٭ دل بمضمونش فدا گشت واسیر
اہل عالم فیضیاب از وے شدند ٭ از ثنا گویان او برنا و پیر
کس چو پرسد سال طبعش حالیا ٭ گو یکے دیوان بیخود بے نظیر

۱۵ ۱۹

تقریظ از نتیجہ فکر بلند پرواز نکتہ سنج ونکتہ طراز واقف رموز فارسی بان جناب مولوی خواجہ عبد المجید خانصاحب بی لے پروفیسر فارسی مشن کالج دہلی

ایں چہ آواز طرانہ است کہ می رسد ۔ وایں چہ صدائے زمزمہ است کہ بر می خیزد ۔ گلشن وکون و مکان پر آوازه است ۔ وگلبن سخن تر وتازه اجساد مردگان در قبور می رقصند وآسمانیاں وجد می کنند وبر زمینیان تہنیت خوانند و مارا زیبا است اگر دل وجان خود برایں مژده نثار کنیم مصرعہ ایں مژده خود راحت جان ماست ۔ ایں چہ شادی پدید آمد کہ ہمہ شادی مرگ شده اند ۔ شاید

کلک گوہر بار گوہر فرو ریختہ و جوہریان معنی را صلائے عام داده۔ ہاں بیائید و بہ بینید کہ دُرر شہوار دارم و جواہر خوش آب۔ چوب بریدۂ قلم برگ و بار آورد۔ و کدیور گلشن سخن در شش در نشستہ حجلہ بیان را عروسے نو پیدا شد و یا شاہد رعنائے سخن از رخ خود نقاب انداخت۔ این گفتار کیست۔ و این کتاب نایاب را نام چیست۔ سروش عالم غیب این ندا در داد کہ از گفتار بیخود در زمانہ سخن می رود۔ و دیوانِ وحید عصر چاپ می شود۔ اگر این بندہ از صاحب دیوان سخن راند و از نغز گفتاری او قلم را ناصیہ سا گرداند دریں کار چہ حد دارد کہ از زمرۂ شعرا نیست و از شعر گوئی و شعر فہمی بہرۂ برنداشتہ پس براں کلام معجز نظام چہ نویسد بہتر آنست کہ اعتراف کم مایگی خویش کند و این ہم نمی تواند چرا کہ مجبور از امر بیخود است دادمی خواہد کہ این بندہ بے بضاعت بہر نہج جادہ ستوا گزار مدح سرائی را طے کند چوں از ارشاد چارہ ندید لاجرم این کار پیش گرفت۔ نژاد منشی سید وحید الدین احمد خانصاحب بیخود از اں خاندان والاشان است کہ ایشاں را سادات حسنی الحسینی می نامند کہ این عالم سفلی را از وجود خود شاں عزین می دارند صاحب من بواسطہ صحیح با حضرت غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ می پیوندد و در ہند بہ اسم غوث پاک یہ اشتہار می دارد۔ چہ نسبت خاک را بعالم پاک۔ کجا آن جناب و کجا این ناکس بے آب و تاب مگر خاک چوں بہ دامن پیوستہ می شود آں را از رتبۂ خاک برداشتہ غبارِ دامن اہمش کردہ اند پس ممدوح من از آں نسبت سربلند شدہ است اجداد او کہ در ہند رسیدند نام و نشان بر آوردند یکے حضرت شاہ نظام الدین احمد عرف شاہ جی بود کہ تا اکنون در دہلی تالاب شاہ جی و چہتہ شاہ جی بر عظمت او گواہ ست۔ جد بزرگوار ممدوح امتیاز الدولہ افتخار الملک نواب سید احمد میر خاں بہادر منصور جنگ بر عہدہ وزارت ہند در عہد حکومت عالمگیر ثانی سرفراز بودند و از جانب مادر ممدوح نوادہ آں مرد راد بزرگ است کہ منشی محمد شفیع خاں عرف منشی آغا جان میگویند و بین ابنائے روزگار مشہور و معروف بہ خلق عمیم است و شہرۂ بذل او آفاق عالم را فرا گرفتہ در بدوِ شباب بہ عہدۂ جلیلۂ میر منشی رزیڈنٹ ریاستہائے راجستان در سرکار انگلیس سرفراز بودہ و ایام پیری را در گوشہ نشینی و عزلت گزینی و در خدمت ابنائے جنس بسر کرد۔ جدِ والائے او سید بدر الدین احمد عرف فقیر صاحب بہ تخلص کاشف مشہور بودند و در ریاست بھرت پور میاں سرداران والاشان شمردہ می شدند و در زمرہ شعرائے زمانہ سر بر آوردہ بودند

وبسیار پرگو و دیوان گرد آورده ند مگر از نااہلی اخلاف حلۂ طبع نپوشید پدر بزرگوار او سید شمس الدین احمد صاحب عرف سید احمد ہم در عالم شباب مشق سخن میکرد اما در شاعری کسے چوں بجوز از خانوادہ برنخاست و کسی را عزت جانشینی استاد زمانہ حاصل نہ شد داغ در حق ممدوح می فرماید کہ زبان او زبان داغ است و ایں تعریف بسیار بیجاست چرا کہ او ہم از دہلی برخاست در ریختہ زبان مادری داشت شعر وحید را پایہ ایست کہ اندازہ آن گرفتن بس دشوار ہست چرا کہ بے اندازہ است از عہد طفلی مشق سخن کردہ و بہ زمانہ کہولت رسیدہ ہمہ نشیب و فراز شاعری را طے نمودہ و بدرجہ کمال رسیدہ می گویند کہ ہر کمال را زوال است مگر بندہ می گوید کہ ایں کمال را زوال نیست چرا کہ در باب صاحب من تحصیل محال است پس از برہان عقلی و نقلی ثابت شد کہ جانشین داغ بودن او را سزا است چنانکہ مثل داغ ہمہ بازار و برزن دہلی را پے سپر نمودہ از درکات پائیں بہ منازل بالا رسیدہ مہارت سخن بدست آورد کہ دیگرے را دستیاب نشدہ و ہر چہ گفتہ از سوزش درون گفتہ و راز دل بر زبان جاری داشت ہر چہ کہ در تعریف او بگوییم کم است کہ ممدوح من بالا از ہمہ مدح است پس ختم کلام بریں اشعار می نمایم کہ حسب حال اوست ؎

باسخن پروراں چو صحبت داشت	بربط و چنگِ شاعری بنواخت
دردِ دل بر زباں شدہ جاری	بلکہ در موئے تن شدہ ساری
نہ نہی جان گر دریں سودا	کے شود رونق سخن پیدا
داغ لالہ نہ خوشنما دارد	داغ دل بیں کہ روشنی آرد
درد باشد چہ زیور اشعار	پیش او درد می رسد یلغار
پس چرا شعر او نباشد خوب	طبع اہل زمانہ رام غضب
شعر او پر بلند و پر مغز است	یعنی گفتار او ہمہ نغز است
ذوقِ دردِ فراق گر گوید	جانِ عاشق فراق می جوید
وصل را گر در آورد بکلام	شاہداں را کند بہ زنداں رام
فی المثل گر سخن ز داغ رود	بے دیدار داغ باغ رود
گر ضرورت بود گل ہے نار	در گلستان بجوید است انسار

بیخودی بین کہ از خودی بگذشت	زیر افلاک او چہا گرد است
گوہرش از نژاد ساداتست	سروی در شمائل و ذاتست
جبذا جانشین داغ اینست	داغ مرحوم را چراغ اینست
برورش از نیاز مندی ہا	یافت از گوہرش بلندی ہا
خواجہ از شاعران سخن راند	خود مگر شاعری نمی داند

قطعہ تاریخ چکیدہ قلم گوہر رقم شاعر خوش بیان جناب ڈاکٹر محمد اسمٰعیل خانصاحب سابق اڈیٹر افضل الاخبار دہلی

حضرت سید وحید الدین بیخود دہلوی ؛ جن پہ اب اردو زباں سو جان سے قربان ہے ؛ داغ کے شاگرد ارشد جانشین داغ بھی پھر زباں بھی وہ زباں ہے جسمیں سو سو آن ہے ؛ ہے انہیں کے دم سے سچ پوچھو تو دہلی کی نمود ؛ گویا منہ میں انکی دلی کی زباں کی کان ہے ہے انہیں کی ذات سے کچھ رونقِ بزم سخن ؛ مجمع اوصاف یہ ہی ذات والا شان ہے ؛ اپنے ہمعصر و نامی خوشگو اپنے ہم فن میں فصیح محفلوں میں شعر انکا گویا تن میں جان ہے ؛ شاعران طبقہ اخری میں واقعی ہیں ؛ ماننا ہے انکو جو منصف ہے با ایمان ہے اس سخنور کو خدا رکھے سلامت تا ابد ؛ ورنہ پھر دلی تو کیا ہندوستان میدان ہے ؛ چھپ گیا دیوان انکا ہو گئی پوری مراد شکر ہے اللہ کا احسان ہے ؛ طبع ہو کر پرتو انداز مجالس ہو گیا ؛ شمع ہے یا ماہ ہے یا مہر نور افشان ہے صفحہ صفحہ پر شعاع مہر تاباں کے ہیں خط ؛ ہر ورق خورشید نورانی کا روشندان ہے ؛ ہے اگر ہر لفظ پر عقد ثریا کا سماں ہر سطر پر کہکشانِ چرخ کی اک شان ہے ؛ لکھدو سن عیسوی میں مصرع روشن فتیح ؛ تحفہ مجلس جانشین داغ کا دیوان ہے

۶۱۹ — ۱۵

قطعات تاریخ شاعر شیرین زبان رنگین بیان لالہ پیارے لال صاحب رونق دہلوی شاگرد رشید خلاق المعانی مولانا راسخ مرحوم

وہ چھپا ہے کلام بیخود کا ؛ ہو جواب اس کا غیر ممکن ہے ؛ اس کے ہر اک سخن کا خوبی میں رنگ ہمرنگ میر و مومن ہے ؛ لکھہ پئے ختم طبع اے رونق ؛ داغ کا فیض عیسوی سن ہے
ایضاً
وہ چمکا سخن آج آئینہ بن کر ؛ کہ ہو ہر نظر دیدہ جس کی حیراں ؛ دکھاتے ہیں اس میں فصاحت کے معنی سبق لے نہ کیوں اس سے ہر ایک انساں ؛ مصفا مضامیں نئی بندشیں ہیں ؛ سلاست پہ حسن بلاغت ہے قرباں امید دلی آج بیخود کی نکلی ؛ ہوا مدتوں بعد پورا یہ ارماں ؛ سخن گستر و نغز گوئی پہ اپنی

مریدان داغ ان پہ لائے ایماں ٭ ہوئے جانشین داغ صاحب کے جب ٭ وہ کم ہے کہ ہوں جس قدر بھی نثار
فدا خوبیٔ نظم پر ہے زمانہ ٭ شگفتہ ہیں گلہائے مضموں کلّ بستاں ٭ بہاروں پہ ہو کیوں نہ رنگ معانی
چھپا بے نظیر اب یہ بیخود کا دیوان ٭ لکھو طبع کا سال تاریخ رونق ٭ یہ اُردو زباں پر کیا آج احساں
١٩ ١٥ ایضاً
نقاب اُلٹا کس شاہد حسن نے ٭ یہ نظریں ہیں عالم کی کس پر فدا ٭ ہوا کون جلوہ آرا حسیں
ہوا گھر سے باہر کوئی مہ لقا ٭ عروسِ سخن نکلی پردے سے یا ٭ جہاں محو دید آج کس کا ہوا
بلا کے ہیں انداز چہل بل غضب ٭ ہر اک کس کو حیرت سے ہے تک رہا ٭ نظر آگیا صاف کس کا جمال
نظر آتی ہے جس میں شان خدا ٭ نرالے کرشمے نیا حسن ہے ٭ ستم شوخیاں ہیں قیامت ادا
کہیں گونہ گوں نقش معنی کے ہیں ٭ تو آیا نظر اک مرقع نیا ٭ جو دیکھا اُدھر دیدۂ غور سے
تو دل کو سراسر یہ ظاہر ہوا ٭ گئی آنکھ جب حسن الفاظ پر ٭ کہیں رنگ مضموں ہیں خوشنما
یہ دیوان ہیں آپ اپنی نظیر ٭ ہوا جلوہ گر اب بحسن صفا ٭ یہ ہے داغ کے جانشیں کا کلام
کہ بے مثل گفتار بیخود چھپا ٭ جو ہے فکر تاریخ رونق لکھو ٭ نہیں اس کا ثانی کوئی دوسرا
١٩ ١٦

قطعہ تاریخ خامہ گلستان معانی لالہ چندی پرشاد صاحب شیدا از ارشد تلامذہ مولانا راسخ مرحوم

پے تاریخ طبعش من ہم از دل صد گہر سفتم ٭ چو شد دیوان بیخود طبع با این آب و تاب اکنوں
زہے از جانشین داغ دیوان طبع شد، گفتم ٭ کسے پرسید از شیدا چو سال عیسوی بیخود
١٩ ١٧

تقریظ طبع زاد صاحبزادہ عالی نژاد شہسوار میدان فصاحت والا رفعت عالی جناب نواب محمد شبیر علیخان صاحب بہادر خلف اصغر ہز ہائنس نواب کلب علیخان صاحب بہادر خلد آشیاں تلمیذ حضرت داغ و مصنف.

شب کو بیٹھا ہوا تھا میں تنہا ۔ اور دیوان داغ سامنے تھا ۔ آخر اُس کو اُٹھا لیا میں نے
دیکھنے کو جو وا کیا میں نے ۔ لفظ ہر ایک لاجواب ملا ۔ جو ملا شعر انتخاب ملا
اُس میں ایک ایک ایسا مصرع تھا ۔ کیجئے جس پہ لاکھ شعر فدا ۔ دل کبھی بندشوں نے تڑپایا
کہیں مضمون نے غضب ڈھایا ۔ وہ زباں کی کہیں صفائی تھی ۔ آب کوثر سے دُھل کر آئی تھی

رنگ ایسا ز بانکا تھا عیاں
یا تو القا تھا یا یہ تھا الہام
ہجر کا آگیا جہاں مضمون
بعد اُس کے مجھے بندھا یہ خیال
شاعری مر گئی نہ داغ مرا
کون ہے اب جو وہ زباں پائے
کس کا ایسا کلام ہو رنگیں ،،
کس کا اب ہو اثر جوانوں پر
اسی انجمن میں تھے بجا نہ حواس
کہ طبیعت نے میری مجھ سے کہا
داغ ہی نے اُسے بنایا ہے
داغ کی شوخی اُس میں آئی ہے
داغ سے اُس کو یہ ملی دولت
داغ ہی نے اُسے سکھایا فن
داغ کا جانشیں آج ہے وہ
لیکن افسوس ہے تو ہے اتنا
چھپے خورشید کیا اگر ہو ابر
جو ہو پوشیدہ وہ کمال ہی کیا
فیض وہ کیا جو فیض عام نہیں
ایسا شاعر فصیح شوخ بیاں
ایسا رنگیں کلام تازہ سخن
ایسی طبع رواں یہ فکر رسا
ایسی تاثیر یہ بلا کا اثر

چوم لیتے دہن کو اہل زباں
وصل کا تذکرہ اگر دیکھا
کر دیا اُس نے دل کا حال زبوں
ہو گیا ہائے شاعری کا زوال
کیسا فن مٹ گیا زمانے سے
کس طبیعت میں رنگ وہ آئے
جس کو سُن سُن کے لوٹ جائیں حسیں
کان مشتاق اب ہیں کس کے
یاد تک بھی رہی نہ میرے پاس
کیوں پریشاں ہو یاد ہے کہ نہیں
داغ کا رنگ اسمیں آیا ہے
داغ کی سی زبان پائی ہے
داغ کی سی رواں طبیعت ہے
داغ کا اُس سے نام ہے روشن
میں یہ بولا کہ جانتا ہوں میں
نہیں ظاہر کلام بیخود کا
حسن کیا حسن جس کا پردہ ہو
جو نہ ہو بدر وہ ہلال ہی کیا
ابر کیا جو کہیں نہیں برسے
ایسا نازک خیال ایسی زباں
نغز گو ایسا گرم یہ اشعار
ایسی بندش یہ طرز کیا کہنا
اُس کے مضمون نئے نکلتے ہیں

ایسا دیکھا نہیں بشر کا کلام
دل میں اک ولولہ ہوا پیدا
تذکرہ بادہ نوش کا دیکھا
لٹ گیا شاعری کا باغ ہرا
یہ ہوا ایک جان جانے سے
درد وہ کس کے شعر سے ہو عیاں
کس کے اب شعر ہوں بانو تیز
چلبلے شعر اب سنیں کس کے
اسی افسوس و رنج میں میں تھا
بیخود دہلوی وحید الدین

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

داغ نے اُس پہ کی بڑی محنت
داغ ہی کی سی اُس میں جدت ہے
داغ کا دوسرا مزاج ہے وہ
اُن کو اُستاد مانتا ہوں میں
لعل ہو کان میں تو کیا ہو قدر
زر وہ کیا زر جو زیب کیسہ ہو
وہ سخی کیا ہے جس کا نام نہیں
کیا وہ چشمہ جسے ہر اک ترسے
ایسا مشاق ایسا کامل فن
ایسا فہمیدہ و ذکی ہشیار
ایسی آمد بلند ایسی نظر
اُس کے سانچے میں شعر ڈھلتے ہیں

جو ہے مصرع وہ نوک نشتر ہے
ہجر کے نام سے کہیں فریاد
رشک دشمن کی ہیں کہیں چھریاں
کہیں خنجر نگہ ادا شمشیر
کہیں کاغذ سیاہ ہوتے ہیں
کف افسوس کوئی ملتا ہے
کہیں گل فصل گل دکھاتے ہیں
کہیں گلشن کہیں ہے ویرانہ
کوئی طالب فراق میں بیہوش
کوئی ناصح کو نام دہرتا ہے
جس کا دیوان ایسا کان سخن
جس کو استاد آج سب مانیں
ہے الماریوں میں پوشیدہ
جنس بیکار ہے دہری گھر میں
کس کے آگے زبان پہ ہم لائیں
کہ خبر میرے پاس تک پہنچی
تذکرہ تھا ابھی ابھی جس کا
اب نہ موقع رہا شکایت کا
تم بھی تقریظ کوئی لکھ بھیجو
شکر کرنے لگی زباں میری
مجھ میں اتنی کہاں لیاقت ہے
چیز ہی کیا ہیں حضرت شبیر
اور پھر اُس پہ اس قدر تعجیل

شعر جو ہے وہ تیز خنجر ہے
ظلم معشوق کا کہیں رونا
کہیں دل کے نکلتے ہیں ارماں
کہیں ہوتی نہیں ہے رات بسر
کہیں قاصد تباہ ہوتے ہیں
کہیں فصل بہار کی لہریں
کہیں جھونکے خزاں کے آتے ہیں
در دلدار دیکھا بند کہیں
کوئی مطلوب سے ہے ہم آغوش
کوئی خوش حال ہے خراب کوئی
جس کے اشعار ایسے جان سخن
رکھی جائے چھپا کر ایسی شئے
رکھے رکھے ہو گھر میں پوسیدہ
آئے بازار اہل محفل میں
کون سنتا ہے کس کو سمجھائیں
پاس آکر کیا ادب سے سلام
ہے اُسی نے مجھے یہاں بھیجا
اپنا دیوان اُس نے چھپوایا
قطعہ تاریخ ہو جو کچھ بھی ہو
دوسری یہ خوشی ہوئی حاصل
صرف بجنوؔ کی یہ عنایت ہے
اُس کو اشعار بھیجنے والے تو
کی فقط میں نے حکم کی تعمیل

وصل کے ذکر سے کہیں دل شاد
مہر دلبر سے خوش کہیں ہونا
ناز و انداز کی کہیں تصویر
کہیں یہ خوف ہو کہ ہو نہ سحر
کہیں خنجر گلے پہ چلتا ہے
کہیں لبریز مے سے ہیں نہریں
کہیں محفل کہیں ہے غمخانہ
دل کو تھامے ہے درد مند کہیں
کوئی واعظ سے بحث کرتا ہے
کوئی ناکام کامیاب کوئی
جسکی طالب ہزار ہا جانیں
جائے افسوس ہے تعجب ہے
قدر گوہر نہیں سمندر میں
ڈوبیں گاہک وہ گھر گئے ولیں
میں طبیعت سے کہہ رہا تھا یہی
مسکرا کر کیا یہ مجھ سے کلام
کیجے کچھ غم نہ اُس کی غفلت کا
اور ہے آپ سے یہ فرمایا
ہوئی یہ سُن کے انتہا کی خوشی
مجھکو سمجھا گیا کسی قابل
ورنہ میں کیا ہوں کیا مری تحریر
ہے دکھانا چراغ سورج کو

. . . .

تقریظ بطرز جدید و قطعات تاریخ ریختۂ کلک معجز سلک فصاحت رقم غواص بحر سخندانی کشاف دقائق معانی حاجی حرمین ممتاز الشعرا حضرت عطا محمد صاحب المتخلص عطا وکیل بدایوں شاگرد رشید نواب فصیح الملک حضرت داغ دہلوی نور اللہ مرقدہٗ

یا مفتاح ویا اول بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہم صل علی محمد سید السادات و آلہ و اصحابہ و ازواجہ وسلم ابداً ابدا ٭ معدنِ فضل و کمال مسیحا دم ٭ مجتہد وقت ماہر فن ٭ آفتاب اوجِ برجِ جلالت معانی ٭ یارِ عزیز جناب سید وحید الدین احمد صاحب بیخود ٭ السلام علیکم مزاج مع الخیر ٭ قطعات تاریخی نو بنو ٭ ملاحظہ خاطر نہیں ہوں ٭ راقم نیاز مند الودود محبت عطا محمد عطا بدایونی ٭ ہفدہ نومبر بانجام رسید معدود قطعات تاریخ ٭ از نیاز کیش حاجی عطا محمد عطا بدایونی وکیل عدالت ٭ شاگرد جناب جہاں استاد پاک بیان نواب فصیح الملک مرحوم دہلوی ٭

ملی ان کو طرزِ سخن داغ کی ٭ یہ گفتار بیخود ہے گفتار داغ

ہے ان کے دہن میں زبان داغ کی ٭ عطا ہے یہ دیوان گلزار داغ

میرے استاد بھائی بیخود نے ٭ ایضاً خوب پایا ہے ذہن اور دماغ

ان کے دیوان کی تجلی سے ٭ ہوا پر نور شاعری کا چراغ

رنگ استاد کا دکھایا ہے ٭ وہ لگایا ہے ہر زمیں پر باغ

اس کو کہنا عطا مناسب ہے ٭ سر مکنون آفتاب داغ

عطا بھائی بیخود کے دیوان سے ٭ ایضاً بہت ذوق رکھتے ہیں احباب داغ

یہ جلوہ ہے سب فیض استاد کا ٭ کہو اس کو اسرار مہتاب داغ

میں نے بیخود کا جب کلام سنا ٭ ایضاً مٹ گیا میرے دل سے خار داغ

بھائی بیخود کو تم عطا کہہ دو ٭ طوطی ہند یادگار داغ

٭ زیورات سخن ٭ محب صادق ممتاز الشعرا

قطعہ تاریخ چکیدہ خامہ عنبر شمامہ شاعر خوش بیان جناب محمد مرزا خاں صاحب عابد خلف اکبر حضرت سالک مرحوم

میں نے دیکھا کلام بیخود کا ؛ ہیں خلاصہ یہ داغ کے عابد ؛ ایک ثانی نہیں مانے میں

ہیں خلیفہ یہ داغ کے عابد ؛ تقریظ رشحۂ قلم فصاحت رقم سخن سنج عالی دماغ جناب

شیخ محمد عطاء اللہ صاحب بی اے۔ ایل ایل بی وکیل درجہ اول چیف کورٹ پنجاب

ایہا الناظرین۔ حضرت منشی سید وحید الدین احمد صاحب بیخود جانشین داغ کی عالمگیر شہرت بفضلہ تعالیٰ اسقدر ہی کہ مجھے زیادہ ضرورت اس امر کی نہیں معلوم ہوتی کہ حضرت ممدوح کی بابت زیادہ قلم فرسائی کروں صرف اتنا ہی کہدینا کافی ہو کہ آپ کی علمی قابلیت اردو فارسی لٹریچر میں بہت زیادہ ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کو نظم و نثر دونوں میں یکساں ملکہ تامہ ہے۔ ورنہ بالعموم بہت سے حضرات زمانہ ماضی وحال میں ایسے تھے اور ہیں کہ اگر ناظم ہیں تو ناثر نہیں اور اگر نثر میں دسترس رکھتے ہیں تو نظم سے عاری ہیں۔ مگر قدرت کے فیاض ہاتھوں نے منشی صاحب موصوف کو ہر دو صفت سے آراستہ کیا ہے۔ کیوں نہ ہو اول تو خداداد لیاقت اُس پر طرہ یہ کہ زبان فارسی کی تعلیم آپ نے ایسے زبردست اور باکمال اوستاد سے پائی ہے جسکا علمی دنیا میں از شرق تا غرب شہرہ ہے۔ ہندوستان نہ صرف ہندوستان بلکہ چاردانگ عالم میں کون ایسا ہے جس کو قدرے مہارت بھی لکھنے پڑھنے کی ہو اور وہ آپ کے نام نامی سے واقف نہ ہو۔ وہ کون بزرگ ہیں حضرت شمس العلماء مولانا باالفضل اولانا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی قدس اللہ سرہ وجعل الجنۃ مثواہ۔ جیسے جلیل القدر استاد کے روبرو ہمارے منشی صاحب ممدوح نے زانوے ادب طے کیا۔ باوقعت اور قابل استاد کا نام ہی اس امر کی کافی شہادت ہو کہ منشی صاحب نے کیسے کیسے فیوض شفقت استاد سے حاصل کئے مگر یہ ضرور ہے کہ استاد کی محنت صرف ایسے ہی شاگرد پر بار آور ہوتی ہی جس میں خود بھی مادہ ہو نظم میں آپ کو بلبل ہند فصیح الملک حضرت داغ مرحوم دہلوی اوستاد شاہ دکن کی شاگردی کا فخر حاصل ہے غرض کہ جوہری بھی مکمل اور صیقل گر بھی مکمل۔

آپ حسنی اور حسینی سید ہیں بسلسلہ خاندان آپ حضرت شمس العارفین و نجم الکاملین غوث الاعظم حضرت شیخ عبد القادر صاحب جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے منتسب ہیں بلحاظ قابلیت ذاتی وحسب نسب آپ ہر صورت سے ممتاز ہیں۔

دیوان میں اگرچہ انداز ایشیائی شاعری کا ہے اور تتبع استادان ماسبق کا ہی مگر بنگاہِ

تعمق سے دیکھئے تو اس میں بھی ایک نرالی ادا ہے نیا رنگ ہے اکثر فلاسفہ اور حکمت کی جھلک پائی جاتی ہے۔ دیوان کی اشاعت کرنے سے آپ نے بلاشبہ اردو علم ادب میں بیش بہا اضافہ کیا آپ کے خود مسلم الثبوت استاد ہونے کے واسطے صرف یہی عرض کر دینا کافی ہے کہ آپ کی تلامذہ نہ صرف دہلی میں جو آپکے ہونہار اور قابل تحر ور ند ہیں بلکہ دور دور شہروں میں بکثرت ہیں۔

تقریظ از نتائج افکار غواص بحر سخندانی کشاف دقائق معانی سخن فہم سخن سنج مولانا مولوی عبدالرحمن صاحب مولوی فاضل منشی فاضل پروفیسر عربی مشن کالج دہلی

شعر زبان کی جان ہے۔ اور زبان اُس کا حُسن۔ اگر زبان میں شعر نہیں تو ابھی تن بیجان ہے۔ اگر نظم سے محروم ہے تو زیور حُسن سے عاری ہے شاعری کا آغاز ہونا اور زبان کی تن بیجان میں جان کا آنا ایک بات ہے اسی لئے شعر و سخن کے نشو و نما کے ساتھ ہر زبان اوج و عروج پاتی ہے۔ اور عہد عہد کی نظم اپنے اپنے زمانے کا حسن و انداز دکھاتی ہے۔ جو پیدا ہوا اُسے زندگی کے خوش و ناخوش انقلاب سے چارہ نہیں زبان کو بھی اس مرحلہ سے ہو کر گذرنا پڑتا ہے۔ خاصکر جب اوراور زبانوں نئے نئے اندازوں سے ہر وقت کا سابقہ رہنے لگے کیونکہ زبان پیدا ہو کر کہیں بند نہیں رہ سکتی یہ وہ چشمہ ہے کہ چشمہ سارسے اُبلا جدھر رستہ پایا بہ نکلا جس خاشاک پاک و ناپاک جو سامنے آیا ملتا چلا گیا چشمہ ہر جگہ وہی چشمہ ہے۔ لیکن یہاں وہاں میں فرق ہوگا جو عذوبت و صفائی سرچشمہ پر ہوگی وہ کہیں نہ ہوگی۔ گنگا ہر جگہ گنگا ہے۔ مگر جو بات ہری دوار میں ہے وہ کہیں نہیں زبان کا بھی ایک نہ ایک مخرج و مرکز ہوتا ہے جہاں کی بول چال صاف ستھری، مسلم و معیار ہوتی ہے مرکز سے دور و نزدیک لوگ اُس زبان کو بولتے ہیں۔ اُس میں شعر کہتے ہیں مگر نگاہ مرکز اور مرکز کے زبان کی طرف رہتی ہے۔ کہ اپنی زبان معیار سے گر ہی تو نہیں۔ وضع قطع طور طریق رنگ ڈھنگ میں فرق تو نہیں آیا۔ اسی تتبع کی بدولت باہمہ نیرنگی زبان میں یک رنگی رہتی ہے اُردو کا اولین مرکز اور مسلم معیار دہلی اور دہلی والوں کی زبان ہے۔ ایرے غیرے کی نہیں۔ جو اُجڑی اور اُجڑ کر بسی ہوئی دلی میں اِدھر اُدھر سے آکر آبسے ہیں بلکہ اُن کی زبان جن کے گھروں اور گہواروں میں پلی اور پل کر جوان ہوئی گفتار بیخود وہی زبان ہے اور اردو اور

دلی دونوں کو اس امر پر ناز ہونا چاہیئے کہ شاعر مستند منشی سید وحید الدین احمد صاحب سلمہ کی ٹکسالی
زبان اور حالی بیان ہی جن کا علم وفضل مسلم جن کی خاندانی وجاہت وسیادت کے طغرا پر شاہی سر
اب تک وزرا میں اور امرا میں عزت کے صاد کرتی چلی آئی ہیں جنکی شاعری نے فصیح الملک داغ دہلوی کی
استادی کے سایہ میں تربیت پائی۔ اہل نظر نے انہیں استاد کا رشید ترین شاگرد اور اکابر دہلی
نے جانشین مانا۔ برادر داغ مرزا خورشید عالم بہادر نے سر پر دستار خلافت باندہی۔ بھری مجلس نے
مبارکباد دی الحق گفتار بیخود محاورے کی جان اور غزل کا ایمان ہی۔ بیان کا ڈہنگ وہی داغ
کا کھلتا ہوا رنگ ہی۔ ساخت سے دور بیساختگی سے معمور ہے۔ دیوان نہیں۔ زبان کی صفائی مطالب
کی خوش ادائی کا دفتر اور الفاظ کی خوبی۔ بندش کی خوش اسلوبی کا مسطر ہے متانت اُس کی سلاست
پر لوٹ ہی۔ اور نزاکت ولطافت اس پر قربان۔ اس کے چھبتے لفظ کھٹکتے فقرے۔ حسن وعشق کے
ناز وانداز ہیں۔ مضامین جذباتِ مجاز کا عکس ہیں یا معارف حقائق کا پرتو غرض دیوان طرز قدیم
کی تازہ یادگار ہے اور راہروان عرصۂ جدت کے لئے رہنمائے گفتار کہ جدید افکار وخیالات۔ طرز و
انداز کی رو میں اگر زبان کی شاہراہ سے دور نہ ہوں۔ امید ہے کہ قدامت پرست اس دیوان کو
ذوق شوق کی نگاہوں سے دیکھینگے اور جدت پسند اس سے خوش نوائی اور خوش ادائی کے
انداز سیکھیں گے ؎

تقریظ وتاریخ شاعر شیریں زبان مولوی عنایت الرحمن شاگرد مصنف

خوب دیوان چھپا حضرت بیخود کا یہ آج
تجھ میں پیدا ہوئی اب جان زبان اُردو
ہر غزل میں ہے نئی بات انوکھی ہے صفت
بحر ذخار ہے استاد کا میرے دیوان
عارفوں کے لئے گنجینۂ عرفاں یہ ہے
زاہدوں کے لئے جنت کی بس اک حور ہے یہ
اللہ اللہ یہ اندازِ بیان بیخود ،،
کیسا رتبہ دیا بس آج خدا نے تم کو

شاعری سے تجھے اب تو ہوئی حاصل معراج
اللہ اللہ رے تری شان زبان اُردو
نیا انداز نئی وضع نرالی رنگت
اس کے ہر شعر میں اک قلزم معنی ہے رواں
بادہ خواروں کے لئے ابر بہاراں یہ ہے
میکشوں کے لئے اب بادۂ انگور یہ ہے
چوم لیتی ہے فصاحت بھی زبانِ بیخود۔
شاعروں کا کیا سرتاج خدا نے تم کو

چمنستان معانی کے گل تر ہیں آپ
بحر معنی کے تو ہوتے ہیں شناور ایسے
بات عنایت کی بھی رنگیں بیانی میں ہے
جس کی مدت سے رہا کرتی تھیں آنکھیں مشتاق
عرش سے ڈھونڈ کے لایا ہے مضامیں ہمیں
جو ہیں معشوق وہ عاشق ہیں فدا ہیں اس پر
عرض کر مصرعہ تاریخ عنایت تو بس

تاریخ

فلک شعر و سخن کے مہ انور ہیں آپ
ہوتے ہیں اہل کمال ایسے سخنور ایسے
کیوں نہ ہو حضرت بیخود کی غلامی میں ہے
یہ وہ استاد کا دیوان ہے اللہ غنی
یہ فرشتہ ہے کہ انسان ہے اللہ غنی
عاشقوں کی تو یہ بس جان ہے اللہ غنی
کیا ہی بیخود کا یہ دیوان ہے اللہ غنی

قطعہ تاریخ از نتیجہ فکر چکیدہ قلم معجز رقم شاعر شوخ طبع سخن فہم حکیم منشی عبد الغنی صاحب غنی

ڈراماٹسٹ بدایونی پروپرائٹر قلمی پریس بلی واڈیٹر اخبار آنند پرچارک

وقتے کہ شد این کلام مطبوع
در گوش غنی بگفت ہاتف

از فضل خدائے پاک و سرمد
بنویس۔ ارتقائے بیخود

قطعہ تاریخ از طبع وقار اعجاز نگار عالیجناب نواب سید غوث محمد خانصاحب المتخلص

بہ غوث دہلوی آنریری مجسٹریٹ و سردار راج بہرتپور مجھوی مصنف و تلمیذ حضرت مصنف مدظلہ

برادر زادہ من بیخود شیریں سخن اکنوں
گہر سنجان معنی عاجز انداز قیمت و قدرش
تجدید زبان حال کارے کرد مستحسن
آداب دی زباندانی بزیر ہمتش آمد
وحید عصر مشہور جہاں شد در سخن گوئی
جمال نو عروس معنی طبع بلندش را
چہ دیوانے کہ جدول ہائے او انہار فردوس اند
چو کردم فکر اے غوث از پے تاریخ طبع او

چناں تصنیف دیواں کرد شد عالم بر آن مفتون
خوشا از درج طبعش شد نمایاں گوہر مکنوں
چہار ودے معلے صاف و شستہ نظم کرد اکنوں
بیار و مرغ عقاش در وے از لامکان بیروں
خطاب جانشین داغ بروے گشت ناں موزوں
طلسم دلربا گویم پے تسخیر جہاں افسوں
باجرائے بجور تو زدہ ہر صفحہ شد جیحوں
بیامد ناگہاں آواز غیب از رفعت گردوں

بیک مصرع سنِ عیسوی بنویس و ہم ہجری
کرد تصنیف بیخود آن دیوان
وہ چہ دیوان کہ غوث تاریخش

ایضاً

چراغ بزم طبع ۔ و ہم ۔ بیان ہا خوش مضمون
تازگی زو بطبع من باشد
رائحہ گلشن سخن باشد

قطعہ تاریخ از نتیجہ فکر بلبل گلزار سخندانی طوطی شکرستان شیرین بیانی عالیجناب منشی ریاض الدین صاحب فدا اکبرآبادی صاحب دیوان میر منشی ایجنسی مشرقی راجپوتانہ

دیوان وحید الدین کا جس شخص نے دیکھا کہا
کیونکر فروغ ان کو نہ ہو جانشین داغ ہیں
طبع کلام نغز کا یوں سال تم لکھو فدا

بیشک دُرِ معنی سے ہے بحرِ سخن کو بھر دیا
رنگیں طبیعت حق نے دی دل فتنۂ محشر دیا
گویا اک عالی طبع نے عالم کو بیخود کر دیا

تقریظ و تاریخ از رشحہ خامہ اعجاز رقم مشکیں قلم سخنور دلپذیر معدن خلق عظیم نادر شیریں بیان عالیجناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ تلمیذ جناب شیوا زبان مرزا ہرگوپال تفتہ سکندرآبادی

بیخودی خویش را نازم کہ خود را از خودی می پردازم ؎ آنانکہ بہ بزم قال بیخود گشتند ؛ در مجلس وجد و حال بیخود گشتند ؛ رستند ز بند دہر و باجوش نشاط ؛ بر قدرت ذو الجلال بیخود گشتند خامہ را کہ براہ پوی و بی پروا خرام است چہ یارا کہ با کشاف کشف کشاف حقیقی پے برد ۔ رونق بہار گلزار جہاں کہ در نظر داشتنش مقصود انظار گیا نست وخوبی خیابان لالہ زار جنان کہ تماشایش مطلوب وجود موجود جہانست از وست کہ نگہ را از تار نظر بسرود سرائی توصیفش مذاق تار طنبور در بر ۔ و پردہ دماغ را از خیال ترنم سرائی اوصافش صدائے زنگولہ نوازی در سر ے سرود نغمہ ہائے معرفت وارد چو دریائی ؛ صدائے نغمہ قلقل کہ من اندر گلو دارم دہان معشوقان زمان باظہار فضایش در غنچہ گردیدن ۔ و زبان محبوبان جہاں باوصاف بہار حیرت افزایش پابدامن انزوائے سوسن کشیدن ۔ چشم زمانیان بامید استماع جمالش ہمہ تن وا امید گوش گردیدن ۔ و گوش جہانیان باشتیاق تماشائے بہارستش باستعارہ چشم در سخن سنجیدن ہمانا گلزاریست ہمیشہ بہار و بہاریست ہمیشہ گلزار ۔ روضہ رضوان بہ پرستاریش خط غلامی بر سر

کشیدہ۔ وگلزار فرخار بجاروب شعاع آفتاب خارہا از خیابانش فرو چیدہ۔ چشم خیال وخیال چشم جہاں از خیال چشم رسیدنش سپند برآتش دل افروختہ۔ حسنِ جمال وجمال حسن گلزارِ جہان بقربانی حسن وجمالش از سویداے دل نقد درکیسہ اندوختہ۔ آسمانیاں بہواے گلچینش مشتاق وبیاض وبیر حسن تجریر توصیف برگ درختانش پراگندہ اوراق۔ گلزارے کہ مقصود نظارگیان از واشناسانست وخیابانے کہ بخوبی خیابان جناں ہمراز وہم نواست ہمین است کہ پیش نظر داشتہ ایم وتجریر توصیف رنگ بویش قلم برداشتہ نامش گفتار بیخود است کہ از نتائج طبع وقاد مولانا سید وحید الدین احمد صاحب بیخود دہلوی سخن سنج وسخندان عالی خیالست کہ جانشین حضرت نواب فصیح الملک بہادر میرزا خاں داغ دہلوی است کہ تجریر توصیفش زبان ملائک چرخ گنگ ولال است ؎

ملائک برفلک سازند تعظیم خیال او | گل خورشید بر دستار فرق فرقداں بینی
چو حرفے از مضامینش بہ پرواز بلند آید | بنوک خامہ اش عنقاے معنی را نشان بینی
حریر خامہ اش چون نعرہ از نالہ بردارد | حساب خفتگان گور در سود وزیاں بینی
زصدر وابتدا و از عروض وضرب نظم او | نظام عنصر جسم عروس اندر جہاں بینی

تا این گلشن بخار ہمیشہ بہار آفتاب چہرہ خویش را از سرادق رعنائی بجلوہ برآوردہ متاع صبر ازکیسہ دل نظارگیان بغارت بردہ آفتاب از غایت شوق انظارش چشم بر رخ کشادہ واز جوش اضطراب وانتظار جمال جہاں آرایش نفس در تپش افتادہ بریدہ زبان گلزار جنان بسخن طرازی او وصافش رطب اللسان ست ونرگس ہمیارہ بہ آرزوے دیدارش از غایت اشتیاق چشم باز وحیران است سطور شش باسطور ابروے مہرخاں ہمراز است وبین السطورش با چہرہ آتشیں خورشید جبیناں دمساز ہر نقطہ اش بانقطہ خال محبوباں در ناوک افگنی وہر حرفش باصاد چشم معشوقاں در چشمک زنی۔ الفاظ مسلسلش بازلف کشادہ مویان ہمسر ومضامین نازکش نزاکت نازخوباں دربر۔ تاماہ سپہر بہ معیت خوبان ثوابت وسیار ومہر ضیابخش دہر بہ معیت ازیناہ دوازدہ بروج دررفتار است وخامہ سیاہ جامہ فروغ احمد الدین درتوصیف خیالات مصنف درگفتار این گلشن بخار از صواوم چشم حاسدان برکنار باد وبہار

سخنداں جہاں برخندۂ۔ گلرویانِ معانی ہائی پنہانش قربان و نثار باد سہ

مصنف راجہ ممی پرسی نشانش راجہ مجتعئی ✤ بایراں نام او شنوہی بہندوستاں نشاں بینی
کمال پایہ او تا کجا باشد کہ در مدحش ✤ فروغ نکتہ داں شیریں بیاں را تر زباں بینی

قطعہ تاریخ

زبان اردو از سر زندہ گردید
شگفتہ شد چو ایں بستان بیخود
ہم از تکمیل طبعش جو ہم ایں سال

کلام جانشیں داغ شد طبع
باہل ہند صد احسان بیخود
پے آغاز طبعش گر بگوئی
کہ بستان سخن دیوان بیخود
۱۹ ۱۲

پدید آمد نشان شان بیخود
فروغ آور وہ گلہائے معنی
کہ نادر طبع شد دیوان بیخود
۳۴ ۳ ۱۳
✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤

قطعہ تاریخ من نتائج فکر و قادِ طبع نقاد جناب محمد قمر الحسن صاحب قمر بدایونی شاگرد جناب انیخ مرحوم دہلوی

قمر لکھو سال طبع تم بھی مزے کا دیوان چھپ رہا ہے ✤ کہ آج میخانہ سخن میں لنڈھائے جاتے ہیں جسام بیخود
سلیس مضموں ہیں چست بندش کلام شیریں زبان دہلی ✤ نہ کیوں ہو شہرت سخنوری میں نہ کیوں ہو مشہور نام بیخود
کلام نواب میرزا خاں ہے جس طرح شاعروں کو نعمت ✤ اسی طرح ہے سخنوروں کو مزید نعمت کلام بیخود
۱۳ ۳۴

قطعہ تاریخ شاعر رنگین بیان شیریں زبان آغا حسن صاحب المتخلص بہ قدر

میرے استاد حضرت بیخود
ختم جن پر ہے بس زباندانی
آسماں کر دیا زمینوں کو
ہم نے تو قدر تیری ہمہ دانی
فکر یہ سن کے ہو گئی مجھکو
نسخہ بے بہا و لا ثانی

رشک عرفی و فخر خاقانی
جن کے زور قلم نے اردو کی
پتھروں کو بنا دیا پانی
یعنی دیوان دیدیا چھپنے
کام لیکن بنا یا آسانی
✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤

بزم اردو کی جن سے رونق ہے
ہر زمیں ہے یہ کی درافشانی
ایک دن منہس کے یوں کہے گویا
تیری تاریخ رہ گئی آنی
یہ سنا سب سے از سر انصاف
✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤

تقریظ و تاریخ از نتائج طبع سخنور خوش بیان دبیر عطارد تحریر جناب منشی گوری شنکر صاحب
قصبہ دہلوی تلمیذ نواب فصیح الملک بہادر داغ و حضرت ظہیر دہلوی اور خود منشی لالہ بہاری لال مشتاق دہلوی

چھپ گیا دیوان بیخود آج کیسا شاندار
کیا مضامیں بھر دیئے ہیں اسمیں رنگا رنگ کے
فکر تاریخ اشاعت میں جو دل بیتاب تھا
کچھ ضرورت ہی نہیں اس میں زیادہ غور کی
عیسوی سن اسکے چھپ جانیکا یہ لکھدے قصیر

فکر تھی دیوان کے تاریخ کی
کی ہدایت لکھہ قصیر خوشنوا

وہ لکھے ہیں اسمیں مضامین شعر
جو ہے فکر تاریخ تم کو قصیر

واہ کیا رنگیں ہیں مضمون کیا شگفتہ شعر ہیں
لکھدو تاریخ اشاعت بھی تم اس کی یہ قصیر

حضرت بیخود بھی ہیں کیا شاعر روشنضمیر
طبع کی تاریخ سمت میں یہ لکھدو اے قصیر

خوب دیوان چھپا ہے بیخود کا
فصلی سن اس کا اے قصیر کہو

واہ کیا پاکیزہ دیوان ہے زبان صاف کا
اس کا سال طبع یوں لکھدے قصیر ماوفا

واہ کیا نقشا نیا ہے کیا نرالی آن ہے
سچ تو یہ ہے واقعی حسن سخن کی کان ہے
ہاتف غیبی یہ بولا کس طرف کو دھیان ہے
بات جو مشکل سمجھہ رکھی ہے وہ آسان ہے
جانشیں داغ کا دیوان والاشان ہے

دیگر

ہاتف غیبی یہ بولا والسلام
بے بدل مشہور بیخود کا کلام

دیگر

زبان قلم سے ہو تعریف کیا
کہو خوب بیخود کا دیوان چھپا

دیگر

دیکھکر دیوان ہوتا ہے گماں اک باغ کا
ہمزباں ہے بیخود کامل جناب داغ کا

دیگر

چاندنی سی چاندنی ہر شعر سے جسکے کھلی
خوب ہے دیوان بیخود مایہ روشن دلی

دیگر

جس کا مداح اک زمانہ ہے
کیا فصاحت کا یہ خزانہ ہے

دیگر

جس سے دلی کا ہوا مشہور اک عالم میں نام
ہے نیا منشی وحید الدین بیخود کا کلام

تقریظ مع تاریخ

تازہ مشام جان ہی پھیلی ہوئی ہے خوشبو
بندش ہی چست کیسی پاکیزہ روزمرہ
دہلی کی یہ زباں ہے شستہ محاورے ہیں
ہر لفظ تیر و خنجر ہر شعر نوک نشتر
زلفوں کی گر صفت ہو سنبل کے بل نکالے

عطر سخن ہے کس کا عالم مہک رہا ہے
سانچے میں مصرع مصرع گویا ڈھلا ہوا ہے
روشن ہیں سب معانی مطلب ہیں وہ صفا ہے
معشوق کی نظر ہے عاشق کا دل فدا ہے
ابرو کی گر ثنا ہے خنجر کھنچا ہوا ہے

مخمور آنکھہ دیکھی چپکا رہا ہے ساغر
مضمون کمر کے لکھے عنقا صفت بنایا
معشوق کی نظر میں عشاق کے جگر ہیں
وصفِ دہن وہ لکھا موہوم سا ہے نقطہ
دنیا سے ہے نرالا طرز خرام دلکش
مژگاں پر عاشقوں کی دل آگیا ہے کھنچکر
ہے جامِ بیخودی کا کیفِ سخن کی لذت
ہے داغ کی زبان کل شاید دہن میں گویا
رنگِ زبان دیکھو طرز بیان دیکھو
بلّور کا ہے شیشہ گلرنگ ہے وہ صہبا
بد بین دشمنوں کے دلمیں ہے وہ خلش گر
تاریخ طبع اسکی لکھو کوئی قصیدہ اب
ہاتف نے یوں ندا دی برجستہ ہی یہ مصرع

رُخسار کی صفائی اک شعلہ نور کا ہے
قامت کا گر بیاں ہے محشر بپا ہوا ہے
تیر نگاہِ ظالم جبکا لگا گیا ہے
کہلتا نہیں معما کچھہ فکر نارسا ہے
رفتار کے چلن کو فتنہ بنا دیا ہے
گویا کہ پھول نازک کانٹے میں تل رہا ہے
مستِ شراب ہو کر بلبل جہک گیا ہے
وہ بول چال دیکھی اک لطف آرہا ہے
کیا پھول کہل رہے ہیں گلشن ہرا بھرا ہے
طوطیِ ہند شاید بلبل بنا ہوا ہے
کیا پھول اس کے سو نگہیں کانٹا لگا ہوا ہے
واللہ ہے یہ دیوان یا اک چمن کہلا ہے
باغِ کلام بیخود کیسا کھلا پھلا ہے
۱۳۱۹

تقریظ و قطعہ تاریخ طبع زاد شاعر رنگین بیان سخنور شیریں زبان جناب منشی قمر الدین صاحب قمر دہلوی شاگرد رشید حضرت مصنف

ہے گفتار بیخود میں جو کیفیت
یہ دیواں نہیں پورا میخانہ ہے
اسے پڑھ کے ہوتا ہے ایسا سرور
دل و جان سے ہیں وہ تو اس پر فدا
ہر اک شعر میں اس کے ہے کیف مے
دکھایا ہے سارے زمانے کا حال
قصیدے رباعی مخمس غزل

بیاں منہ سے کیونکر وہ ہو کیفیت
ہزاروں طرح کی شراب اسمیں ہے
مے ناب کرتی ہے جیسا سرور
یہ دیوان ہے مے پرستوں کی جان
یہ دیوان ہے یا جام جمشید ہے
یہ دیوان ہے اسقدر بے نظیر
مسجع مسدس ہیں سب بے بدل

ہر اک شعر میں رنگ مستانہ ہے
صفت یہ بڑی لاجواب اسمیں ہے
جنہیں ہے شراب سخن کا مزا
یہ دیوان ہے ہم سے مستوں کی جان
مصنف نے اسکے کیا ہے کمال
کہ ملتی نہیں جس کی ڈھونڈے نظیر
میسر ہیں دیوان ایسے کہاں

زمیں جن کے ہر ایک ہو آسماں ۔ لگائے ہیں ہر صفت کو چار چاند ۔ یہ دیوان ہے وہ پر انوار چاند

کہوں کیا مری عقل حیران ہے ۔ کہ ایک ایک شعر اسمیں دیوان ہے ۔ یہ دیوان دنیا میں ہے انتخاب

یہ دیوان ہے آپ اپنا جواب
مصنف کا روشن کرے گا یہ نام
پروئی ہے اک موتیوں کی لڑی
یہ دیوان ہے گلشن بیخزاں
نہیں مدح کر سکتی میری زباں
نہیں کہتے اس کو سخن گستری
برابر برابر جماتے ہیں پھول
کروں اس کی تعریف میں کیا بیاں
کہ سب خوبیوں سے مزین ہے یہ
بہت بڑھ گئی شان علم ادب
کہیں ہے حقیقت کہیں ہے مجاز
کہیں استعارے نرالے نئے
کہیں خوبصورت کنایے تمام
صنائع بدائع لطیفے نکات
نہیں عیب کا دیکھنے کو بھی نام
درست ہر مثل اسکی ہر بات ٹھیک
کہیں ہے ظرافت متانت کے ساتھ
کہیں ہے وہ مضمون آسان جسے
مصنف بھی ایسا ہی ہے باکمال
بہت بے تکلف نکالے ہیں شعر
کہ دریا میں پانی بہے جس طرح

یہ دیوان بیشک ہے دنیا میں فرد
جواہر کے ٹکڑے ہیں اس میں تمام
یہ دیوان پھولوں کا گلدستا ہے
یہ دیوان ہے باغ اردو زباں
یہ سمجھیں اسے کس طرح سحر فن
اسی کا تو ہے نام جادو گری
مصنف کی گلچینیوں کا گواہ
کہ اسکا ثنا خواں ہے سارا جہاں
فصاحت بھی اسمیں بلاغت بھی ہے
یہ دیوان ہے جان علم ادب
لیا ہے کہیں کام تشبیہ سے
کہیں ہیں اشارے نرالے نئے
مثالیں ہیں اسکی بڑی بیمثال
غرض اس میں موجود ہیں سب صفات
یہ ہر طرح کے عیب سے پاک ہے
نہیں ہے کوئی لفظ اس میں رکیک
کہیں ہیں بڑے گہرے گہرے خیال
سنے کوئی بچہ بھی تو داد دے
ہو جی چاہے جیسی زمیں سنگلاخ
بلاغت کے سانچے میں ڈھالے ہیں شعر
بڑے ہیں جو بحروں میں مشکل زحاف

کئے اور دیوان سب اس نے گرد
یہ ظاہر ہے صورت سے ہر شعر کی
جواہر کے مولوں بھی توستا ہے
وہ کامل ہے اس باغ کا باغباں
لگایا ہے جس نے یہ تازہ چمن
ہزاروں طرح کے کھلائے ہیں پھول
یہ دیوان ہے رنگینیوں کا گواہ
دلیل اور بھی ایک بین ہے یہ
تخیل کی ظاہر نزاکت بھی ہے
کہیں ہیں بیان و معانی کے راز
حذر ہے مگر عام تشبیہ سے
کسی جا ہے تاویل کا التزام
کوئی کس سے آخر اسے دے مثال
حقیقت میں ہیں خوبیاں تو تمام
کہ اردو کے چہرے کی یہ ناک ہے
کہیں تمکنت ہے شرارت کے ساتھ
ہر اک گو ہے جن کا سمجھنا محال
یہ تصنیف ہے جس طرح بیمثال
سمجھتے ہیں اس کو نہیں سنگلاخ
روانی طبیعت میں ہے اس طرح
تو گذرے ہیں ہر اک کی طرح صاف

ملی ہے قیامت کی فکر رسا
کہ ہر بات میں بات ایجاد ہے
یہ دعویٰ نہیں ہے مرا بے دلیل
نہیں کم ہیں استاد و اسلاف سے
کوئی اُن کا مد مقابل نہیں
ملائے کوئی آنکھ بھی کیا مجال
تخیل کی قوت کی حالت ہے یہ
کیا ہے یہ پھر اور اُس پر غضب
کہیں طرز جرات کی سودا کا رنگ
قصیدوں میں دلّی کے عرفی ہیں آپ
ہے ترکیب پر سب کی حاصل عبور
نہیں آتا وہم و گماں میں کوئی
حقیقت میں بیخود سے معجز بیاں
کہ یہ داغ صاحب کے ہیں جانشیں
وہی ہے زباں قابل امتیاز
ہے ان کی زباں میں بھی وہ ہی اثر
وہی عاشقانہ ہیں سارے خیال
کلیجوں میں لینی وہی چٹکیاں
وہی کہنی ہر بات چبھتی ہوئی
تڑپ جائے سنتے ہی جنکو بشر
مضامین ان کے بطرز مثال
وہ دیوان کی اُنکے تفسیر ہے
کہیں ذکر ہے چاندنی رات کا

کسی کا اجارا یہ اُس کی عطا
یہ اوصاف سارے خداداد ہیں
یہ دیوان ہے دعوے کی بے مر دلیل
ہیں استاد میرے بڑے باکمال
کسی کو بھی یہ بات حاصل نہیں
دکھایا ہے ایسا طبیعت کا زور
طبیعت میں اُس پر نزاکت ہے یہ
کہیں ذوق غالب کی طرز بیاں
تخیل میں برتا ہے مومن کا ڈھنگ
روش اپنی سب سے جدا ہے مگر
نکلتے ہیں بچکر مگر سب سے دور
کچھ ایسی ہے ان پر خدا کی عطا
سخن سنج ہوتے ہیں پیدا کہاں
انہیں کے سے ان کے ہیں سارے خیال
وہی فقرے فقروں میں سوز و گداز
وہی ہے صفائی وہ ہی شستگی
وہی جابجا ذکر حسن و جمال
وہی سہل و آسان طرز بیاں
وہی گفتگو دل میں کھبتی ہوئی
وہی داغ کی سی ہیں گلچینیاں
مجھے بھی دکھانے پڑے خال خال
کہیں جلسے کرنے شب ماہ میں
کہیں حال لکھا ہے برسات کا

طبیعت میں جدت خداداد ہے
ہمہ داں غرض میرے استاد ہیں
میں کہتا ہوں یہ بات انصاف سے
نہیں ہے زمانے میں اُنکی مثال
خدا نے دیا ہے وہ اُن کو کمال
کہ سارے زمانے میں ہے یہ ہی شور
چنندہ مضامین لکھے ہیں سب
کہیں میر سے بڑھ گئی ہے زباں
مثالوں میں اردو کی سعدی ہیں آپ
مٹے ہیں فقط ہم تو اس بات پر
ادا بنا ایسا جہاں میں کوئی
کہ سارے زمانے کو منوا دیا
کچھ اس بات میں شبہہ و شک نہیں
وہی ٹھیٹ دلی کی ہے بول چال
وہی بندشیں وہ ہی گہری نظر
وہی سب ہے مشاقی و پختگی
وہی شوخ مضمون کرنے بیان
وہی صاف ستھری ہے اردو زباں
وہی ان کے اشعار میں ہے اثر
وہی مصرعے مصرعے میں رنگینیاں
سمجھ لیں سب آگے جو تحریر ہے
کہیں شب کٹی نالہ و آہ میں
کہیں چرخ پر چھا رہی ہے گھٹا

کہیں مینہ برسنے لگا زور کا
کہیں پڑتی ہے ہلکی ہلکی پھوار
کسی جا ہے پیشِ نظر سبزہ زار
کہیں سرو قمری کی ہی داستاں
کہیں بچھا صیاد کا جال ہی
کہیں وصل کا شوق ارمان دید
ٹپکتی ہے اُس سے عجب آرزو
تمنا کسی کی ملاقات کی
کہیں وصل کی شب پلا کر شراب
کہیں وصل میں ہی جدائی کا خوف
کہیں منقبت کے لئے ہیں مزے
کسی جا حقیقت کے کھولے ہیں بھید
کہیں فقہ کے مسئلوں کا ہی حل
کہیں فلسفے کی جھلک ہی عیاں
کہاں تک کروں وصف منہ سے بیاں
مگر نکلی اسمیں تو پوری جھمیل
فقط فکر تاریخ باقی ہی اب
مجھے ہاتفِ غیب نے دی صدا
قمرؔ ہے یہ دیوان وہ لاجواب
میرے اُستاد سا دُنا نے ہیں
اُن کے دیوان کی ہیں لکھوں تاریخ
اس سے مجبور ہوں کروں میں کیا
دل جلانے کو حاسدوں کا قمرؔ

چمکتی ہے بجلی کہیں چرخ پر
دکھائے ہیں جاری کہیں آبشار
دکھائے ہیں منظر کہیں قدرتی
کسی جا ہیں گلشن میں نہریں رواں
کہیں لب پہ ہے وصل کی داستاں
کہیں دونو باتوں سے ہیں ناامید
حقیقت تو یہ ہے مضامین شوق
نہیں دیتی فرصت کبھی بات کی
کسی کے اٹھائے ہیں شرم و حجاب
کہیں ذکر ہے عبد و معبود کا
کسی جا تصوف کے ہیں تذکرے
کہیں ہے شریعت کے اوپر نگاہ
ہر اک بات کی ہی بیاں برمحل
کہیں ہی نصیحت کہیں کچھ ہی پند
قمرؔ تھک گئی اب تو میری زباں
یہ صدقہ ہے سب میرے اُستاد کا
نہیں چین ہے مجھکو جس کے سبب
تردد کی یہ بات ہرگز نہیں
خجل جسکو دیکھے سے ہو آفتاب
دوسرا کوئی ہو نہیں سکتا
حوصلا ہے مرا کہاں اتنا
سرِ اندیشہ کاٹ کر میں نے
دوسرا داغ ہو گیا پیدا

۲۵ ۱ ۱۳
۳۴ ۱۳

گرجتا ہے بادل کہیں رات بھر
لگی ہے کہیں حالت کو ہسار
کہیں سیر ہوتی ہی باغات کی
کہیں بلبل و گل کا احوال ہے
کہیں ہے شبِ غم کا قصہ بیاں
جہاں کی ہی معشوق سے گفتگو
سکھاتے ہیں لوگوں کو آئین شوق
کہیں ہے یہ حالت شبِ انتظار
کہیں چرخ کی فتنہ زائی کا خوف
کہیں نعت اور حمد کی ہی ادا
کہیں معرفت کے ٹٹولے ہیں بھید
پھر اُس پر بتائی طریقت کی راہ
کہیں کی ہیں حکمت کی باتیں بیاں
یہ سمجھو کہ دریا ہے کوزے میں بند
سمجھتا تھا تقریظ لکھنے کو کھیل
کہ طے کر لیا میں نے یہ مرحلا
یہ تشویش ہوتی گئی جب سوا
جدا کرکے لکھدے سر بدیقیں

قطعہ تاریخ

داغؔ کا جانشیں ہو جو شخص
جوش الفت ابھارتا ہے مگر
طبع دیوان کا سال یوں لکھا

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

تقریظ از نتیجہ فکر شاعر نغز گو شیریں زباں منشی عبد الغفار خاں المتخلص بہ قیصر شاگرد رشید حضرت مصنف

آج ساقی پلادے کوئی جام
اک اچھوتا چمن لگاؤں میں
رہنے والا ہوں شہر دہلی کا
آٹھ دن اور یہاں ہیں نو میلے
ناچ گانے کا رنگ جمتا ہے
مہ جبینوں کی عید ہوتی ہے
میرے دل میں بھی شوق چرّایا
پیاری پیاری ہر ایک صورت تھی
کرتے پھرتے تھے سیر دریا کی
اک قیامت تھی وہ پری پیکر
ٹپکی پڑتی تھی رال یاروں کی
سادگی بھی تھی قدرتی گہنا
کوئی شیدا تھا بھولی صورت پر
کوئی باتوں پہ مرمٹا اُنکی
جس سے ہوتی تھیں ان کی آنکھیں چار
بے اجل وہ غریب مرتا تھا
دل لگی کے تھے ہر طرف ساماں
جمگھٹا یہ رہا وہاں تا شام
میں نے سوچا کہ دور جانا ہے
گھر کو آنا پڑا وہاں سے خیر
میں نے اکثر یہ بات دیکھی ہے
گذرا جو کچھ وہ خواب میں دیکھا

بھر کے دیدے شراب لالہ فام
اپنی بیتی سنانی ہے منظور
ساری دنیا میں جس کا ہی چرچا
جمع دریا پہ ہوتے ہیں پیر اک
دور دریا پہ خوب چلتا ہے
قتل عشاق پر کمر کس کر
میں بھی دریا کی سیر کو آیا
رشک خورشید نازنیں لاکھوں
جن کے ہر ناز میں تھی بیبا کی
آنکھ اُن سے کہیں جو مل جائے
جان بیچین تھی ہزار دل کی
کوئی شوخی پہ جان دیتا تھا
کوئی مرتا تھا گوری رنگت پر
کوئی بھرتا تھا دم حسینوں کا
دل پہ چلتی تھی اُس کے اک تلوار
یار لوگوں کی ٹکریاں ہر جا
عقل میری تھی دیکھکر حیراں
جب اندھیرا سا کچھ ہوا ظاہر
دن یہ اگلے برس بھی آنا ہے
اس قدر تھک کے ہو گیا تھا چور
دن میں جو کچھ کسی پہ بیتی ہے
میرے دل میں بسی ہوئی تھی سیر

مست ہو کر قلم اُٹھاؤں میں
جس کو سنکر ہو رنج و غم کافور
اس کے باشندے سب ہیں البیلے
جن کے فن کی زمانہ میں ہو دھاک
نازنینوں کی عید ہوتی ہے
ماہ وش جاتے ہیں وہاں اکثر
جا کے دیکھا عجیب رنگت تھی
غیرت حور مہ جبیں لاکھوں
چال پُر غش تھا فتنۂ محشر
پانی زاہد کے مُنہ میں بھر آئے
ان حسینوں کا واہ کیا کہنا
دور ہی سے بلائیں لیتا تھا
کوئی رفتار پر فدا اُن کی
نازنینوں کا مہ جبینوں کا
تھام کر دل کو آہ بھرتا تھا
میں نے دیکھیں بہت لب دریا
چھک گئے پیٹ بھر کے ہو آ شام
پھر تو دل میں ہر اک ہوا تر پھر
دل یہ کہتا تھا اور دیکھو سیر
گھر میں آتے ہی سو گیا مجبور
شب کو آیا خیال کچھ اُس کا
خوب دریا کی میں نے کی تھی سیر

نازنینوں کے رنگ دیکھے تھے
پہلے دریا پہ اب وہ گھر میں تھیں
آنکھ لگتے ہی دیکھتا کیا ہوں
ہو گی کس طرح وصل کی تدبیر
میرے دم پر کہیں نہ بن جائے
سامنے جسکے حور ہو پانی
آج تجھکو یہ فکر کیسی ہے
لب پہ رونکھی سی ہنسی کیوں ہے
میں نے اُس کو جو غور سے دیکھا
پھر تو ہم دونوں ہو لئے پیدل
دل میں کہتا تھا دیکھئے کیا ہو
دیکھئے کب پلٹ کے آتا ہوں
مجھ سے اُس نے کہا کہ کچھ دیکھا
قابل دید اُس کا جوبن ہے
باغ ہم نے نیا لگایا ہے
ہم نے خون جگر سے سینچا ہے
سینکڑوں لوگ جمع تھے در پہ
ہو گیا مجھکو اک اچنبا سا
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں تھیں ہر سو
سچ تو یہ ہے کہ فردوس تھا
ہر شجر سے عیاں خدا کی شان
اپنے جوبن میں کچھ نرالی تھی
ہر شجر میں تھی بو محبت کی

عشقبازوں کے ڈھنگ دیکھے تھے
سر میں سودا کسی کے گیسو کا
دھن میں ایک حور وش کی لیٹا ہوں
اس کی بانکی ادا نے مارا ہے
سیر دریا کی رنگ کچھ لائے
میرے آگے کھڑی ہوئی آکر
کیوں طبیعت تو تیری اچھی ہے
وہ گھڑی چل کے اپنا دل بہلا
کچھ محبت سی ہو گئی پیدا
باتیں رستہ میں کرتے جاتے تھے
کہیں ایسا نہ ہو کہ دھوکا ہو
رستہ دونوں چلے تھے تھوڑی دور
باغ وہ یہ ہے ذکر جس کا تھا
لوگ کوسوں سے روز آتے ہیں
رشک جنت اسے بنایا ہے
باغ میں سیر کرنے والوں کا
ہم بھی دونوں پہنچ گئے اندر
آنکھ سے میں نے وہ زمیں دیکھی
بھینی بھینی تھی ہر طرف خوشبو
باغ میں نخل جو نظر آیا
دیکھنے والے دیکھکر حیراں
پتہ پتہ تھا اس کا ستھرا صاف
شاخ ہر ایک حور جنت کی

پتلیاں حسن کی نظر میں تھیں
گویا مجھپر اثر تھا جادو کا
دل میں کہتا ہوں واہ ری تقدیر
موت نے گھاٹ لا اتارا ہے
ایک اتنے میں شکل نورانی
اور کہنے لگی کہ ہیں قیصر
بدمزہ دشمنوں کا جی کیوں ہو
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چمن کی کھا
جی میں آیا کہ ساتھ اس کے چل
وسوسے میرے دل میں آتے تھے
اجنبی کے میں ساتھ جاتا ہوں
اک عمارت نظر پڑی پر نور
اک نرالا نیا یہ گلشن ہے
سیر سے اسکی حظ اُٹھاتے ہیں
قابل رشک ہے جو پودا ہے
میں نے دیکھا لگا ہوا تانتا
میں نے جب باغ میں قدم رکھا
عمر بھر جو کبھی نہیں دیکھی
ہر شجر اس کا رشک طوبےٰ تھا
میں نے ہر ایک بار ور پایا
تر و تازہ ہر ایک ڈالی تھی
مثل آئینہ تھا ہر ایک شفاف
جس ثمر پر نگاہ پڑتی تھی

آنکھ گھڑیوں اسی سے لڑتی تھی
خود بخود دل میں جوش ہوتا تھا
دیکھکر لوگ جن پہ شیدا ہوں
جتنے پودے تھے انمیں سب اچھے
رشکِ جنت بنا ہوا گلزار
پھول جس وقت ایسے پاؤنہیں
دل کو فرحت ہوئی وہاں جاکر
حوض پانی کے باغ کے اندر
چھوٹے چھوٹے تھے اُن میں فوارے
فرشِ مخمل سے گھاس تھی بڑھکر
ایک بارہ دری نظر آئی
سیر کرتے ہوئے چلے آگے
مجمع بارہ دری میں ہے کیسا
سب اسی باغ کے ہیں یہ مشتاق
خوب فن کی ملی ہے اِن کو داد
وہ ہیں انشا بہت بڑے مشاق
اِن کی مجھ سے نہ پوچھ کیفیت
وہ اسیر و امیر بیٹھے ہیں
رشکِ سعدی و غیرتِ طالب
حضرتِ ذوق واہ کیا کہنا
جن کے صدقے میں پھل گیا یہ باغ
سیر کرنے کو سب چلے آئے
شمع گلشن کے ہیں یہ پروانے

حسن دلکش کا سا اثر دیکھا
بیج الفت کا کوئی بوتا تھا
جا بجا باغ میں نظر آئیں
ایسے چشم فلک نے کب دیکھے
رنگ ہر گل کا تھا جداگانہ
کیوں نہ آنکھوں سے پھر لگاؤں میں
ہر جگہ بلبلوں کا اک غل تھا
گذرے میری نگاہ سے اکثر
ہر شجر پر تھے سینکڑوں ہی طیور
طاری حیرت سی ہو گئی مجھ پر
چند احباب اُس میں بیٹھے تھے
پاس بارہ دری کے ہم پہنچے
ہنس کے کہنے لگے بتائیں ہم
شاعری میں ہیں سب کے سب مشاق
پاس اِن کے ہیں میرزا سودا
خوش بیانی میں شہرۂ آفاق
دیکھ وہ مصحفی ہیں ان کا نام
اچھے اچھوں سے یہ بھی اچھے ہیں
اُن کو مومن ہر ایک کہتا ہے
دیکھ بیٹھے ہوئے ہیں وہ دیکھا
سب اسی باغ کے ہیں شیدائی
ہو گئے خوب ان کے پھر پلے
اس کی تعریف سب ہی کرتے ہیں

میں نے معشوق ہر شجر دیکھا
چھوٹی چھوٹی سی کیاریاں لاکھوں
میں نے پھولوں سے سب لدی پائیں
پھول پودوں میں سارے خوشبودار
بو ہر اک گل میں پائی مستانہ
نہریں جاری تھیں باغ کی اندر
کہیں غنچہ تھا اور کہیں گل تھا
آب شفاف سے تھے پر سارے
ہر طرف باغ میں برستا نور
اور آگے نظر جو دوڑائی
اگلے وقتوں کی وضع کے تھے
اپنے ساتھی سے میں نے یہ پوچھا
حال ان کا تجھے سنائیں ہم
میر صاحب ہیں وہ جگت استاد
باکمالی کا ان کی ہے شہرا
چپکے بیٹھے ہیں حضرت جرأت
شعر گوئی میں خوب پایا نام
وہ ہیں مشہور میرزا غالب
شعر ان کا دلوں میں رہتا ہے
اور بیٹھے ہیں وہ جناب داغ
اس کی شہرت کہیں سے سن پائی
اور لوگوں کی تو خدا جانے
شوق سے دم چمن کا بھرتے ہیں

خوب ہر ایک گل کو پر کھا ہی
مل گئی اس چمن کی ہم کو داد
ان بزرگوں کا کیا سناؤں حال
اور ادب سے زباں کو یوں کھولا
آج دنیا میں نام اُن کا ہے
دم سے اُن کے ہے شاعری کا نام
طبع نازک بلا کی پائی ہے
ہیں وہ سودا سے دو قدم آگے
ان پہ کامل رہا یقین داغ
خوبیاں لاکھ ہر ترانے میں
جو غزل ہے وہ تیر و نشتر ہے
اِن کا دنیا میں اب نہیں ثانی
شعر آجاتا ہے جب ان کا یاد
سنکے کہنے لگے وہ ای بیہوش
میں نے گھبرا کے آنکھ جب دیکھا
اور کچھ ہو گئی مری حالت
اب نہ وہ باغ تھا نہ تھے اُستاد
مان دل میں خیال یہ آیا
میری جس باغ پر فدا ہی جاں
باغ لاریب بے بہا ہے وہ
خواب میں آ گئے مرے گھر پر
خواب تک میں بھی یہ عنایت ہی
میں نے موقع سحر کو جب پایا

جب یہ نکلا دہن سے اچھا ہی
ان میں ہر ایک ہی بڑا استاد
سب ہیں نقدِ سخن سے مالامال
یہ تو تشریف سب یہاں لائے
مستند اب کلام اُن کا ہے
رشکِ غالب ہیں وہ بلاغت میں
سادگی میر کی دکھائی ہر
دنگ اُنکے کلام سے جرأت
اِن کو مانا ہے جانشین داغ
ان کی شوخی پہ مہ جبیں قرباں
شعر ایک ایک تیر خنجر ہے
میں نے ان کا کلام لکھا ہے
دل میں کہتا ہوں واہ وا اُستاد
ہم کو استاد عمر بھر مانا ؛؛
اُن کا ارشاد وہ بجا نکلا
نیچی کر لی جو میں نے جھٹ پٹ آنکھ
ہاتھوں اُچھلا مرا دلِ ناشاد
خوب جاگی ہے سو تمہیں تقدیر
میرے اُستاد کا ہے وہ دیواں
میں نہ حاضر ہوا جو خدمت میں
مہربانی یہ کی بڑی مجھ پر
صبح موقعہ اگر میں پاؤں گا
جا کے اُن سے یہ خواب دہرایا

ہم کو ان سب نے دی مبارکباد
ان سے ہے گلشن سخن آباد
سنتے سنتے میں چونک کر بولا
میرے استاد بھی کبھی آئے
شعر گوئی میں وہ نکالا نام
داغ ثانی ہیں وہ فصاحت میں
سب سے اُن کا رہا قلم آگے
بھڑ سکے ان سے کس کی ہے ہمت
فرد و یکتا ہیں وہ زمانے میں
سادگی پر فدا ہر اک کی جان
اِن کی مشہور ہے زباں دانی
خوب نظروں کے میری گذرا ہی
اتنا کہکر ہوا تھا میں خاموش
آج تو نے ہمیں نہ پہچانا
سٹپٹایا میں دیکھکر صورت
میری اتنے میں کھل گئی چٹ آنکھ
خواب کا رنگ کچھ عجب پایا
ٹھیک بالکل ہی خواب کی تعبیر
چھپ کے تیار ہو رہا ہے وہ
میرے استاد جوشِ الفت ہیں
بیشک استاد کو محبت ہے
پہلے خدمت میں اُن کی جاؤنگا
حکم مجھکو ہوا کہ اچھا تم

نظم کر ڈالو سارا قصا تم
میں نے خوش ہو کے کر دیا تحریر
خوش و خرم رہیں ہیں دلشاد
شاعروں کی یہ جان بنجائے

اپنے دیوان میں جگہ دینگے
فضلِ خالق سے کھل گئی تقدیر
مثل خورشید چمکے یہ دیواں
ہر زمین آسمان بن جائے

ہم تمہارا یہ خواب لکھ لینگے
یہ دعا ہے خدا سے اب استاد
اس پہ قربان کی تھی یہنے جان

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

قطعہ تاریخ از نتیجہ فکر چکیدہ قلم فصاحت رقم مولوی حکیم محمد عابد علی صاحب کوثر خیر آبادی

بحمد اللہ بود دیوان بیخود
ز معنی جلوہ گر شانِ فصاحت
سوادش طرۂ طرار خوباں
سطورش زلف پیچانِ فصاحت
اگر پرسند کوثر سال طبعش
چوں مدون کرد پاکیزہ کلام
ناثر رنگین بیاں شیریں زبان
کامل و مشاق در ہر علم و فن
نظم تر تازہ شگفتہ گلستان
منطبع گشتہ چو دیوان لطیف
دل کشا رنگیں و خندان بوستاں
۱۹ ۵

گل شاداب بستانِ فصاحت
مضامیں مرہم زخم بلاغت
بیاضش شمع ایوانِ فصاحت
بود الفاظ روشن نظم پرویں
بگو طرفہ گلستانِ فصاحت
۱۲ ۴۴
بیخود معجز رقم جادو بیاں
باعث صد نازش فضل و ہنر
در کمال و فضل یکتائے جہاں
سنبل و ریحاں و لالہ شد خجل
شاد و خرم شد دل پیر و جواں

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

بہ مضموں شوکت الفاظ پیدا
معانی عیسی جانِ فصاحت
دوائر عکس خورشید درخشاں
حروفش نجم تابانِ فصاحت

(دیگر)

شاعر مشکیں قلم زریں رقم
افتخار ناثران و شاعراں
نثر رنگیں گلشن سر سبز خلد
ہست دیوان یا بہار بیخزاں
سال طبعش خامۂ کوثر نوشت

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

قطعہ تاریخ از نتیجہ فکر فہیم سخنور شیریں کلام جناب محمد عبد الغفار خاں صاحب مفتوں تلمیذ نواب فصیح الملک بہادر داغ

چھپ گیا سید وحید الدین صاحب کا کلام
اسمیں جو شوخیاں ہیں اسمیں جو خوبیاں
جس نے اس دیوان کو دیکھا وہ دیوانہ ہوا

منتظر تھیں جسکی آنکھیں اب وہ صورت ہے عیاں
صفحہ صفحہ پر ہیں وہ گلکاریاں لیجائیں
لائے ہیں بانسار سی یہ خوب سودا قدرداں

میں کروں تعریف کیا خود دیکھ لینگے ناظرین
یا گلستاں کہئے اسکو دیکھکر یا بوستاں
واہ کیا کہنا سبحان اللہ سارے وصف ہیں

شستہ مضمون چست بندش خوش بیان شیریں زباں
آپ کے مفتون نے یہ تاریخ اسکی عرض کی

کیوں نہ ہو نے شیر طوطی آج بزم عام میں
بیخود شیریں زباں ہے شاعر جادو بیاں

خاص ہے تو فیضیاب بلبل ہندوستان

٭ ٭ ٭

کلک دو زباں نے یہ صدا دی دم تحریر
منہ سے جو سخن بیخودی شوق میں نکلے
سب جانتے ہیں حضرت بیخود کا ہے دیواں
سمت ہیں تو یہ طبع کی تاریخ کہو تم
یہ عیسوی و ہجری ہیں مفتوں کہو مصرع

دیگر

کچھ آپ کے لکھنے کی نہیں اس کو ضرورت
وہ کیوں نہ موثر ہو بتاؤ تو اے حضرت
ہرگز نہیں اس کو کسی تعریف کی حاجت
آئینہ راحت ہے کہ تصویر لیاقت
اتمام بلاغت ۔ گل خندان فصاحت

دیگر

عیاں کو بیاں کی ضرورت نہیں
جھلک جس میں ہو نور فیضان کی
کرے داغ کا نام روشن سدا

ہے اک طبع روشن کی یہ روشنی
ہے آخر کے مصرع میں تاریخ طبع
چراغ دل بیخود دہلوی

کہیں وہ تجلی بھی چھپ سکتی ہے
جو مفتوں نے ہاتف سے سُنکر کہی

٭ ٭ ٭

تقریظ از نتیجہ فکر رسا ذہن ذکا خوش بیان فصیح زبان جناب حبیب احمد خاں صاحب متخلص میکش شاگرد مصنف

چھوڑ میکش شراب کی باتیں
شعر سننے کا ذوق ہے تجھکو
شعر جوئی کے ہیں تمام اس میں
اُس کا ہر شعر ہے کمال بلند
اس کی شوخی کا پوچھنا کیا ہے
اک زباں کیا ہے آسماں ہے سنی
ہر غزل اُس کی نور کی پتلی
آج تک کس نے ہے سنا دیکھا
باغباں کا نہیں جواب اُس کے
اُس سے جاتی ہے بیکلی دل کی
شعر اُس کا ہے نشہ اک خم کا

ہم سے سن اک کتاب کی باتیں
ایک دیوان چھپ رہا ہے یہاں
چست بندش کے اہتمام اوس میں
مصرع مصرع سے ہے ادا ظاہر
سادگی میں بھی دیکھ کیا کیا ہے
نئے مضمون ہیں لاجواب ہے وہ
اُس کا ہر نقطہ حور کی پتلی
فرد ہے ایک ہیں ہزار میں وہ
پھول جتنے ہیں انتخاب اسکے
اُس سے دل کو سرور آتا ہے
ہوش رہتا نہیں تکلم کا ،

شعر گوئی سے شوق ہے تجھکو
دیکھ اُس کی نئی ہے طرز بیاں
مستند ہے زبان خیال بلند
اور ہو گا کمال کیا ظاہر
اُس کی تعریف ہر زباں ہے سنی
سارے عالم کا انتخاب ہے وہ
حُسن یہ شاہد ان مضموں کا
ہے نسیم سحر بہار میں وہ
ہر کلی اُس کی ہے کلی دل کی
اُس سے آنکھوں میں نور آتا ہے
ہے زباں اُس کی مدح میں قاصر

خامہ ہاں اس کی مدح میں قاصر
میکدہ ہے یہ ہوش والوں کا
پھر نہ کچھ مجھسے انتظار ہوا
میرے استاد کا کلام ہے یہ
رنج وغم سارے اپنے بھول گیا
جانشیں داغ کے مرے استاد
ان کے ہونے سے شان اردو ہے
ماہر فن نہیں کوئی ان سا
ایسے پابند وضع لوگ کہاں
باکمالوں میں ہے شمار ان کا
جن زمینوں میں ہاتھ ڈالا ہے
ہے وہیں دھاک آج ان کی بھی
ہوئی شہرت کہاں کہاں ان کی
مانتا ہے ہر ایک ماہر فن
ان کا ہر مصرع ہے محاصل فن
عرش کے تارے توڑ لائے ہیں
میکشوں کے لئے ہے میخانہ
آرسی ہے یہ مہ جبینوں کی
ہے یہ غازہ پری جمالوں کا
اور اتنی ہے التجا حق سے

ہوش کھوتا ہے اُس کا ہر مصرع
نشہ دیتا ہے اس کا اور سپتا
جا کے مطبع میں دیکھا دیواں کو
دور ونز دیک جس کا نام ہے
میں نے تقریظ کا کیا آغاز
شان دلی کی ہیں رہیں آباد
ان کے ہمعصر مانتے ہیں انہیں
اب نہیں ہے کہیں کوئی انسا
اگلے لوگوں کی یادگار ہیں یہ
ملک معنی پہ اختیار ان کا
ہمسر آسماں بنایا ہے
نہ زباں میں نہ شوخیوں میں کم
داغ کی ہے زباں زباں انکی
نغز گوئی میں کب ہو ان کا جواب
شعر ان کا ستون قصر سخن
ان کے دیوان کی صفت کیا ہو
ئے الفت کا ہے یہ پیمانہ
حسن وخوبی کی خاص جاں ہی یہ
آئینہ ہے یہ باکمالوں کا
اس کی بنیاد کو خدا رکھے

بار نرگس کا ایسا ہر مصرع
سُن کے یہ وصف بے قرار ہوا
دیکھکر میں نے چوما دیواں کو
اب تو میں بھی خوشی سے بھول گیا
خامہ اپنے کر لیا دم ساز
ان کے دم سے زبان اردو ہے
لوگ اُستاد جانتے ہیں انہیں
ہیں قدامت کے ان میں سارے نشاں
اُجڑی دلی کی اک بہار ہیں یہ
خامہ کو ناز ان کی چٹکی میں
ہے جہاں دھوم داغ صاحب کی
ساتھ اُن کے ہیں یہ قدم بقدم
مستند ہے جہاں میں ان کا سخن
ان کا جو شعر ہے وہ ہے نایاب
ایسے پھلونئے دکھائے ہیں
اتنا کہتا ہوں میں جو سچ پوچھو
اس سے شہرت ہوئی حسینوں کی
مہوشوں کا سنگھار داں ہی یہ
ہو یہ مقبول ہے دعا حق سے
میرے استاد کو خدا رکھے

قطعہ تاریخ از نتیجہ فکر شاعر شیریں بیان عبد الحمید جلالپوری مفتون تلمیذ جناب حضرت انور

کلام حضرت بیخود نے چھپکر
ہوا ہے یہ بڑا احسان بیخود

زمانے کو دکھادی شان بیخود
کہی مفتوں نے تاریخ اشاعت

حقیقت تو یہ ہے اردو ادب پر
چھپا بہتر ہے دیوان بیخود
۱۳ ۳۲

(حاشیہ:) صحیح پھلواریاں کھلائی ہیں

تقریظ شاعر شیریں زبان معجز بیان مسٹر سید رفیع احمد صاحب المتخلص بہ مخمور شاگرد رشید و ہمشیرزادہ حضرت مصنف

گفتار بیخود کسی فاطر العقل یا دیوانے کی باتوں کا نام نہیں ہے بلکہ ایسے عالی دماغ صاحب عقل و فہم کامل واکمل کا کلام ہے جس کو عقل کا پتلا کہنا کسی طرح بیجا نہ ہوگا جو اپنے فن کا استاد کامل ہے جس کو آج ہند کا نظیری اور خاقانی عرفی اور قاآنی ہونے کا فخر حاصل ہے۔ جس نے اردو علم ادب میں قابل قدر اضافہ کیا ہے جس نے ایشیائی شاعری میں نئی روح پھونکی ہے جس نے گل و بلبل شمع و پروانہ کے ذکر میں فلسفہ و حکمت سے کام لیا ہے۔ جس نے حسن و عشق کی تصویر میں تصوف کا رنگ بھرا ہے جو معاملہ گوئی اور ادا بندی کا بادشاہ ہے جس کا ایک ایک شعر اس بات کا گواہ ہے۔ کہ کسی سخنور کامل کی زبان سے نکلا ہے۔ جس نے شاعری میں اعجاز دکھایا ہے۔ جس نے زبان کو زبان بنایا ہے۔ جس نے دنیا کو زبردستی منوایا کہ آجتک ایسا شاعر نہ ہے نہ ہوا وہ کون باکمال۔ منشی سید وحید الدین احمد صاحب بیخود دہلوی جانشین حضرت نواب فصیح الملک بہادر داغ دہلوی مرحوم مغفور۔ منشی صاحب کی روشن دماغی اور بلند خیالی اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ حضرت داغ کے بعد بزم سخن کا چراغ آپ کے دم سے روشن ہے خدا آپ کو زندہ و سلامت رکھے

قطعہ تاریخ از نتیجہ فکر شاعر شیریں بیان رنگیں زبان محمد صدیق صاحب مجنوں دہلوی تلمیذ حضرت منشی سید وحید الدین احمد صاحب بیخود دہلوی

شعر استاد کے بتان جہاں ‏ گائیں گلشن میں ڈال کر جھولے ‏ عندلیب چمن بھی سُن سُن کر
اپنی نغمہ سرائیاں بھولے ‏ داغ کے جانشیں کا ہے دیواں ‏ شاعری آئے جو اسے چھو لے
فکر تاریخ کی نہ کر مجنوں ‏ کہدے۔ باغ سخن میں گل پھولے ١٩

قطعہ تاریخ شاعر رنگیں زبان شیخ فضل الہی صاحب مخمور شاگرد مصنف

دل میں اپنے کہہ رہا تھا ایکدن ‏ ⁂ ‏ شعر ہیں استاد کے کیا دلپذیر
یک بیک یہ غیب سے آئی ندا ‏ ⁂ ‏ فکر میں مخمور تو کیوں ہے اسیر
حشر تک چمکیگا مثل آفتاب ‏ ⁂ ‏ چھپ گیا ہے یہ کلام بے نظیر

قطعہ تاریخ از نتیجہ فکر شاعر نغز گو فضل احمد صاحب مبین تلمیذ جناب محمد مرزا خان صاحب عابد

یوں تو شاگرد ہیں سبھی لاکھوں ۞ جن سے روشن ہے شاعری کا چراغ
کوئی تو بات تم میں ہے بیخود ۞ جو کیا تم کو جانشین داغ

قطعہ تاریخ وتقریظ۔ طبع زاد ناثر و ناظم باکمال ابو عبد العلی میر محفوظ علی مصلح سنگ دہلوی منیجر دلی پرنٹنگ ورکس دہلی

بندہ نے مجموعہ کلام منشی سید وحید الدین احمد صاحب بیخود جانشین فصیح الملک داغ الموسوم بہ "گفتار بیخود" کا مطالعہ کیا۔ اس کلام گوہر بار کا ہر شعر لاجواب اور ہر مصرعہ انتخاب ہے بمضامین نفیس وزبان سلیس نقادان سخن کے دلوں پر سکہ زن اور بزم نشینان محفل حزن وملال کے خواطر سے ہر آئینہ رافع زنگ اندوہ محن ہے۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ خط پاکیزہ صحت عمدہ اور چھپائی لاجواب ہے۔ **قطعہ**

للہ الحمد وہ کلام چھپا ۞ جس کا مشتاق اک زمانہ تھا
کہہ دو محفوظ مصرعہ تاریخ ۞ خوب دیوان چھپا بیخود کا

قطعہ تاریخ انطباع دیوان حضرت وحید الدین احمد صاحب بیخود دہلوی جانشین داغ دہلوی مغفور از سید ابن علی محشر متوطن ریاست جاورہ تلمیذ جناب سائل دہلوی

طبع شد دیوان بیخود دہلوی ۞ کامل فن شاعر عالی دماغ
گفت از محشر بصد فرحت سروش ۞ سال تاریخ ست بحر لطف داغ

قطعہ تاریخ از فکر شاعر شیریں زبان لالہ چھنو لال صاحب نافذ دہلوی شاگرد مصنف

میرے استاد کا چھپا دیوان
جامہ تن گیا خوشی سے مسک
جس کی شہدا ہو دل سے کل مخلوق
ہو ستاروں کا جسکے اوپر شک
ہے یہ دیوان وہ ماہتاب عجیب

پہنچی جس وقت یہ خبر مجھ تک
اس خوشی میں یہ میں نے ہنسکے کہا
ہو خریدار جس کے جن و ملک
جسکی بین السطور کے آگے
جس کو دیکھے سے داغ کھائے فلک

وہ مسرت ہوئی مجھے حاصل
ایسا دیوان ہی نہ تھا اب تک
جس کے نقطے ہوں اس قدر روشن
مات ہو جائے کہکشاں کی چمک
شوخ مضموں میں تمام اس میں

کیوں نہ انسان سن کے جائے پھڑک
حاسدوں کو جلانہ اے نافہم
داغ کے رنگ کی عیاں ہے جھلک
فکر تاریخ میں ہو تو مشغول
آگ سی میرے دل میں اٹھی بھڑک
طبع روشن نے یہ کہا مجھہ سے

داغ کے جانشیں کی ہے تصنیف
اُن کے زخموں پہ تو نمک نہ چھڑک
مُنہ سے کہنے کی کیا ضرورت ہے
اب زیادہ ادہرادہر نہ بھٹک
میں نے لکھی نہ تھی کبھی تاریخ
اِسکی تاریخ ہے۔ چراغ فلک
۱۳ ھ ۴۴

نہیں اس بات میں کسی کو شک
تیرے کہنے کی کچھہ نہیں حاجت
پھول دیتا ہے اپنے آپ مہک
سُن کے یہ بات مجھکو آیا جوش
اس سبب سے تھی میرے دل میں جھجک

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

قطعہ تاریخ از فکر شاعر رطب اللسان منشی محمد نواب علیصاحب المتخلص بہ اعجاز و نواب شاگرد مصنف

طبع استاد کا ہوا دیوان
ہے یہ دیوان ثنائے مہتاب
اِس کے ہر شعر میں ہے وہ تاثیر
اس لئے ہے یہ تحفۂ نایاب
اس کی تاریخ کیا لکھے گا تو
دل میں شرما تو اپنے خانہ خراب
میری ہمت تو گھٹ گئی تھی مگر
ہاتف غیب نے کہا کہ شتاب

آئے جب لے کے یہ خبر احباب
داغ کے جانشیں کا ہے یہ کلام
مست کرتی ہے جس طرح سے شراب
فکر تاریخ جب ہوئی مجھکو
ہے یہ دیوان نادر و نایاب
سن کے یہ بات میں ہوا خاموش
شوق نے پھر کیا مجھے بیتاب
طبع کا سال اسکی اے نواب

یہ خبر سُن کے یہ کہا میں نے
خوبیوں میں ہے آپ اپنا جواب
ہر طرح کی ہیں خوبیاں اس میں
میرے دل نے دیا یہ مجھکو جواب
تجھہ میں اتنی کہاں ہے استعداد
اور کچھہ بن نہ آیا اس کا جواب
دیکھکر مجھہ کو شوق سے بیچین
لکھدے ہے سلکِ گوہر نایاب
۱۳ ۴۴

قطعہ تاریخ مع تقریظ علامہ روزگار حافظ محمد رفیق صاحب واعظ نقشبندی مجددی مدرس مدرسہ نعمانیہ دہلی مصنف دیوان واعظ شاگرد جناب مصنف مدظلہ

گشت تصنیف وہ چہ دیوانے
بنگر او را بدیدۂ یعقوب
صبر بر بود از دل عاشق

دلکش و بے نظیر و خوش اسلوب
رشکِ صبح بیاض روشن او
جدول او چو گیسوئے محبوب

یوسفِ مصر خوبئے سخن است
عارفاں را بود ضیائے قلوب
منطبع شد دریں زمان دیوان

Supplied by ... Law Ho...

میرسد مژدہ از شمال و جنوب
من بہ شاگردیش ہمی نازم
صانہٗ ربنا عن المکروب
دوستدار کلام نغز و بلند
اثرِ گفتگوئے او لاریب
عاشقاں کلام را محبوب
نغز گو شاعرے است ہر شعرش
سال ہجری ۔ بود بسا مرغوب
چناں مسموع گردیدہ ز احباب
کہ بشگفتہ گل گلزار ۔ بیخود
دعائے میکنم بر صفحۂ دہر
فلک باشد معین و یار بیخود

بہر تفریح خاطر احباب
بیخود است از اساتذہ محسوب
دہلوی است جانشین داغ
دشمن جان معنی معیوب
جانب سحر سامری منسوب
می کند مصرع مصرعِ عش آگاہ
پاک و صاف است از تمام عیوب
(دیگر)
کنوں مطبوع شد گفتار بیخود
محال است از من واعظ محال است
بماند سالہا آثار ۔ بیخود
سنینِ عیسوی گفتیم و ہجری

بوستانے است جانفزا و خوب
نام نامی او وحید الدین
نام روشن ز شرق تا بہ غروب
ناز و انداز شاہد فکرش
از مقامات سالک و مجذوب
ختم دیواں چو گشت واعظ گفت
بہار آمد عنادل را بگوئید
بیان خوبیٔ اشعار بیخود
بود ذات او محسود خلائق
بر باغ سخن ۔ ایثار بیخود

تقریظ از نتیجہ فکر شاعر رنگین بیان بشیر الدین غلام امام ملال و بشیر دہلوی خلف جناب منشی قمر الدین صاحب قمر
تلمیذ حضرت منشی سید وحید الدین احمد صاحب بیخود جانشین داغ مرحوم دہلوی

فصل گل آگئی مبارک باد
ہے یہ موسم بہار کا موسم
اُس کی رحمت کا سر پہ سایا ہے
کل جو روتا تھا آج ہنستا ہے
جو شجر ہوگئے تھے مردا سے
سبز پریوں کے یا جمے ہیں پرے
ٹہنیوں کو نہیں ہے غم اب کچھ
آپ بنتی ہے اپنے جوبن میں

شاد ہو اب تو بلبل ناشاد
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں
یا فلک پر یہ ابر چھایا ہے
ابر رحمت نے مینہ وہ برسایا
تندرست ہوگئے نہا دھو کے
شاخ ہر ایک لد کے جھولو نیں
پھول پتے ثمر ملا سب کچھ
پھول پھلکر ہر ایک نخل چمن

دیکھ ہے کس قدر بھلا موسم
بدلیاں رنگتیں بدلتی ہیں
شادمانی کا مینہ برستا ہے
کہ پلٹ دی جہان کی کایا
ہوگئے ہیں یہ نخل سوکھے ہرے
جھولتی ہے ہوا کے جھولوں میں
آئی ہے وہ بہار گلشن میں
نظر آتا ہے ایک نئی دلہن

صحن گلشن میں دیکھ کر سبزا
منہ سے بیساختہ مرے نکلا
سبز مخمل کا ہے زمیں پر فرش

جس سے بہتر نہیں ہے کوئی فرش
ڈھیر ہر جا لگے ہیں پھولوں کے
جان آتی ہے جس کے دیکھے سے

سرخ پھولوں سے کونا کونا ہے
گویا یاقوت کا بچھونا ہے
سرو چلتی ہوا سے لڑتا ہے

آپ ہی آپ کچھ اکڑتا ہے
وصل قمری کو ہے نصیب کہیں
چھپاتی ہے عندلیب کہیں

دیکھ کر فصل گل کا جوش و خروش
میکشوں کو بھی آگیا ہے ہوش
فکر ہے دل میں مے اڑانے کی

دھن لگی ہے شراب خانے کی
در پہ ساقی کے آج دھوم ہے پھر
بادہ خواروں کا اک ہجوم ہے پھر

رنگ ہی میکدہ کا ہے کچھ اور
چل رہا ہے شراب ناب کا دور
خوب پی کر بہک رہے ہیں رند

مثل بلبل چہک رہے ہیں رند
نشہ میں شور و غل مچاتے ہیں
شادمانی کے گیت گاتے ہیں

کچھ نشہ بھی ہے کچھ جنوں بھی ہے
شور یوں بھی ہے اور یوں بھی ہے
اب نہیں ہے قبائے تن کی خبر

دست وحشت نے پھر نکالے پیر
نشہ کی ہے ترنگ ہر دل میں
الغرض ہے امنگ ہر دل میں

سیر پہ کر کے لی جو آگے راہ
پیر مرد اک نظر پڑا ناگاہ
خاص تاثیر جسکی بات میں تھی

اک انوکھی کتاب ہاتھ میں تھی
اس کو پڑھتا تھا داد دیتا تھا
آپ ہی آپ لطف لیتا تھا

دیکھ کر اس کے ذوق شوق کا حال
میں نے اس شخص سے کیا یہ سوال
کون ہے تو بتا خدا کے لئے

بات تو کر ذرا خدا کے لئے
نسخہ لاجواب کیا ہے یہ
آخر ایسی کتاب کیا ہے یہ

محو کس دھن میں اسقدر ہے تو
دین و دنیا سے بے خبر ہے تو
بولا وہ کیا تجھے نہیں معلوم

ہے زمانے میں میرے نام کی دھوم
مجھکو انصاف لوگ کہتے ہیں
مجھ سے سرکش بھی ڈرتے رہتے ہیں

دوسری بات کا بھی اپنے جواب
سن لے۔ ہے یہ وہ لاجواب کتاب
ساری دنیا میں جسکی شہرت ہے

جس کی ہر اک نظر میں وقعت ہے
فرد و بے مثل و بے نظیر ہے یہ
کہ وہ دیوان دلپذیر ہے یہ

جس کے دیکھے سے جان آتی ہے
جس سے اردو زبان آتی ہے
ایسا اب تک نہ تھا کوئی دیوان

جس کا شایق ہو دل سے ایک جہاں
دل کے بدلے جسے خریدیں لوگ
جان دیکر بھی جس کو لے لیں لوگ

ہے یہ دیوان علم و فن کی جان
اس کا ہر شعر ہے سخن کی جان
اس کا دنیا سے ہے نیا انداز

اس پہ جتنا بھی ہو بجا ہے ناز
مان لی سرکشوں نے اس کی زبان
اس پہ لائے بڑے بڑے ایمان

اس کے سر ہے زبان کا سہرا
کہ یہ مخزن ہے روزمرہ کا
اس پہ دیتے ہیں جان اہل سخن

اس کے ہیں قدر دان اہل سخن
دہاک ہندوستاں میں ہو جسکی
سعدی اردو کا جو مثال میں ہو
جس سے ڈرتے ہیں چور جہدی کے
بادشاہ بھی ہے جو وزیر بھی ہو
مانتے اس کو ہوتے گرز ندا
اب جو ہے اپنے وقت کا غالب
شمع روشن ہو جو چراغ کے بعد
راج ملک سخن میں ہے جس کا
نام بیخود ہے خوش سخن داغ
مجھکو دیوان وہ دیکھنے کو دیا
وہ کلام فرحت ناک
مل گئی سب جہان کی مایا
مسرت ہوئی مجھے حاصل
ست ہو کر کہا یہ دعوی سے
صاف اردو کا یہ خزینہ ہے
ہے بڑی مستند زباں اسکی
یہ نمونہ ہے ساغر جم کا
رنگتیں حاسدوں کی ہیں پھیکی
کیوں نہ ہو اس کلام پر اعجاز
ہادی و رہنمائے راہ سخن
اُن پہ کس طرح ہم نہ ہوں مغرور
ہے یہ طاقت ہلاک کب میری

کیوں نہ بکتا ہو ہے پہ اُس کا کلام
دہوم اردو زباں میں ہو جسکی
حاسدوں کا جو دل جلانے میں
کر یہ مثل اسیر باندھ نہ لے
باندہتا ہے معاملہ ایسا
ناسخ آباد میر اور سودا
جو قصیدوں میں ذوق ثانی ہے
داغ ہے جو جناب داغ کے بعد
یعنی بزم سخن کا صدر نشیں
تیرا استاد جانشین داغ
میں نے جب لے کے اس کا وہ دیوان
جسم پر تنگ ہو گئی پوشاک
کس قدر پر سرور ہیں مضمون
کھل گیا پھول کی طرح سے دل
دیکھنے کو نہیں ہے عیب کا نام
روزمرہ کا یہ دفینہ ہے
وصف کیا کر سکے بیان زباں
حال اس میں ہے سارے عالم کا
ہر طرح کے لکھے نہ کیوں اشعار
کیوں نہ ہم سمجھیں اس کو مایۂ ناز
آپ اس وقت میں ہیں اپنی نظیر
اُن کا ہمسر ہو کوئی کیا مقدور
ابھی تا ریخ طبع دیوان کی

بادشاہ سخن ہے جس کا نام
مومن اس وقت جو خیال میں ہو
مثل آتش ہے اس زمانے میں
خسرو نظم بھی دبیر بھی ہے
رنگ پھیکا کرے جو جرأت کا
جس سے تلمیذ کے ہیں سب طالب
آج جو ہند کا قاآنی ہے
ذکر ہر انجمن میں ہے جس کا
صاحب علم و فن وحید الدین
کر کے اس نے بیان یہ قصا
دیکھا تو ہوش ہو گئے پران
ہاتھ استاد کا کلام آیا
بڑھ گیا تن میں میرے سیر و خون
اُس خوشی کے سرور میں میں نے
خوبیوں سے بھرا ہوا ہے تمام
خوبیاں کیا کروں بیاں اسکی
سچ ہے اب ہو گئی زبان زباں
دیکھکر اس سخن کی رنگینی
ہو ہر اک رنگ جس کا تابعدار
میرے استاد بادشاہ سخن
داغ کی جیتی جاگتی تصویر
خوبیاں میں کروں بیاں اُنکی
عیسوی سن میں ہو مجھے لکھنی

K UNIVERSITY LIB.
Acc No 1041205
Date 26.7.69

یہ بھی استاد کی کرامت ہے میں نے لکھا شعر حقیقت سے کیوں نہ پیدا ہو حاسدوں کو جلن
داغ کا نام کر دیا روشن

قطعہ تاریخ از نتیجہ شاعر شیریں زبان رنگین بیان وقار الاعظم جناب مرزا محمد مشرف یار خاں صاحب شرف تلمیذ فصیح الملک

بیدل نے کل کے خط سے مژدہ ہمیں سنایا ؛ دہلی میں چھپ رہا ہے افسانۂ وحیدی
یہ بھی لکھا کہ بیخود اس طرح ہیں پیامی ؛ تم سے رہے نہ خالی پیمانۂ وحیدی
بیساختہ شرف کو ہاتف نے یہ ندا دی
تاریخ طبع لکھدے خمخانۂ وحیدی

تاریخ از نتیجہ فکر شاعر شیریں زبان حکیم سید ابراہیم صاحب رامپوری المتخلص بہ ظرافت مقیم بمبئی

ہے بیخود کی طبع وہ جدت طراز
ہے گنج فلاطون کی یہ کلید
کہیں ہے بناوٹ کہیں سادگی
یہ دیوان ہے یا ہے گنج فرید
جو نکلا تو اک سیپ تھی ہاتھ میں
محیط سخن در جہان فرید

نئی طرح لکھی ہے بحر جدید
انوکھی طبیعت انوکھا بیاں
عجب طبع بیخود بھی ہے دل پسند
ہوئی فکر تاریخ کی جب مجھے
جو کھولا تو تھا گوہر دل پسند

کہیں فکر منطق کہیں ذکر طب
انوکھی لکھی ہے زمین شعر
جواہر رقم دیکھکر کہہ اٹھے
دیا بحر طبع میں غوطہ جدید
ظرافت تھا اس پر رقم صاف صاف

قطعہ تاریخ از نتیجہ طبع شیریں و نغز گو منشی عبد الغفور صاحب تائب تلمیذ حضرت مصنف

میرے استاد کا چھپا دیواں
خوب ہے خوب ہے یہ دلکش نظم
اس کا طالب ادب کا طالب ہے
ایسی مرغوب ہے یہ دلکش نظم
توڑ کر غیر کی کمر کو لکھا

لکھی کیا خوب ہے یہ دلکش نظم
ذوق و غالب کا رنگ اسمیں ہے
جس کو مطلوب ہے یہ دلکش نظم
طبع کا سال اس کی لکھنے کو
میں نے کیا خوب ہے یہ دلکش نظم
۱۳ ۴۴ - ۱۵ = ۱۳۲۹

اس کو سنتا ہے جو وہ کہتا ہے
کس سے مغلوب ہے یہ دلکش نظم
لوگ سنتے ہیں رات دن تائب
مجھکو مطلوب ہے یہ دلکش نظم
نوٹ یہ تاریخیں بوجہ رہجانیکے سلسلہ میں نہ درج ہو سکیں

Supplied by Mirza Law House ETAWAH